اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم

میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں
ان میں سے تم جس کی بھی اقتدا کرو گے ہدایت پا جاؤ گے

تذکرہ

سادات بنو امیہ

مؤلف
محمد سلیمان



مؤلف .... محمد سلیمان

تعارف .... علامہ محمود احمد عباسی

دیباچہ .... ڈاکٹر اختر حسین

ناشر .... محمد سلیمان

مطبع .... انٹرنیشنل پریس کراچی

بار .... اوّل

تاریخ اشاعت .... جنوری سنہ ۱۹۶۸ء

قیمت .... آٹھ روپے

ملنے کا پتہ:۔

عوامی کتب خانہ۔ بولٹن مارکیٹ، کراچی

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

جاء الحق وزھق الباطل ط ان الباطل کان زھوقاہ
آیا سچ اور نکل بھاگا جھوٹ۔ بیشک جھوٹ نکل بھاگنے والا ہے!

تعارف

اس کتاب کے تعارف کی توچنداں ضرورت ہی نہیں۔ کیونکہ مصنف کتاب کے نقطہ نظر اور وجہ تالیف کی وضاحت ان کے "پیش لفظ" میں بالتفصیل کردی گئی ہے۔ جس کی تائید ان کے خاندانی عزیز نے اپنے دیباچہ میں بھی کردی ہے۔

"پیش لفظ" اور "دیباچہ" کے مطالعہ ہی سے وہ شبہ بھی دور ہوجاتا ہے جو کتاب کا نام پڑھ کر بادی النظر میں پیدا ہوسکتا ہے کہ کتاب صرف ساداتِ بنو امیہ کے خاندانی حالات ہی پر مشتمل ہوگی۔ اسی کے ساتھ برعکس نہند نام زنگی کافور "ظفر فاروقی دی" کی مذموم جسارت کا پتہ چلتا ہے کہ پہلے تو مصنف موصوف کے صدیقی۔ دامغانی خاندان کو افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق حضرت ابوبکر صدیق رضؓ خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک نسل

میں ہونے سے محروم کرنے کے لئے چوتھے خلیفہ حضرت علیؓ کی غیر فاطمی اولاد میں ٹھونسنے کی انتہائی لغو حرکت سے داخل النسب و خارج النسب کے لعنتی طوق اپنی گردن میں پہننے اور پہنانے کا ارتکاب کیا۔ پھر "خلافت و حکومت" نام سے اکاذیب واتہامات کا پلندہ رکھ کر بڑی دریدہ ذہنی و بے حیائی سے ازواج مطہرات وصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تنقیص و توہین میں عالی رافضیوں کو بھی مات کر دیا۔

جواں سال وجواں ہمت مصنف محمد سلیمان سلمہٗ کو خدا جزائے خیر دے کہ انھوں نے اپنی اس تصنیف میں غائیت تحقیق سے روایتاً و درایتاً ان تمام اتہامات اور بہتان تراشیوں کا پردہ اس طور سے چاک کر دیا۔ کہ تارِ عنکبوت کی بھی سکت ان اکاذیب میں باقی نہ رہی۔

تاریخ کے اوراق ایسے ابن الوقت بہروپیوں زندیقوں اور روافض کی نشاندہی کرتے ہیں جو اپنے ذلیل مقاصد سے سنیت کا چولہ پہن کر لوگوں کو گمراہ کرتے رہے ہیں۔ امہات المومنین وصحابہ کرام کی جلالتِ قدر کو مجروح کر کے فجار وفساق کے زمرہ میں شمار ہوتے رہے ہیں۔

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا	جو بات ان کے منہ سے نکلتی ہے بڑی ہے۔ وہ جھوٹ کے سوا کچھ نہیں کہتے۔

ازواج مطہرات وصحابہ کرام کی محبت، عزت وحرمت ہی اہلسنت والجماعت کی پہچان ہے۔

لم يؤمن بالرسول من لم يوقر اصحابه	جو شخص آنحضرت صلعم کے صحابہؓ کی عزت وتوقیر نہ کرے وہ رسول اللہ صلعم پر ایمان نہیں لایا۔

خود نبی کریم صلعم کا ارشاد ہے۔

لا تسبوا اصحابی فمن سبھم فعلیہ لعنت اللہ	میرے صحابیوں کو برا نہ کہو جس نے ایسا کیا اس پر اللہ کی لعنت۔

حضرت معاویہ رضؓ کے صحابی و کاتب وحی ہونے سے تو شیعہ مورخین کو بھی انکار کی جسارت نہیں ہوئی۔

یعقوبی اپنی تاریخ میں اور مسعودی نے "التنبیہ والاشراف" صفحہ ۲۸۳ مطبوعہ بریل سنہ ۱۸۹۴ء میں صراحتاً ان کو کاتبان وحی میں شمار کیا ہے۔ نیز تیسرے شیعہ مورخ الفخری نے (آداب السلطانیہ صفحہ ۱۴۵ میں صراحتاً ان کو کاتبان وحی میں لکھا ہے۔

کتب الوحی فی جملۃ من کتبہ بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	من جملہ اور وحی لکھنے والوں کے امیر معاویہ رضؓ نے بھی رسول اللہ صلعم کے پاس بیٹھ کر وحی لکھی۔

ائمہ و علمائے اہلسنت تو متفقہ طور پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو کاتب وحی بتاتے ہیں۔

عینی شرح بخاری صفحہ ۴۹ مطبوعہ مصر میں ہے۔

معاویہ بن ابی سفیان کاتب وحی	حضرت معاویہ بن ابی سفیان کاتب وحی تھے۔

نیز اسی کتاب (فتح الباری جزو ۱۴ صفحہ ۲۰۱ میں یہ عبارت اس بدگو نذری کا منہ بند کرنے کو کافی ہے۔ لکھتے ہیں :۔

معاویہ بن ابی سفیان اسلم قبل الفتح واسلم ابواہ	معاویہ رضؓ بن ابی سفیان فتح مکہ سے پہلے ہی اسلام لائے۔ لیکن

بعدہٗ وصحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔	ان کے والدین بعد کو مسلمان ہوئے اور حضرت معاویہؓ رسول اللہ صلعم کے صحابی تھے۔

نووی شرح مسلم میں ہے۔

واما معاویہ رضی اللہ عنہ فھو من عدول الفضلاء والصحابۃ النجباء	لیکن حضرت معایہ رضی اللہ عنہ عادل فضلا اور بڑے صحابہ میں سے تھے۔

عمدۃ القاری شرح بخاری کتاب العلم ص ۴۹ میں تحریر ہے۔

معاویہ بن ابی سفیان کاتب الوحی ومناقبہ جملہ۔	معاویہؓ بن ابی سفیان کاتب وحی تھے اور ان کے مناقب کثرت سے ہیں

اس سبائیت زدہ ندوی نے حضرت معاویہؓ پر جو طعن اچھل اچھل کر کئے ہیں کیا حضرت حسنؓ ان مطاعن سے بچ سکتے ہیں۔ کیونکہ انھوں نے حضرت معاویہؓ کو خلافت سپرد کی۔ اور دونوں بھائی حضرت حسنینؓ نے نہ صرف بیعت کی بلکہ ان سے کثیر رقوم وظائف وعطایا وصول کرتے رہے۔ ندوی رافضی کو اس بات کا جواب دینا ہوگا کہ بڑے بھائی حضرت حسنؓ نے باوجود قوت وشوکت کے حضرت معاویہؓ کو خلافت سپرد کی۔ ان کی بیعت میں رہے اور آنحضرت صلعم نے اس بات پر کہ انھوں نے حضرت معاویہؓ سے صلح کرکے اپنی خلافت سپرد کی، بطور پیش گوئی ان کے بچپن میں ان کی تعریف فرمائی تھی تو چھوٹے بھائی (حضرت حسینؓ) نے کیوں امیر یزیدؒ کی بیعت سے جو حضرت معاویہؓ کے باضابطہ ولیعہد تھے اور تمام مسلمان ان کی بیعت میں شامل تھے، منکر بیعت ہوکر یہ مصیبتیں



کیوں اپنے سر مول لیں۔ عین کار ونا یہ رافضی رو تے ہیں۔

یہ سندوی جو اپنے ہم مشربوں کی طرح حضرت معاویہ رضؓ اور دوسرے طالبانِ قصاص خونِ عثمان رضؓ پر بوچھار کر رہے ہیں لوگوں کے ان مطاعن کا کیا جواب دے سکتے ہیں کہ حضرت علی رضؓ نے قاتلان عثمان رضؓ کو اپنے ساتھ کیوں رکھا؟ کیوں انھیں اپنی پناہ میں لیا۔؟ کیوں خود قصاص نہ لیا؟ اور کیوں طالبانِ قصاص سے جدال و قتال کیا۔؟ کیا ان کے مشیروں ہی نے یہ ساری کارروائی ان کی خلافت کے لئے کی تھی۔ کیا دل سے حکومت کے طالب رہے۔ مگر زبان سے تقیتہً انکار کرتے رہے۔

اس بدگو ندوی کی اگر اس طرح منطق چلائی جائے تو ان صحابہ میں سے کسی کا دامن مطاعن سے نہیں بچ سکتا۔ مگر اہلسنت والجماعت کا یہ مذہب و مسلک نہیں ہے۔

مشاجرات و محاربات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بارہ میں زبان کو بند رکھنا شیوہ اہلسنت ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمتہ نے حضرت علی رضؓ اور دیگر صحابہ کے مشاجرات کے بارے میں نصیحت فرمائی ہے کہ :۔

ومن قاتلہ من معاویہ و طلحہ والزبیر فاحسن احوالنا الامساک فی ذالک (غنیۃ الطالبین)	حضرت معاویہ رضؓ، طلحہ رضؓ اور زبیر رضؓ سے جو جنگ حضرت علی رضؓ کی ہوئی بس اس سے زبان رد کے رکھنا بہت اچھا ہے۔

انہی شیخ الشیوخ علیہ الرحمتہ نے آنحضور صلعم کا یہ ارشاد بھی نقل

کیا ہے :-

وقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان اللّٰہ عز وجل اختار لی اصحابی ...... وانہ سیجئی فی اخر الزمان قوم ینقصونہم الا فلا تاکلوھم۔ الا فلا تشاربوھم۔ الا فلا تناکحوھم الا فلا تصلو معھم۔ الا فلا تصلو علیھم علیھم اللعنۃ"

غنیۃ الطالبین صـ۱۹۴-۱۹۵

اور رسول اللّٰہ صلعم نے فرمایا اللّٰہ تعالیٰ نے میرے لیے میرے صحابی کو چن لیا.... آخر وقت میں ایک قوم ہوگی جو ان کی تنقیص کرے گی۔ خبردار ان کیساتھ کھانا نہ کھانا۔ خبردار ان کیساتھ پانی نہ پینا۔ خبردار ان کے ساتھ نکاح نہ کرنا۔ خبردار ان کیساتھ نماز نہ پڑھنا۔ خبردار ان کیساتھ نماز جنازہ نہ پڑھنا کیونکہ ان پر خدا کی لعنت ہے۔

ہمارے لائق وجواں ہمت نوجوان مصنف نے اس رافضی ندوی کے ہذیانی بہتانات میں سے اس کی ایک ایک یاوہ گوئی کا رد بطریق احسن اور مسکت دلائل سے درایتاً و روایتاً کرکے ثواب دارین حاصل کیا ہے۔ اللّٰہ تعالیٰ ان کو دینی واسلامی ضریات کی توفیق مزید عطا فرمائے، اور دوسرے نوجوانوں کو ان کی مثال کی تقلید کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

احقر :-

محمود احمد عباسی غفرلہٗ

۲۳ر اپریل سنہ ۱۹۶۸ء

دیباچہ

ظفر فاروقی صاحب کی کتاب فیملی ایڈیشن "خاندان علویان دامغان کا ایک مختصر تاریخی جائزہ" اور "خلافت وحکومت"، پر طائرانہ نظر ڈالی۔ چند ورق ہی گردانے تھے کہ حواس باختہ ہو گئے یا اللہ یہ کیا خرافات پڑھ رہا ہوں۔ صحابہ کرامؓ پر کذب اور بہتان تراشی کے اس انبار پر لعنت بھیجی اور جس راہ سے مجھے یہ ملی تھیں اسی راہ سے یہ کہتے ہوئے واپس کر دیا کہ یہ ہجو نامہ عام مسلمانوں اور بالخصوص اہلسنت والجماعت کے لئے ایک گمراہ کن عبارت ہے۔ افسوس! ایک غلط اور مادہ پرست ذہن اس درجہ سرکشی پر آمادہ ہے، کہ وہ اصحاب رسولؐ کو اپنے معیار پر پرکھے، اور اللہ کے اس حکم "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" کی روگردانی کرکے رسولؐ کے اس فرمان "اصحابی کالنجوم" کا بھی اپنے بغض اور کینہ سے مذاق اڑانے اور ان کے ایمان و عدل پر ایمان سوز حملے کرنے ان کو غاصب اور ان کے ایمان کو کم درجہ کا

ثابت کرنے کی لاحاصل کوشش کرتا ہے جو حقیقتاً عام مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنے کے مترادف ہے۔

مجھے ایک "فاروقی" اور "مذوی" سے کم از کم اس گمراہ کن راہ روی کی توقع نہ تھی۔ واللہ یہدی من یشاء اس کی خلش برابر دل میں قائم رہی۔ اللہ برادرم محمد سلیمان کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ موصوف نے ظفر صاحب کی خرافات کا مدلل اور دندان شکن جواب دیگر حقائق کو کتابی شکل میں قلمبند کر دیا ہے، اور ایسا کر کے حصول ثواب میں اولیت حاصل کر لی۔ اللہ قبول فرمائے ان کی یہ محنت حق پسند افراد کے لئے نور ہے اور بوجہلی اوصاف والوں کے لئے ظلمت ہی ثابت ہوگی۔ برادرم محمد سلیمان نے وہ سب کچھ تحریر کر دیا ہے جو درکار تھا۔ مزید ان باتوں کی تجدید و تکرار کرنا لاحاصل ہے۔ ان کی خواہش پر چند سطریں تحریر کر رہا ہوں کہ مقصد کو سمجھنے میں اعانت میسر ہو۔

اللہ کے رسول کی بات جسے حدیث کہتے ہیں اس کے متعلق تو ہم بے دریغ کہہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث قوی ہے یا ضعیف، راوی سچا ہے یا کاذب وغیرہ وغیرہ۔ تو کیا اہل ایمان یہ کتاب قبول کرنے اور تسلیم کرنے میں ظفر صاحب کے متعلق یہ سوال اٹھانے کی ضرورت محسوس نہ کریں گے؟ انھیں ایسا ضرور کرنا پڑے گا۔ اسے قابل توجہ نہ سمجھنا یقیناً خسران کا سبب ہوگا

صدیوں سے ایک گروہ چلا آرہا ہے جس کا یہ مشن جاری ہے کہ اس نے حضرت علیؓ کو سب کچھ تسلیم کر رکھا ہے۔ نعوذ باللہ! اللہ تبارک و تعالیٰ نے معذور ہیں ان سے غلطی ہو سکتی ہے اپنی غلطی کی اصلاح پر قادر نہیں۔ منصف یہی نہیں کہ نبوت حضرت جبریل کی غلطی سے حضورؐ

کے حصہ میں آگئی۔ حضورؐ کی ذاتِ گرامی جامع صفات نہ تھی اپنے ساتھیوں
یعنی صحابہ کرامؓ کی اصلاح نہ کرسکے یعنی آپ نعوذ باللہ۔ منبع انسانیت
نہ تھے کہ حضورؐ کی بیماری ہی نہیں آپ صلعم کی خواہش کو کالعدم کردیا گیا
اسی طرح اللہ اور اس کے حبیبؐ کے درمیان جو رشتہ ہے وہ ظاہری ہے
حقیقت نہیں ورنہ حضرت علیؓ اور آپؐ کی آل کو ہمیشہ کیلئے خلافت تحریر
ہوجاتی۔ اس طرح صحابہ کرام کو لفظی گورکھ دھندوں کے ذریعہ برگشتہ
کرانا اور مطعون کرانا اس کا جزایمان ہے۔ خلافت حضرت صدیق اکبرؓ
حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ باطل ہے۔ حضورؐ
کی صرف ایک صاحبزادی ہیں۔ حضرت فاطمہؓ وغیرہ وغیرہ اسی گروہ کی
ترجمانی ہیں آج "فاروقی" ندوی صاحب رطب اللسان ہیں۔ ہمارے تمام
آئمہ، علماء، صلحاء، اولیاء اور ہمارے تمام بزرگوں نے اس کی نفی
کی ہے، اور ان خیالات سے بیزاری کا اعلان کیا ہے حیف ہے کہ خود ساختہ
ندوی ظفر صاحب نے ان خیالات پر یقین و ایمان رکھتے ہوئے مسلمانوں
کو بھی اسے قبول کرلینے کی دعوت دی ہے۔ اہلسنت والجماعت کو یہ کتاب
آگ میں جھونک دینا عین ثواب ہے اور قبول کرلینا ان کی دعوت کی خاموش
تائید ہے گویا ظفر صاحب کی تحریر سے کھل کر اظہار بیزاری اور نفرت کرنا عین
ایمان ہے۔ ظفر صاحب جسوقت ندوہ کے طالب علم رہے ہوں گے اسوقت
ندوۃ العلماء لکھنو اہل علم اور بزرگوں سے بھرا تھا حضرت سلیمان ندویؒ
مصنف سیرت النبی جسکے متعلق وہ کہتے رہے ہیں کہ انشاء اللہ صرف یہ کتاب میری
نجات کا سبب ہوگی۔ اس میں انھوں نے حضور کے آخیر وقت اور بعد انتخاب
خلیفہ کو ان الفاظ میں ذکر نہیں کیا۔ مجھے بخوبی علم ہے کہ اسوقت ندوہ کے

وہ تمام شیوخ کن صفات کے تھے ان کا شاگرد اور صحبت نشین تک پارس اور اعلیٰ مومن بن گیا۔ ان کے شاگردوں میں اس ذلیل طرز فکر کا کوئی پیدا ہی نہیں ہوا۔ کاش ظفر صاحب خود کو ندوی نہ کہتے اور یہ دینی عیاشی نہ فرماتے تو بہتر تھا۔ ان کے تمام استاد اور شیوخ خدمت گذار، تہجد گذار، اچھے برے اور حرام و حلال میں تمیز کرنیوالے تھے۔
ظفر صاحب نے اپنے شیوخ صاحب کی بہت عزت فرمائی ہے جسے گمراہ جسارت ہی کہنا انسب ہوگا۔ اس گروہ کے عقائد اور نظریات آپ کو مبارک ہوں کاش کہ دور طالب علمی میں ندوۃ العلماء کی لائبریری میں اپنے شیوخ کی رہنمائی سے خود کو پہچاننے کی سعی کی ہوتی تو خود کو پہچان کر راہوں کو بھی جان لیا ہوتا۔ بھٹکا مسافر رہبروں کی رہنمائی کا دعویٰ کرے کیا خوب؟

آخیر میں میں پھر یہ کہوں گا کہ ظفر صاحب کی ان کتابوں میں سوائے شر کے خیر سرے سے ہے ہی نہیں۔ اللہ ان کے عقائد اور عمل کی اصلاح فرمائے اور ندوی بالجبر نہیں بلکہ حقیقی ندوی ہم صفت بنائے، اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ اس فاروقی پر فاروق اعظمؓ کی راہیں کھول دے جس نے ابوبکرؓ کو تمام صحابہ سے افضل ہونیکا سب سے پہلے اعلان کیا جو آجتک اہلسنت کے سینوں میں تمام صحابہ کرام کی طرح جاگزیں ہے۔ آمین۔

"اے اللہ میں تجھ سے معافی طلب کرتا ہوں اور دنیا میں آرام وسلامتی مانگتا ہوں"
"اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں فخر و محتاجی اور ذلت سے اور اس سے کہ میں ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے۔" "آمین ثم آمین"

آثم
چودھری ڈاکٹر اختر حسین صدیقی
عزیز آباد۔ کراچی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

ظفر فاروقی صاحب کا شاہکار مختصر تاریخی جائزہ بابتہ خاندان ملویان نظر سے گذرا تو ذہن مختلف و متضاد موضوعات میں الجھ گیا۔ لہٰذا ضرورت محسوس ہوئی کہ اس تضاد و اختلاف واقعات کو فہم و عقل کی روشن اسکرین (Screen) پر اس طرح منعکس کیا جائے کہ ناظرین کو ناطورہ تاریخ کے حقیقی خدوخال نظر آجائیں۔

ظفر صاحب نے شجرہ اس لئے مرتب کیا کہ نئی نسل اپنے آباؤ اجداد کو پہچان لے، یہاں تک تو مقصد نیک تھا۔ اگر واقعہ نگاری صرف آباؤ اجداد کے اوصاف حمیدہ تک محدود رہتی۔ لیکن اچانک خاندان کی چھت سے قصر خلافت پر چھلانگ لگانا اور پھر وہاں سے ایوان رسالت تک چھلانگ لگانا بزعم خود ایسی سعی رائیگاں تھی جس نے ہر قدم پر مصنف کو ڈگمگایا تو سنبھالا لینے کے لئے جو سہارے ملے وہ بھی انتہائی کمزور نکلے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قدم جمنے کے بجائے پھسلتے ہی چلے گئے اور مقصد نیک سے بد ہوتا چلا گیا۔

وہ یوں کہ نئی نسل کو یہ بتانا کہ رسولؐ کی نیابت کا حق صرف حضرت علیؓ اور آلِ رسولؐ ہی کو تھا اور حضرت علیؓ اپنے کو اور حضرات کے مقابلے میں جائز حقدار سمجھتے تھے۔ یہ تصور کچھ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اس لئے کہ حضرت علیؓ نے تمام عمر کبھی اپنی خاندانی شرافت، نجابت، عظمت، قرابت اور اہلیتِ نیابت کا اشارۃً کنایۃً اظہار نہیں کیا۔ نہ اور حضرات کے مقابل خود کو افضل گردانا نہ وہ فخر و مباہات کے عادی تھے اور نہ اس کو شرعاً جائز سمجھتے تھے اور نہ امتِ رسولؐ ہی کو اس کی اجازت دی۔

اور اگر بزعم مصنف وہ جائز حقدار تھے تو جنھوں نے سب سے پہلے ان کو خلافت سے محروم کیا اور جو آخر تک محروم کرتے رہے، ان کی صداقت، عدالت امانت اور خلافت کی بابت کوئی مضبوط ضمانت پیش کیجئے۔ ورنہ نہایت جرأت سے انکار کیجئے تاکہ نئی نسل کیلئے عقیدہ راسخ متعین ہو سکے اور ان کے ذہن سے ترکیب و ترتیب خلافت کے خلاف شکوک و شبہات دور ہو سکیں ورنہ آپ کے یہ مبہم تاریخی حوالے یُوَسْوِسُ فِی صُدُوْرِ النَّاس کا کام کرتے رہیں گے۔

میرے محترم بزرگ مسئلہ خلافت پر تنقید کرنا نہایت دشوار گذار مرحلہ ہے۔ ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔ اس لئے کہ حضور صلعم کے یہ چار خاص الخاص صحابہ شریعت نبوی کے مکمل عامل تھے اور حضورؐ ان کے اقوال، اعمال، اخلاق اور ایمان سے قطعی مطمئن تھے اور ان حضرات نے بھی اپنے کسی قول، فعل اور عمل سے رسولؐ اور امتِ رسولؐ کو مشکوک ہونے کا موقع نہیں دیا۔ چودہ سو برس سے حضور صلعم کا یہ فرمان امت کو ان چاروں حضرات کے مقام، منصب اور اہلیت کا ثبوت دیتا ہے۔

"علیکم بسنتی وسنۃ خلفاء الراشدین مہدیین"

تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ رسولؐ کے رحلت فرماتے ہی چند منٹ میں وہ سب خواص حسنہ ان سے زائل ہو گئے اور وہ کسی دباؤ، منفعت یا اقتدار کی خاطر یکے بعد دیگرے اپنا کردار برباد کرتے رہے اور حضرت علیؓ اور آلِ رسول کا حق غصب کرتے رہے۔ (نعوذ باللہ)

کیا حضرت صدیقؓ سے ایسی امید کی جاسکتی ہے کہ وہ رسولؐ کو تو پہچانتے ہوں اور حضرت علیؓ کے فضائل سے ناواقف ہوں اور اگر واقف ہوں تو دیدہ و دانستہ چند لوگوں کے کہنے سے جائز حقدار کے بجائے خود مسند خلافت قبول کر لیں۔ کیا جناب عمرؓ سے یہ توقع ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی عدالت سے منحرف ہو کر جائز حقدار حضرت علیؓ کو نظرانداز کر کے خود امیر المومنین بن بیٹھیں۔ چلیئے بقول دشمن مان لیجئے کہ رائے عام ان حضرات کی راہ میں حائل تھی اور یہ اس کے حسب منشا سب کچھ کرنے پر مجبور رہتے۔ تو میں سوال کرتا ہوں کہ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ تو مسلمانوں کی عظیم اکثریت تھی وہ بھی خاموشی سے دوسروں کے حقوق کی تباہی دیکھتی رہیں اور کوئی آواز ناانصافی کے خلاف بلند نہ کر سکیں۔

میں پھر عرض کروں گا کہ یہ مسائل نہایت دقیق اور پیچ در پیچ واقعات و حالات سے مربوط ہیں۔ جس کے سمجھنے کے لئے نہایت وسیع وعمیق علم و مطالعہ کی ضرورت ہے۔ حتی الوسع میں نے فاروقی صاحب کے قلم بند واقعات کے اجمال کی تفصیل کی کوشش کی ہے۔

میری ذاتی رائے میں کسی خاندان کے شجرہ کے لئے افراد خاندان ان کے حالات داوصاف ہی پر اکتفا کرنا چاہیئے۔ ذکر رسالت وخلافت اور ذاتی واقعات ومعاملات کو بغیر حوالہ کے وضاحت کرنا اور انسانی لاشوں کے ڈھانچوں کو غاروں سے کھود کر سامنے لانا۔ عبدیت، معبودیت، نمرودیت و براہمیت کو شجرہ میں سمونا

یہ سب کچھ اصل موضوع سے ہٹ کر اشکال و اہمال کی وادیوں میں بھٹکنے کے کے مصداق ہے۔

میں کہتا ہوں اگر نئی نسل کو شجرہ کے ٹیلیویژن پر یہ نامکمل ڈرامہ دکھانا ہی مقصود تھا تو پھر کائنات کی تخلیق اور مقصدِ تخلیق کی وضاحت بھی ضروری تھی اور ظفر صاحب کو ہائیڈروجن ایٹم سے شروع کرنا تھا۔ اگر یہ ریسرچ (Research) بھی اس شجرہ میں شامل کر دیجاتی تو یہ بیک وقت سائنس، تحقیق، تاریخ، خالقیت، رسالت شرلیت اور خلافت وغیرہ کا مرکب پاکٹ Pocket ایڈیشن ہوجاتا۔ اور خدا جانے کیا سے کیا ہوجاتا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ نئی نسل اس کو پی۔ ایچ۔ ڈی کرنے کے لئے بطور مقالہ پیش کر سکتی۔

اگر میرا مشورہ ظفر صاحب قبول فرمائیں تو ذرا ٹھنڈے دل سے بغور اپنی تصنیف کا مطالعہ کریں اور جائزہ لیں کہ ان کے اقوال میں کہاں تک تضاد ہے۔ مثال کے طور پر قاضی الطاف حسین صاحب کا عدالت چھوڑ کر تارک الدنیا ہوجانا اور پھر تھلینڈی میں بستی اور اہلِ بستی سے دور اقامت گزیں ہونا پھر ظفر صاحب کے والد بزرگوار سے قربت پیدا کرنا اور بعد نماز مغرب تشریف لاکر کبھی کبھی شطرنج کھیلنا تارک الدنیا ہونے کی ایسی سند پیش کرتا ہے کہ

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے
ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے والد بزرگوار کا لہو لعب اس قدر قوی تھا کہ ایک تارک الدنیا بزرگ جو عدالت چھوڑ کر بھاگا تھا قربت ہوتے ہی پھر ضلالت میں پھنس کر لہو لعب میں مبتلا ہو گیا۔ فاروقی صاحب نے ان بزرگوں کا صرف ایک کھیل شطرنج تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔ لہذا بطور سند تحریر کر دیا۔ تاکہ نئی نسلیں

بھی منھ کا مزہ بدلنے کے لئے کبھی کبھی اپنے اجداد کی تقلید میں لہو ولعب سے دل بہلا لیا کریں اور فخر کریں کہ ان کے اسلاف شاطر بھی تھے۔

اس موضوع پر قلم اٹھانا ہم نے اس لئے بھی ضروری سمجھا کہ غیروں کے پروپگنڈہ سے متاثر ہو کر ظفر صاحب اور عوام کی بہت بڑی تعداد شیعوں کی ہمنوا بن چکی ہے ان کے ذہنوں پر غلط خیالات اس قدر راسخ ہو چکے ہیں کہ اس کے خلاف کچھ سُننا ہی بار خاطر ہوتا ہے توجہ اور قبول تو درکنار۔ اپنی کتاب کی تصنیف کے دوران ہمارے چند دامغانی بزرگوں نے حق و باطل سے قطع نظر میری اس تصنیف کو مذموم قرار دیا تھا۔ ان کے نزدیک اس قسم کی بحثوں میں پڑنا اضاعت وقت اور فعل لایعنی میں داخل ہے۔ ایسے اصحاب کا طرز عمل خود ان کے لئے ہی نہیں بلکہ ان کے خاندان اور امت کے لئے گمراہ کن ہے اور افسوس یہ ہے کہ وہ اپنے طریقہ کو اپنی اور امت کی خیر خواہی سمجھتے ہیں۔ ان نامساعد، حوصلہ شکن اور مایوس کن احول کے درمیان میری اس حقیر کاوش کا پورا ہو جانا بس اللہ ہی کی طرف سے غیبی امداد اور اس کی ودلیعت کردہ ہمت کا مرہون منت ہے۔ بہرحال میں اپنے ان بزرگوں کا بھی مشکور ہوں (نام لینا نامناسب ہے) جن کی مخالفت اور سرد مہری نے مجھے ہمت اور ضبط وتحمل سے نوازا۔

جو حضرات اس قسم کے مباحث چھیڑنے کو قابل مذمت سمجھتے ہیں آخر وہ کس دلیل شرعی سے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ خاموشی ہر حالت میں مفید ہے۔ خواہ اس کا نتیجہ ہدایت ہو یا ضلال۔ خیر ہو یا شر۔ کوئی فائدہ ہو یا ضرر۔ اس کے معنی تو یہ ہوں گے کہ پھر اہلسنت کسی کے سامنے اپنے عقائد کا اظہار ہی نہ کریں اس لئے کہ ان کے بکثرت عقائد ایسے ہیں جن سے اسلام کے نام لیوا اور دوسرے فرقوں میں سے کسی نہ کسی کو اختلاف ہے۔ مثلاً اگر ہم سیدنا ابوبکر صدیق رضؓ کو خلیفہ اول کہتے ہیں

تو اس سے شیعہ صاحبان کو شدید اختلاف ہوتا ہے۔

۲- اگر ہم کلمہ توحید کی واضح تشریح کرتے ہیں اور جاہل مسلمانوں کے شرک آمیز خیالات کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں تو امت کا ایک بہت بڑا گروہ جو قبر پرستی، اوہام پرستی پیر یا امام پرستی وغیرہ میں مبتلا ہے اہل حق سے ناراض ہو جاتا ہے اب اگر ان "صلح کل" حضرات کا اصول قبول کر لیا جائے تو اس کے دو معنی ہوں گے۔ ایک یہ کہ ہم توحید، ختم نبوت، خلافت وغیرہ اہم اجزاء دین کا بیان کرنا ہی چھوڑ دیں اور دوسرے یہ کہ دین حق پر اور اصحاب رسول ؐ پر اگر لعن طعن ہوتی ہے تو ہوتی رہے ان کی مدافعت پر خبردار نہ اٹھا جائے کیونکہ اس سے اختلافات اور اتحاد قومی پر حرف آتا ہے نیز کسی کی دل شکنی کا باعث بنتا ہے۔ خدارا کوئی ہمیں بتائے کہ کیا شرعاً وعقلاً اس قسم کا سکوت جائز ہے؟ اور کیا اس سکوت پر قیامت میں باز پرس نہ ہوگی اور کیا اتحاد یا دوسروں کی دلجوئی کی خاطر ایمانیات کو قربان کر دینا کسی طرح درست کہا جا سکتا ہے؟ اگر نہیں تو صحابہ کرام رضؓ، ازواج مطہراتؓ، خلافت اور اہلبیت کے متعلق عقائد اہلسنت کا بیان کیوں مذموم ہے؟ حالانکہ وہ حضرات دینی مباحث کے بارے میں تو سکوت کا مشورہ دیتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی سیاسی مسئلہ یا ان کا کوئی ذاتی معاملہ درپیش آجائے تو یہی صاحبان پوری قوت کے ساتھ فرقہ سازی اور اتحاد کو پارہ پارہ کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے اس کا صرف ایک سبب ہے کہ ان کے دلوں میں دین کی عظمت کم ہے اس لئے دینی بحثوں کی وجہ سے کسی کی نگاہ میں نامقبول ہونا یا سامنے آنا انھیں گوارہ نہیں ہاں دنیا کے لئے وہ سب کچھ گوارہ کریں گے۔

درحقیقت یہ حضرات ایک بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ معلوم نہیں وہ کس دلیل سے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ مباحث مدارج ومراتب صحابہ، مصداق اہلبیت کے متعلق

ان کی کوتاہی پر قیامت کے دن کوئی سوال نہ ہوگا اور صحیح العقیدہ اور فاسد العقیدہ دونوں کو یکساں سمجھا جائے گا؟۔ بلکہ ہر شخص سے اس کے علم، اس کی فہم اور اس کے حالات کے مطابق سوالات ہوں گے۔ اگر صحیح عقیدہ کا علم ہونے کے باوجود کوئی اسے رد کرتا ہے تو حق سے اعراض کرنے اور باطل پر عقیدہ رکھنے پر گرفت ہوگی۔ یا صحیح الدماغ اور صحیح عقیدہ ہونے کے بعد بھی وہ باطل و فاسد عقیدہ، کلام یا تحریر پر آنکھیں بند کر کے کانوں میں انگلیاں دے لیتا ہے اور بقدر استطاعت اس پر اعتراض نہیں کرتا ہے تو یقیناً اس کی گرفت ہوگی۔

اب اگر ظفر صاحب قرآنی لفظ "اہلبیت" کے معنی تبدیل کر کے اس کو حقیقی معنوں سے ہٹا کر اس کے مجازی معنوں میں یہ مراد لیتے ہیں کہ اہلبیت میں صرف حضرت فاطمہؓ وحضرت علیؓ وحسنینؓ ہی شامل ہیں[1] ازواج مطہرات شامل نہیں ہیں اور ناظرین محفل ان کی دل شکنی اور قرابت کی خاطر اس باطل عقیدہ پر قناعت کر لیتے ہیں اور تحقیق و تفتیش سے استغنا برت کر سکوت و رضا سے کام لیتے ہیں تو کیا ان حضرات کی اس بے حسی اور مرعوبیت پر گرفت نہ ہوگی؟۔ حالانکہ یہ ظفر صاحب کی کج فہمی اور گمراہ کن پروپیگنڈہ کے مصداق ہے۔ اس سے ان کا مقصد امہات المومنین کی تنقیص ہی نہیں بلکہ خاکم بدہن۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو کم اور آپ کی رسالت و نبوت کو مشکوک اور ناقص ثابت کرتا ہے۔ حالانکہ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے خود امہات المومنین (اہلبیت) کی یوں تطہیر فرمائی۔

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ۔

ویطھرکم تطھیرا ہ

---

[1] ملاحظہ ہو صفحہ ۲۰

"اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتے ہیں کہ اے اہل بیت نبی تم سے گندگی کو دور رکھیں اور تمہیں خوب پاک صاف کر دیں۔"

ازواج مطہرات کی یہ فضیلت عظمیٰ جسمیں کوئی ان کا ہمسر نہیں۔ سبائیوں کی آنکھوں میں خار کی طرح کھٹکنے لگی اور انھوں نے آیت کے معنوں میں تحریف کر کے مشہور کیا کہ اہلبیت سے مراد حضرت علیؓ و فاطمہؓ و حسنینؓ ہیں ازواج نبی کریم مراد نہیں پھر اس آیت کے متعلق کو ذبیں حدیثیں گڑھ کر تخریب دین اور تفریق ملت کیلئے ذوات اربع کو آڑ اور ذریعہ بنایا گیا۔

بظاہر لفظ اہلبیت پر کسی قسم کا تبصرہ و بحث ضروری یوں نہیں معلوم ہوتا کہ قرآن نے اس کے مفہوم کو اتنا واضح کر دیا ہے کہ بجز معتقدین کے اور کسی کو اس سے انحراف کی گنجائش نہیں ہے۔ مگر حضورؐ کے وصال کے بیس اکیس برس بعد ہی ابن سبا منافق نے تفریق امت کے لئے ایرانی نظریہ "افضیلت نسل شاہی" کو سیاسی ضرورتوں کے لئے اہلبیت کے مفہوم میں لا ملایا۔ اور پھر مکر و فریب سے یہ زہر عوام میں پھیلایا کہ ازواج دوسری ہیں۔ اور اہل بیت دوسرے یہی اثر بعض ذہنوں میں اب تک قائم ہے۔ اب قرآن لاکھ کہتا ہے کہ "اہل بیت رسولؐ" صرف ازواج رسولؐ ہیں اور عکرمہؓ مدینہ کے بازاروں میں ہزار پکارتے پھریں کہ یہ آیت اہل بیت و تطہیر صرف ازواج رسولؐ کے بارے میں اتری ہے مگر بغض سے بھرے ہوئے ذہن یہی کہتے رہیں گے کہ جی نہیں! اہلبیت رسولؐ تو صرف ذوات اربع (یعنی حضرات علی و فاطمہ و حسنین رضی اللہ عنہم) ہیں۔ غرضکہ امہات المومنین کی اس حق تلفی پر اور حضرات صحابہ کی بدگوئی پر اگر نکیر نہ کی گئی جو امت کی گمراہی کا سبب ہے تو حق تعالےٰ کے یہاں اس خاموشی پر ضرور گردن ناپی جائے گی اور یہ حق تلفی ایک قوی دلیل نبوت سے بے اعتنائی اور شیعیت قبول کرنے کی صلاحیت میں قوت و افزونی ہے

یہ بات بھی واضح ہے کہ آیت کے نزول سے سات سال قبل ہی سیدہ فاطمہؓ کا نکاح سیدنا علیؓ سے ہو چکا تھا اور سیدنا علیؓ کے گھر جا کر اہل بیت علیؓ بن چکی تھیں۔ نزول آیت کے وقت بیت نبیؐ میں تھیں ہی نہیں۔ بس یہ آیت صرف سیدیات عائشہؓ، حفصہؓ، میمونہؓ، ام سلمہؓ، ام سودہؓ، ام حبیبہؓ، صفیہؓ، جویریہؓ اور ماریہؓ کی شان میں اتری ہے۔ اب بھی اگر کوئی بضد ہے کہ اہل بیت میں صرف ذوات اربع ہی شامل ہیں تو میں پوچھتا ہوں کہ ازواج رسولؐ کس کی اہلبیت ہیں۔

حدیث میں اہلبیت کا لفظ حسب ذیل معنوں میں آیا ہے۔

۱۔ بیوی ۲۔ چچیرے بھائی بہن ۳۔ نواسے نواسی

۴۔ بیٹی داماد ۵۔ ہم مذہب امتی

حضورؐ کی ازواج آپ کی اہل بیت ہیں۔ اس کا ثبوت تو قرآن سے بھی ہے اور حدیث سے بھی۔ لیکن بیٹی داماد۔ نواسے، چچیرے بہن بھائی کا اہلبیت ہونا صرف حدیث سے ثابت ہے یعنی ازواج کے اہل بیت رسولؐ کا دینی شرعی اور ایمانی ثبوت دوسرے درجہ کا ہے اور ذوات اربع کا ایک درجہ کا۔

کس قدر ظلم ہے کہ حضورؐ کی چار صاحبزادیاں میں سے صرف ایک حضرت فاطمہؓ کو اہلبیت قرار دینا، چار دامادوں سے صرف ایک حضرت علیؓ کا ذکر کر کے ان سے افضل کو نظر انداز کر جانا، نواسوں میں سے صرف حسنینؓ کو افضل قرار دے کر باقی کو نظر انداز کر جانا زیادتی نہیں تو کیا ہے۔ شاید کوئی کہے کہ حضرت ابو العاصؓ اور عثمانؓ چونکہ بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب سے نہیں ہیں اس لئے ان کو اہل بیت نہیں مانا۔ میں کہتا ہوں کہ ہر ملک اور ہر قوم میں داماد کو گھر کا ایک فرد اہل بیت مانا جاتا ہے۔ نہ کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں جنھوں نے حضرت سلمان فارسیؓ تک کو اپنا اہل بیت فرمایا۔ اسی طرح

اگر حسنینؓ حضورؐ کی آنکھوں کے تارے تھے تو امامہ بنت ابوالعاصؓ (حضورؐ کی نواسی اور زینبؓ بنت رسولؐ کی صاحبزادی) کے گلے میں ہار ڈالکر اپنا احب اہلبیت فرمایا۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کی فضیلت میں حضورؐ نے فرمایا مردوں میں تو بہت سے لوگ کامل ہو گزرے ہیں مگر عورتوں میں اب تک یا تو مریم بنت عمران نے درجہ پایا ہے یا آسیہ زوجہ فرعون نے اور عائشہؓ کی حیثیت تو تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت تمام کھانوں میں۔

بس جس طرح ذریت رسولؐ ہونے کے ناطے سے حضورؐ کی ایک دختر سیدہ فاطمہؓ سے حضورؐ کے نواسی نواسے (حضرات سیدنا حسنینؓ، زینبؓ، ام کلثومؓ) حضورؐ کے اہلبیت ہیں (حالانکہ یہ اہلبیت علیؓ ہیں) اسی طرح اسی ناطے سے حضورؐ کی دوسری دختران سیدات زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ بھی اور ان سے حضورؐ کے نواسی نواسے مثل علی و امامہ اولاد سیدنا ابوالعاص اموی اور حضرت عبداللہ بن سیدنا حضرت عثمانؓ حضورؐ کے اہلبیت ہیں۔

اب میں ایک سوال جناب ظفر صاحب سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آنحضرتؐ کے بعد قرآن کے احکام کی تعلیم اور تفسیر فقہ و حدیث کی شرح امت کو۔

(الف) آیا سیدنا فاطمہ زہراؓ سے ملی ہے یا سیدات عائشہؓ و ام سلمہؓ سے؟

(ب) آیا سیدنا علیؓ سے ملی ہے یا سیدنا ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ ابن مسعودؓ، زید بن ثابتؓ اور کعبؓ سے؟

(ج) آیا سیدنا حسنینؓ سے ملی ہے یا عبداللہ بن عمرؓ و ابن عباسؓ سے؟

(د) آیا حضرات زین العابدین و باقر و صادق سے ملی ہے یا قاسم بن محمدؒ ابوحنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ سے؟

اس نہج پر غور کرنے سے جذبات عقیدت کو ٹھیس تو لگتی ہے مگر صدیوں سے

پڑے ہوئے پردے ایمان کی نگاہوں سے ہٹ جاتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ
قرآن و سُنّت کی تعلیم امت کو رسولؐ کے بعد آج تک موخرالذکر اہلبیت رسولؐ
اور عترت رسولؐ سے ملتی رہی ہے نہ کہ اوّل الذکر اہل بیت و عترت سے۔ اس سے
انکار نہیں کیا جا سکتا کہ علم فرائض میں حضرت زید بن ثابتؓ کو اور علم تجوید میں حضرت
ابی بن کعبؓ کو۔ علم حلال و حرام میں حضرت معاذؓ کو سند فضیلت خود حضورؐ نے
عطا فرمائی ہے۔ زکوٰۃ کے پورے مسائل حضرت ابو بکرؓ سے امت کو ملے علم تفسیر
امت کو ابن عباس سے ملی۔ سیدہ عائشہؓ کے علم دین کی وسعت کا اعتراف تو صحابہ و
تابعین نے کیا ہے۔

اب بھی اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ چاہے امت کے دوسرے لوگ احکام قرآن کی
معتبر شرح امت کو دیں پھر بھی امت کو چاہیئے کہ وہ بس ذوات اربع ہی کو تبرک بنائے
رکھیں تو معاف کیجئے یہ اکابر پرستی اور نسل پرستی کے مترادف ہے جو یہودیت یا
ایرانی مجوسیت کو تو البتہ زیب دیتی ہے لیکن اسلام کو اس سے کوئی واسطہ
نہیں ہے۔

بہر حال کہنے والے کی زبان اور لکھنے والے کا قلم کون پکڑ سکتا ہے لیکن اس
قسم کی مضحکہ خیز تحریر موجودہ اور آنے والی نسلوں کے لئے کس حد تک مفید ہو سکتی
ہے اس کی ذمہ داری فرقہ فاروقی ہی پر ہوگی۔

"وما علینا الا البلاغ"

احقر العباد :-

محمد سلیمان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بابِ اوّل

جناب ظفر احمد صاحب فاروقی کی تالیف "خاندان علویان دامغان کا ایک مختصر تاریخی جائزہ" نظر سے گذری۔ اس کتاب کی تالیف میں یقیناً بڑی کاوش سے کام لیا گیا ہوگا۔ لیکن افسوس میں اسے تاریخی خدمت نہ کہہ سکوں گا۔ کیونکہ مورخ کا اولین فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ انتہائی دیانت اور غیر جانبداری سے کام لیتے ہوئے رائے زنی کرے اور پہلے سے خود کوئی رائے قائم نہ کرے۔ جس سے اس کی دیانت مجروح اور جانب داری کا الزام عائد ہو۔

لیکن اس کتاب کے لب ولہجہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ موصوف نے پہلے ہی سے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ جا و بیجا امومنین کو اپنے قلم ناوک کا ہدف بنائیں اور اسی مفروضہ کو سامنے رکھ کر ان کو جو بھی اور جہاں سے بھی روایات ملیں اسے نوک قلم کے حوالہ کر دیں۔

اب ظفر صاحب کو کون سمجھائے کہ حضرت! روایات کی کمی نہیں ایک انبار ہے۔ جس سے ہر شخص اپنے دعویٰ کا ثبوت پیش کر سکتا ہے پھر ایک بات اور بھی ہے یہ کہ اگر روایات متضاد اور متعارض نہ ہوں تو یہ ضروری نہیں ہے کہ ان سے ہر

شخص ایک ہی نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور ہو۔

نیت اور ذہن کے اختلاف سے استناج بھی بدل جایا کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں ہم آپ کی ذاتی رائے یا کمزور روایات کو جن کا آپ نے ناجائز سہارا لے کر تاریخ اسلام کے زریں عہد کو داغدار بنایا ہے اور خاص طور سے حضرت عثمان رضؓ اور حضرت معاویہ رضؓ پر رکیک، ظالمانہ اور ناقابل برداشت حملے کئے ہیں ان کو من وعن تسلیم کرنا تو کجا ہم ایسا سوچنا بھی اصحاب رسولؐ کی بے ادبی سمجھتے ہیں۔

اب اس کو لائق مصنف کی سالی دماغی کہوں یا بغض وعناد قرار دوں کہ "عثمان رضؓ کو حضرت عثمان رضؓ اور معاویہ" کو حضرت معاویہ رضؓ تحریر کرنا تک گوارا نہیں کیا۔" رضی اللہ تعالیٰ عنہ" کے القاب استعمال کرنا تو بعد کی بات ہے۔ جبکہ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کے مبارک الفاظ سے اللہ تعالیٰ نے انہی تمام حضرات کو نوازا ہے۔

گویا ان عظیم المراتب ہستیوں کو جو آج تک مسلمانوں ہی کے لئے نہیں بلکہ دنیا بھر کے لئے روشنی کے مینار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ عام انسانوں کے مراتب سے گرا کر اپنی خلوص نیت کا ثبوت دیا ہے۔ سبحان اللہ! آپ یقیناً اپنے والد اور جد بزرگوار کے نام کے ساتھ مرحوم کا لفظ ضرور استعمال کرتے ہوں گے۔ بغیر مرحوم کے نام لینے میں آپ کا دل دکھتا ہوگا اور ہونا بھی چاہیئے کہ واقعی یہ بڑی بے ادبی ہے۔ چہ جائیکہ وہ ہستیاں جن کے وجود سے ہمارے اور آپ کے والدین کا وجود ہے محض عثمان۔ معاویہ کہدینے سے آپ کی رگ حمیت کو ذرا بھی ٹھیس نہ لگی، اور کیوں ظفر صاحب! کیا آپ کے سر ندامت میں یہ خیال بھی گذرا کہ عظیم سوئے ادبی کا مرتکب ہوگیا ہوں۔

16726

ابوبکر رضؓ کی رفاقت، عمر رضؓ کا عدل، عثمان رضؓ کی طہارت، علی رضؓ کا علم، معاویہ رضؓ
[illegible] فرو معث کی ریک برطرح منتنانی جنگ صفین جس
[illegible] کو منبروں پر ملعون کرے اور [illegible] ولید بلا کو صحابہ

کی فراست اور عمر بن عبدالعزیزؒ کے تقویٰ کی نظیر تاریخ اسلام ہی میں نہیں تاریخ انسانیت میں بھی ناپید ہیں۔ ان عظیم بالشان ہستیوں کی زندگی اور کردار سے دنیا نے کیا نہیں سیکھا اور کیا کچھ نہیں سیکھ سکتے۔

لیکن موجودہ دور کے مصنف (ظفر صاحب) جو اپنے ہاتھ میں مسلمان ہونے کی سند لئے پھرتے ہیں۔ رسولؐ برحق کے امتی کے دعویدار ہیں۔ اسی رسولؐ برحق کے رفیقوں۔ معاونوں اور جان نثاروں کو اپنی عصبیت اور ملامت کا نشانہ بناتے ہیں۔ یہ ہیں عاشقان رسولؐ اور فدایان اصحاب رسولؐ۔ پھر طرہ یہ کہ اپنے نام کے ساتھ "ندوی" کا اضافہ کر کے ندوہ جیسی پر عظمت اسلامی درسگاہ کو بدنام کرتے ہیں۔ ان کی رسولؐ سے محبت کا اندازہ اس نظیر سے ہو سکتا ہے کہ اپنی کتاب میں رسولؐ کے نام کے ساتھ "صلعم" لکھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔

آخر ظفر صاحب کو اسلام کے ان اکابرین اور رسولؐ کے قرابت داروں پہ نکتہ چینی کی جرأت کیونکر ہوئی۔ حضرت علیؓ کے رتبہ وشان سے کون منکر ہو سکتا ہے۔ لیکن کیا حضرت عثمانؓ پر بے جا الزامات اور حضرت معاویہؓ پر رکیک حملے کر کے ہی حضرت علیؓ کی شان اور مراتب کا اظہار ہو سکتا ہے۔ کیا علویان وامامان "معصومین" کی عظمت وشان اصحاب رسولؐ کی مذمت کرنے ہی سے باقی رہتی ہے۔

آپ نہ تو تاریخ اسلام کے مستند مورخ وعالم ہیں اور نہ ہی سیر اصحابؓ موضوع بحث ہے۔ آپ تو خاندان علویان کا شجرہ حسب ونسب ترتیب دے رہے ہیں۔ شجرہ کی تلاش میں آپ کو نعوذ باللہ اصحاب رسول اللہ صلعم کے داغدار دامن کہاں سے نظر آ گئے۔ جن میں خاص طور سے حضرت عثمانؓ اور حضرت معاویہؓ آپ کے نازیبا کلمات کے نشانہ بنے۔ آپ نے پورے امویہ خاندان کی نسلیں کھود کر پھینک دیں۔ گویا امویہ خاندان کا ۹۱ سالہ دور حکومت آپ کی نظر میں علویہ خاندان کے ہندوستان

اسرار احمد حکمران بنانا ہے اللہ تعالیٰ معاویہؓ پر کروڑوں رحمتوں کا نزول فرمائے

میں دور جاگیرداری سے بدتر تھا؟

کیا آپ کرۂ ماتک پور میں علویوں کے ۹۸۹ جابر اور ظالم خاندانوں کو جن کا شریعت سوز اسلامی مظاہرہ یہ تھا کہ جب تک پورے خاندان کے نوابوں اور جاگیرداروں کی ڈولیاں اور فینسیں مسجد نہ آجائیں نماز جمعہ نہیں پڑھائی جا سکتی تھی۔ ان کے کردار و اعمال کو حضرت عثمانؓ اور حضرت معاویہؓ سے برتر و بہتر قرار دینا چاہتے ہیں۔ میرے نزدیک تو علویان کے نوابوں اور جاگیرداروں کا وہ گروہ جن کی ثناخوانی میں آپ رطب اللسان ہیں۔ عہد ماضی کے مسلمانوں کے ہم پلہ تو کجا عہد حاضر کے مسلمانوں سے بھی کم تر اور قابل ملامت ہے۔

ظفر صاحب نے تاریخ کی آڑ لے کر صحابہ کرام اور خاص طور سے خلیفۂ مظلومؓ اور امیر معاویہؓ پر جو الزامات و بہتان کا طومار کھڑا کیا ہے۔ انھوں نے اس کی اساس و بنیاد تاریخ کے مرتبہ پر قائم کی ہے تاریخی حوالوں پر سند کے طور سے تعین کر لینا اور ان کو اپنے عقائد و نظریات کی بنیاد تسلیم کر لینا محض فریب ہے۔ حالانکہ تاریخ پر عقائد کی تعمیر نہیں کی جا سکتی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سیرت کا درجہ تاریخ سے بالاتفاق بلند ہے۔ مگر سیرت میں بھی ہر نوع کی روایات موجود ہیں تو پھر تاریخ کی حقیقت کیا رہ جاتی ہے۔ تاریخ اور سیرت سے قطع نظر! کہ ان میں اکثر بے سند روایات ہوتی ہیں۔

احادیث کی روایات کا یہ حال ہے۔ جن کی باضابطہ سند ہوتی ہے۔ ان میں بھی مبالغہ آمیز کمزور روایات کتابوں میں موجود ہیں۔ دشمن دین کا سب سے بڑا حربہ یہی تاریخ ہے۔ تاریخ کی آڑ لے کر صحابہ کرام عموماً ہدف بنائے جاتے ہیں۔ چنانچہ خلیفہ مظلومؓ کے خلاف جو فتنہ کھڑا کیا گیا اس کی بھی اساس و بنیاد اسی تاریخ پر قائم ہے۔

فضائل اور مناقب کے ساتھ مذمت میں بھی احادیث وضع کی گئی ہیں۔ شہرۂ آفاق محدث ملا علی قاریؒ کذابین کی وضع کردہ روایات کے سلسلہ میں رقمطراز ہیں۔

"اور انھیں موضوعات میں سے وہ احادیث جو حضرت معاویہؓ، حضرت عمروؓ ابن عاصؓ بنو امیہ کی مذمت اور منصور وسفاح کی مدح میں ہیں اور اسی طرح یزید، ولید اور مروان مرحومین کی مذمت میں جو احادیث ہیں، سب موضوع ہیں"

حضرت ملا علی قاریؒ کے اس کلام سے یہ حقیقت بھی منکشف ہوگی۔ کہ بنو عباس کے عہد حکومت میں صرف تاریخ اسلام کی تدوین نہیں ہوئی جن میں بنوامیہ کے خلاف افسانے گھڑے گئے بلکہ اس عہد میں احادیث کا بھی ایک دفتر بے پایاں وضع کیا گیا جن میں امرائے بنوامیہ کی جی بھر کر مذمت کی گئی، اور ایک طوفان بدتمیزی برپا کیا گیا۔ حضرت امیر معاویہؓ۔ یزیدؒ۔ مروانؒ کیخلاف جو احادیث گھڑی گئیں ان کا منشا سیاسی رقابت تھی۔ بنو عباس نے پولٹیکل اغراض کی تکمیل اور سیاسی جذبات کی تسکین کیلئے اپنے سیاسی حریفوں کے خلاف کذّاب اور کرایہ کے چمچوں سے خرافات تصنیف کرائیں، جنہیں سبائیوں نے ہوادی اور بے خبر، فریب خوردہ مسلمانوں نے ان خرافات کو حدیث اور افسانوں کو تاریخ سمجھ کر قبول کر لیا۔ جب احادیث اور سیر کی روایات کا یہ حال ہے تو تاریخ کی حقیقت ہی کیا۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:-

"مورخین اکثر اپنی روایات میں جھوٹ بیان کرتے ہیں اور ان کی نقل و روایات کمی بیشی سے بہت کم محفوظ ہو گئی۔"

قاضی ابوبکر بن العربیؒ رقم طراز ہیں:-

میری وصیت یاد رکھو اور سوائے صحیح احادیث و روایات کے کسی کی بات کی طرف التفات نہ کرو، اور خاص کر مورخین سے

بچو اور جس نے بھی صحابہ کرام کے حالات و کردار پہ نگاہ کی ہے۔ اس پران توہین آمیز الزامات کا بطلان واضح ہو گیا۔ جنھیں اہل تواریخ نے گڑھا اور ان سے کمزور قسم کے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔"

آگے چل کر پھر ارشاد فرماتے ہیں:۔

میں نے اس لئے کہا تاکہ تم گمراہ کن لوگوں سے بچو! خصوصاً مورخین اور ادیبوں سے یہ لوگ عموماً دین کے مقام و احترام سے جاہل ہیں۔ پس تم ان کی روایات پر توجہ نہ دو اور آئمہ حدیث کے سوا کسی کی روایات قبول نہ کرو، اور بجز طبری کسی اور مورخ کی بات نہ سنو۔ بلا شبہ یہ لوگ احادیث وضع کرتے ہیں۔ جن میں صحابہ کرام اور سلف صالحین کی تحقیر ہوتی ہے۔

ایک مقام پر بڑی دلسوزی کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں:۔

"میں تم سے برملا کہتا ہوں کہ جب تم اپنے خلاف دینار بلکہ درہم تک کا دعویٰ تسلیم نہیں کرتے جبتک مدعی سچا۔ تہمتوں سے بری، اور خواہشات نفسانی سے محفوظ نہ ہو۔ تو تم احوال سلف اور صحابہ کے بارے میں ایسے آدمی کی بات کیسے مان لیتے ہو جس کا عدالت تو کجا دین میں بھی کوئی مقام نہیں۔"

امام موصوفؒ کیا خوب نکتہ بیان کرتے ہیں:۔

"جب تم لین دین روپیہ پیسہ کے بارے میں اپنے خلاف کسی مشتبہ مدعی کا دعویٰ تسلیم نہیں کرتے تو سلف صالحین خصوصاً صحابہ کبار کے باہمی احوال و اختلافات کے بارے میں ان ملحد بے دین، فاسق و فاجر، کذاب اور دشمنان رسولؐ و اصحاب رسول اللہ صلعم کی خرافات

کیونکر قبول کر لیتے ہو۔ کیا یاران نبی اور اسلاف اُمت کی ناموس و آبرو تمہارے چند کھوٹے سکوں کے برابر بھی نہیں ؟"

بلاشبہ اسلامی تاریخ کی تدوین بنو امیہ کے زوال اور بنو عباس کی سلطنت کے قیام کے وقت جن کو بنو امیہ کے محاسن کا ذکر کانوں کو نہیں بھاتا تھا شروع ہوئی۔ یہ سب بنو امیہ کے سخت دشمن تھے۔ اس لئے ایسی بہت سی غلط روایتیں جو عرصہ سے زبانوں پر چڑھی چلی آرہی تھیں، تاریخوں میں داخل ہوگئیں۔ کیونکہ اسے ابتدائی دور میں جبکہ تاریخ نویسی کا آغاز ہوا روایات کی اتنی تحقیق و تنقید جس سے افسانہ و حقایق میں پورا پورا امتیاز ہو سکے، مشکل ہو گیا۔ بہت سے غلط واقعات تاریخ کا جزو بن گئے تاہم بعد میں جب تنقید کا باب وا ہوا تو بڑی حد تک اس قسم کی روائتیں نا قابل اعتبار قرار پائیں۔ چنانچہ ابن خلدون اس قسم کے لغو افسانوں سے پاک ہے۔

تاریخ اسلام کی تدوین میں تین قسم کے گروہوں نے حصہ لیا ہے۔ ایک گروہ وہ تھا جو اعدائے بنو امیہ یعنی بنو عباس کے تقرب کے پیش نظر مدح سرائی میں قصیدہ گوئی سے کام لیتا، کتابیں تالیف کرتا۔

دوسرا گروہ وہ تھا جو زعم باطل میں یہ سمجھتا کہ دین کامل نہیں ہوتا اور نہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ جبتک حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور تمام بنو عبد شمس بنی امیہ کی سیرت کو داغدار نہ کیا جائے۔

تیسرا گروہ اہل انصاف و اہل دین کا تھا۔ جیسے طبری، ابن اثیر، ابن کثیر ان کے نقطۂ نظر میں انصاف یہ تھا کہ ہر مذہب کے اہل خبر مثلاً جلے بھنے شیعی اور معتدل قسم کے حضرات کی خبریں جمع کردی جائیں " شاید ان میں سے بعض ارباب اقتدار کی رضاجوئی کے پیش نظر اس طریقہ کار پہ مجبور ہو گئے ہوں " اور ان میں سے اکثر نے

اپنی خبروں کے راویوں کے نام ذکر کردیے ہیں تاکہ ہر خبر کے راوی پر بحث کرکے اس کی صحت یا عدم صحت پر بصیرت حاصل کرلی جائے۔

بہرحال یہ "ہماری تاریخ" ہماری تاریخ نہیں البتہ بحث و مذاکرہ اور درس و مطالعہ کے لئے کثیر مواد ضرور ہے اس کے بحر وسیع و عمیق سے تاریخ کے موتی برآمد کئے جا سکتے ہیں۔ مگر اس کے لئے پوری بصیرت کے ساتھ مسلسل جہاد کی ضرورت ہے جب تک نور بصیرت، سکون قلب بے تعصبی اور جہد مسلسل سے کام نہیں لیا جائے گا۔ حقیقت و افسانہ، صدف و خزف میں فرق نہ ہو سکے گا۔ اور یہ امت حقیقت اور خرافات کے سمجھنے میں کھوئی رہے گی۔

میں یہاں پر ایک بات عرض کروں گا کہ اگر آپ اپنی ان روایات کو تاریخی کتابوں پر مامور کریں اور فرمائیں کہ بلا حوالہ کوئی بات نہیں درج کی گئی تو جناب کسی بھی دشمن اسلام نے۔ اسلام، پیغمبر اسلام اور تعلیمات اسلام پر لعن طعن اور اعتراضات کرتے وقت کوئی بات بلاحوالہ نہیں کی ہے۔ دشمنان دین نے جو جو واقعات نقل کئے ہیں ان سب کا ماخذ یہی تاریخ اسلام کی مستند کتابیں ہی تو ہیں۔

ظفر صاحب! تاریخ اسلام کی ان مستند ترین کتابوں میں کیا نہیں ملتا؟ کیا آپ اس حقیقت سے انکار کریں گے کہ ضعیف و قوی روایات حقیقت و افسانے سب کچھ اس میں موجود ہیں۔ جہاں تاریخ اسلام میں بعض صحیح واقعات ہیں وہاں خرافات اور بے سروپا روایات کا ایک انبار بھی ہے۔

علامہ محب الدین خطیب فرماتے ہیں:۔

"امت مسلمہ کو جو ذخیرہ رطب و یابس ترکہ میں ملا ہے۔ وہ ہماری تاریخ نہیں"۔

ضرورت ان مستند تاریخی کتابوں سے صرف اخذ و نقل نہیں ہے ۔ بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ ایک صاحب بصیرت اپنی نور بصیرت سے حقائق کو افسانوں اور فضولیات کو صحیح روایات سے جدا کرے ۔

بقول ابن کثیرؒ

"ہزلیات و خرافات کو ان قائلین و ناقلین کے منہ پر مار دے ۔"

من اول الیٰ آخرا صحیح تو صرف اللہ کی کتاب ہے ۔ دوسری ہر کتاب میں صحت و عدم صحت کا امکان ہے ۔ ہم ہر حدیث کو دیکھیں گے ۔ اس کے راویوں کو جانچیں گے " جس کے لئے محدثین نے بڑی کاوش کے بعد اسمار الرجال کا ایک وافر ذخیرہ تیار کیا ہے ۔ جس پر اہل سُنّت والجماعت کو ناز ہے اور دنیا کے تمام اہل علم قوموں نے اس کو سراہا ہے " پھر اس کے مضمون پر غور کریں گے ۔ اگر روایت معیار صحت پر پوری اترے تو ہمارے سر آنکھوں پر اور اگر راوی کی طرف سے ذرا بھی سُقم پایا جائے اور وہ موضوع ثابت ہوئی تو رد کر دیں گے ۔

یہی اصول ہر محدث کا رہا ہے ۔

محترم جناب والا ! صحابہ کرام کے متعلق ہم کسی کتاب کی ہر بات کو قبول نہیں کریں گے ۔ جو باتیں شان و عظمت صحابہ سے مطابقت رکھتی ہوں گی وہ قابل قبول ہوں گی ورنہ قابل رد ، اور یہی مسلک اہلسنّت والجماعت کا ہے جس پر اصحاب رسول اللہ صلعم کے ساتھ عقیدت کی بنیاد ڈالی گئی ہے ۔

کیا آپ کسی ائمہ اربعہ یا ان کے شاگردان رشید " جو اہل سُنّت والجماعت کے روشن ستون ہیں " کا کوئی قول دکھا سکتے ہیں جس سے رفعت اور علوئے شانِ اصحاب رسول اللہ صلعم میں فرق آتا ہو ۔ چہ جائیکہ حضرت عثمانؓ اور حضرت معاویہؓ ایسی اولوالعزم ہستیاں اللہ اللہ ۔

"گر نہ بیند بروز شپر چشم۔ چشمۂ آفتاب راچہ گناہ"

چودھویں صدی کے شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

"فرض کرو کسی صحیح حدیث میں صحابہ کرام رضؓ کے خلاف کوئی بات موجود ہے تو چونکہ ان کی رفعت وشان وعظمت و قدر قرآن وحدیث کی قطعی ومتواتر اور دلائل عقلیہ ونقلیہ سے ثابت ہے لہذا وہ صحیح حدیث بھی صحیح نصوص قطعیہ متواترہ سے متعارض ومتصادم ہونے کی بنا پر مردود ہوگی۔"

اللہ اکبر! یاران نبیؐ اصحاب رسول کی کیا شان ہے کہ "بفرض محال" کوئی صحیح حدیث بھی ان کو مجروح نہیں کر سکتی۔ جو بھی حدیث صحابہ کرامؓ کی رفعت شان سے ٹکرائے گی تو وہ خود پاش پاش ہو جائے گی۔

مگر افسوس! حال یہ ہے کہ بدعقیدہ، بدکردار لوگ بے اصل وبے بنیاد، بے سند تاریخی حوالوں کی آڑ لے کر کوچہ وبازار میں اصحاب رسولؐ کی عزت وناموس کو داغدار اور مجروح کرتے پھرتے ہیں اور خصوصاً حضرت عثمانؓ اور حضرت معاویہؓ کے خلاف ایسے بیہودہ نقوش اور ذلیل تصورات ثبت کرتے ہیں جس سے کلیجہ دہل جاتا ہے۔

ہائے مظلومیت صحابہ! جن کی مظلومیت بھی کیا بے مثال مظلومیت ہے دعوت اسلام کے ابتدائی مراحل میں مشرکین مکہ نے ان جاں نثار پروانہ ہائے شمع رسالت پر جو جگر گداز اور لرزہ خیز مظالم بپا کئے، جس طرح ان کو صحرا کے گرم ریگزار پر تڑپایا گیا، خاک وخون میں تڑپایا گیا، نیزوں میں پرودیا اور تیروں سے چھلنی کیا گیا اس کا صرف تصور ہی لرزہ پیدا کر دینے کے لئے کافی ہے۔ لیکن کفار ومشرکین کی جلادی اور خون آشامی وقتی اور عارضی تھی۔ جو فتح مکہ کے بعد ختم ہوگئی۔

معنف ذرا یہ تو بتا کر اذیتیں دینے والا کون ہے
جس الصحابہ الہ کے دشمن نے جسمانی اذیت دیتے تھے اور آج

لیکن یاران نبیؐ کی اس مظلومیت کو کیا کہیں جو عہد صدیقیؓ سے آجتک برابر جاری ہے اور شاید قیامت تک جاری رہے۔ اور یہ ابدی مظلومیت کفار مکہ کی وقتی مقہوریت سے یقیناً زیادہ دردناک اور غمناک ہے اور بھر ستم یہ کہ اب یہ سلسلہ سُنی مسلمانوں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ اغیار و بیگانوں کا ظلم و ستم تو ختم ہوگیا لیکن اپنوں اور یگانوں کی مشق ستم جاری ہے۔

افسوس کا مقام ہے جہاں دوسری اقوام عالم نے اپنے اسلاف و اکابر کی جائز و ناجائز مدح میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رکھے ہیں۔ وہاں ایک ہم ہیں کہ اپنے اسلاف و اکابر خصوصاً حضرات صحابہ کی نہ صرف عظمت و شان جلالت و قدر کو مٹانے اور بھلانے کے ساعی ہیں۔ بلکہ ان کے محاسن و فضائل کو رذائل میں بدل دینے کے درپے ہیں۔ اپنے ہی ہاتھوں دین کے ان معماروں کو اپنی جہالت و عصبیت کی اٹھائی ہوئی دیواروں میں چن دینے کے ناپاک عزائم میں فخر و انبساط کے جذبات کا اظہار کر رہے ہیں۔

مصر کے ایک عظیم المرتبت اہل قلم علامہ محب الدین الخطیب نے کیا خوب فرمایا ہے:۔

"اس امت پر تعجب ہے کہ یہ اپنے خاص اور نمایاں ترین اکابر کی برائی کرتی ہے اپنی تاریخ کے حسن و جمال کو بدشکل و بدنما بناتی ہے۔ جیسا کہ ہم میں سے اشرار کرتے ہیں۔ پھر ان اشرار کا مکر و فریب یہاں تک اشاعت پذیر ہوتا ہے کہ بعض اخیار بھی یہ سمجھ لیتے ہیں۔ کہ یہی حق اور صحیح ہے۔"

قارئین کرام سے معذرت خواہ ہوں کہ تمہید طویل ہوگئی۔ چونکہ اصولی بات تھی اس لئے تفصیل کی ضرورت تھی۔ اس تمہید طولانی سے تمنا مختصر سی یہ

ہے کہ دشمنان صحابہ کو زبانی اور تحریری [illegible]

ہے کہ برادرانِ اسلام خصوصاً ظفر صاحب اس حقیقت کو بخوبی ذہن نشین کریں کہ ہماری تاریخ کا ذخیرہ اس قابل ہرگز نہیں ہے کہ کوئی صاحب آنکھیں بند کرکے اس سے جو چاہیں نقل کرتے چلے جائیں بلکہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

افسوس کا مقام ہے کہ ظفر صاحب وہی راگ الاپ رہے ہیں جو صدیوں سے دشمنانِ صحابہ اہل تشیع الاپ رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ زہریلا سلسلہ مضامین کسی متعصب اور جاہل رافضی نے لکھا ہے۔ ظفر صاحب کے اس سلسلہ مضامین سے جو دلی قلق اور اضطراب ہوا ہے اور خاص طور سے اہل سنت کو جن شعلوں کے نذر کیا گیا ہے وہ اب سرد ہو کر بجھنے والے نہیں۔

ہاں دوسری طرف خوشی یقیناً دشمنانِ صحابہ کو ہوئی ہوگی۔ جن کو اس چودھویں ہجری میں بھی ایک سنی حضرت عثمانؓ اور حضرت معاویہؓ پر لعن طعن کرنے کو مل گیا اس طرح گویا ظفر صاحب نے اپنے مختصر سے الفاظ میں اسلام کو وہ صدمہ پہونچایا ہے جو ایک ہزار سبائی اور رافضی نہ پہونچا سکے۔

ذیل میں ہم ظفر صاحب کے اعتراضات کا مفصل جواب دیں گے اور حضرت عثمانؓ اور حضرت معاویہؓ کے خلاف جو بے جا الزامات عائد کئے ہیں ان پر بحث کریں گے۔ لیکن اس سے پہلے ہم شیخ و استاد امام قاضی ابوبکر بن عربیؒ کا اجمالی فیصلہ پیش کرتے ہیں۔ جنہوں نے خلیفہ مظلوم کے خلاف مشہور اعتراضات نقل کرکے تحریر فرمایا ہے :۔

"ھذا کلمۃ باطلۃ سنداً و متناً۔ یعنی کیا باعتبار سند اور کیا بلحاظ مضمون یہ تمام اعتراضات باطل ہیں۔"

بابِ دوئم

اَب ہم اعتراضات پر بحث کرتے ہیں ۔

طعن ۱

اہلبیت' رسول کی نیابت اور خلافت کو اپنا حق سمجھتے تھے اور دوسروں کو اس منصب جلیلہ کا نا اہل ۔

جواب ۱

اہلبیت خصوصاً حضرت علیؓ پر اتنا عظیم بہتان کہ وہ اپنے آپ کو خلافت کا اہل سمجھتے تھے ، نیز حضرت ابوبکرؓ ، عمرؓ اور عثمانؓ کے بالترتیب خلافت پر قائم ہونے سے ان کو اس حق سے محروم رکھا گیا ، گویا نعوذ باللہ حضرت علیؓ کا حق غصب کیا گیا ۔ دوسرے معنوں میں تینوں خلفاء غاصب قرار دیئے جائیں ۔

معاذ اللہ ان ھذا بہتانٌ عظیم ،،

سُنّی ظفر صاحب نے فرقہ وارانہ محض شیعی تعصب کی ذہنیت سے کام لے کر بہتان اور کذب کا اتنا گہرا لیپ چڑھایا ہے کہ اصلیت اور حقیقت نہاں ہو کر رہ گئی ہے ۔ کاش حضرت علیؓ کے متعلق ناروا بہتان اور بے جا محبت سے محترز رہتے ۔

ترسم کہ نرسی بکعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

اس مسئلہ پر قلم اٹھاتے ہوئے ہم خوف سے لرزاں ہیں کیونکہ جناب رسول کریمؐ نے ایک موقع پر حضرت علیؓ سے ارشاد فرمایا تھا کہ

"اے علیؓ تم سے عداوت کرنے والا گروہ اور تم سے محبت میں حد سے تجاوز کرنے والا گروہ دونوں ناری ہیں۔"

اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ ہمیں صراط مستقیم پر چلانے کی توفیق عطا فرمائے اور قلم کو توفیق دے کہ ہمیشہ حق و انصاف کو بلند و بالا کرنے کے لئے اٹھے اور حقیقت و افسانہ اصلیت و بہتان کے درمیان تمیز کو ملحوظ رکھے۔

اس نازک مسئلہ پر بحث کرنے سے پہلے ہم حضرت امام حسنؓ کی ایک روایت بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ جو ان سے ابن عساکرؒ نے سنی تھی اور جس میں حضرت علیؓ کی خلافت کا فیصلہ بڑے عجیب طریقہ سے کیا گیا ہے۔ روایت طویل ہے لیکن بہتان طرازوں اور فتنہ پردازوں کے عقلوں پر پڑے ہوئے دبیز پردوں کو چاک کرنے کے لئے بہت ضروری ہے۔

ابن عساکرؒ کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ "اپنی ایام خلافت میں حضرت علیؓ بصرہ میں آئے تو قیس بن عباد اور ابن کوا نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ کیا آنحضرت صلعم نے خلافت کے متعلق آپ کے حق میں آپ سے کوئی وصیت کی تھی؟ اس معاملہ میں آپ سے زیادہ کوئی آدمی معتبر نہیں ہو سکتا۔ لہذا آپ بتلائیں کہ واقعہ کیا تھا۔

اس پر حضرت علی نے ارشاد فرمایا:۔

"جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے میری خلافت کے متعلق وصیت

کی تھی یہ محض غلط ہے۔ جب میں نے سب سے پہلے نبی برحق ہونے کی آنحضرت صلعم کی تصدیق کی، تو اب آپ پر بہتان کیوں باندھوں، اور جو بات آپ نے نہیں کہی وہ کیوں آپ سے منسوب کردوں۔ اگر آنحضرت نے خلافت کے معاملہ میں مجھے کوئی وصیت کی ہوتی تو میں ابوبکرؓ اور عمر بن خطابؓ کو رسول اللہ کے ممبر پر کیوں کھڑا ہونے دیتا بلکہ میں اپنے ہاتھ سے قتل کرڈالتا خواہ مرا ساتھ دینے والا ایک آدمی بھی نہ ہوتا۔

اصل بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم نہ تو دفعتاً شہید کردیئے گئے اور نہ آپ کی اچانک وفات واقع ہوئی۔ بلکہ جیسا کہ ہر شخص جانتا ہے کہ آنحضرت صلعم کئی دن تک بیمار رہے بیماری کے اس تمام عرصہ میں موذن ہرروز حاضر ہو کر نماز کے لئے پوچھتا تو آپ فرمادیتے کہ ابوبکرؓ سے کہو لوگوں کو نماز پڑھادیں حالانکہ آپ میرے رتبہ اور درجہ کو بھی بخوبی جانتے تھے۔ آپ کی ازواج مطہراتؓ میں سے ایک نے ابوبکرؓ کی امامت سے آپ کو روکنا بھی چاہا تھا مگر آپؐ نے انکار کردیا اور حضور صلعم نے فرمایا کہ تم عورتیں یوسفؑ کے زمانہ کی سی عورتیں ہو، اور موذن سے فرماتے جاؤ! ابوبکرؓ سے کہو وہی نماز پڑھائیں گے۔ جب رسول اللہ صلعم کا انتقال ہوگیا تو ہم نے اپنے معاملہ پر غور کیا اور اس شخص کو اپنی دنیا کے لئے قبول کرلیا جس کو رسول اللہ صلعم نے ہمارے دین کے لئے منتخب فرمایا تھا۔ چونکہ اصل دین نماز ہے اور آنحضرت دین کے سردار اور قائم کرنے والے تھے اس لیے ہم نے ابوبکرؓ کی بیعت کرلی اور وہ اس کے لائق بھی تھے۔ ہم میں سے کسی نے ان کی خلافت پر کوئی اختلاف نہیں کیا اور نہ کسی سے نقصان پہونچانے کا ارادہ کیا، اور نہ ابوبکرؓ سے کوئی شخص بیزار رہا۔ اسی بنا پر میں نے ابوبکرؓ کا حق ادا کیا اور ان کی اطاعت کی، اور اسلامی فوج میں داخل ہو کر ان کی طرف سے لڑتا رہا۔ جو کچھ وہ مجھے

دیدیتے میں لے لیتا اور جہاں مجھے لڑنے کے لئے بھیجتے میں چلا جاتا، اور ان کے حکم سے شریعت کی حدود جاری کرتا تھا۔

جب ان کا انتقال ہوا تو ان کے حکم سے عمرؓ خلیفہ ہوئے اور وہ بھی ابو بکرؓ کے قدم بہ قدم چلے اس لئے ہم نے ان کی بیعت کرلی اور کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا اور نہ کسی نے کسی کو ضرر پہونچانے کا ارادہ کیا اور نہ کوئی شخص عمرؓ سے بیزار ہوا، بس میں نے عمرؓ کا بھی حق ادا کر دیا، ان کی اطاعت کی اور لشکر میں شامل ہو کر ان کی طرف سے لڑتا رہا جو کچھ وہ مجھے دیدیتے لے لیتا، اور جہاں لڑنے بھیجتے چلا جاتا اور ان کے سامنے اپنے دُرّہ کے ساتھ حدود شرعی بھی جاری کرتا تھا

جب عمرؓ فوت ہونے لگے تو میں نے اپنی قرابت رسول اور سبقت فی الاسلام کے لحاظ سے خیال کیا کہ عمرؓ مجھے خلیفہ بنانے سے گریز نہیں کریں گے۔ لیکن عمرؓ نے اس خیال سے کہ ان کے بعد کا خلیفہ جو غلطیاں کرے گا اس کے جوابدہ خدا کے حضور میں وہ ہوں گے۔ اپنے آپ کو اور اپنے بیٹے کو اس سے علیحدہ کر لیا، اور اگر عمرؓ طرفداری کرتے تو اپنے بیٹے کو خلیفہ بنا جاتے مگر انھوں نے خلافت کو قریش کے چھ شخصوں کو سپرد کر دیا۔ جن میں سے ایک میں بھی تھا۔ جب ہم لوگ انتخاب خلیفہ کے لئے اکٹھے ہوئے تو اس وقت میں نے خیال کیا کہ وہ مجھ سے تجاوز نہیں کریں گے۔ پس عبد الرحمٰنؓ بن عوف نے ہم سب سے اس بات کا وعدہ لیا کہ جس کو بھی اللہ خلیفہ بنائے باقی پانچ اس کی اطاعت کریں گے، اس کے بعد عبد الرحمٰنؓ بن عوف نے عثمانؓ کی بیعت کر لی، اس وقت میں نے اپنے معاملہ پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ جو وعدہ کیا گیا تھا وہ غیر کی اطاعت کے لئے لیا گیا تھا پس میری بیعت پر اطاعت کا اقرار غالب آگیا اور میں نے عثمانؓ کی بیعت کر لی۔

اور میں نے ان کا بھی حق ادا کیا، ان کی اطاعت کی، ان کے لشکر میں شامل

ہو کر لڑتا رہا، جو کچھ وہ مجھے دیدیتے تھے لے لیتا تھا، اور جہاں لڑنے کے لئے بھیجتے تھے چلا جاتا تھا، اور ان کے سامنے اپنے دُرّہ کے ذریعہ حدودِ شرعی جاری کرتا تھا۔

جب عثمانؓ بھی شہید ہو گئے تو میں نے خیال کیا کہ وہ جسے رسولؐ اللہ نے مقرر کیا تھا گذر گیا، پھر وہ شخص جسے خلیفۂ رسولؐ اللہ نے منتخب کیا شہید ہو گیا پھر وہ بھی جس کی اطاعت کا وعدہ لیا گیا تھا شہید ہو گیا تو اس کے بعد اہل حرمین نے مجھ سے بیعت کر لی مگر درمیان میں ایک ایسا شخص کود پڑا جو نہ میرے جیسا ہے نہ رسول اللہ صلعم سے اس کی قرابت مری قرابت جیسی ہے نہ وہ مجھ سے اسلام قبول کرنے میں مجھ سے آگے ہے اور میں اس کے مقابلہ میں خلافت کا زیادہ حق دار ہوں۔"

حضرت علیؓ کی خلافت کے ساتھ ہی ہم تاریخ اسلام کے ایسے موڑ پر پہونچ گئے ہیں جس کے آگے سوائے پرپیچ راہوں اور ہولناک غاروں کے کچھ نظر نہیں آتا۔

موافقین اور مخالفین نے اس ۴½ سالہ عہد علیؓ کی تمام تاریخ پر ایسی صفائی کے ساتھ سیاہی پھیری ہے کہ کہیں بھی سفیدی باقی نہیں چھوڑی۔ نیز حُب اور بغض کے جذبات کے ماتحت ایسا مسخ کر دیا ہے کہ لاکھ ہاتھ مارنے پر بھی اصلیت اور حقیقت کا پتہ نہیں لگتا۔

ہماری تاریخیں اس عہد کے صحابہ کی ایسی بھیانک تصویریں ہمارے سامنے پیش کرتی ہیں کہ دیکھ کر لرزہ براندام ہو جاتا ہوں، اور ہرگز یقین نہیں آتا کہ یہ انہی صحابہ کرامؓ کی تصویریں ہیں جنہوں نے حضرت نبی کریم صلعم کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی۔؟

اگر اس تاریخ کو باور کر لیا جائے تو پھر آپ کو نبی اکرم صلعم، مبلغ قرآن، داعی اسلام کی شخصیت پر اور ان کی تعلیم و تربیت کے تمام اثرات پر خط تنسیخ کھینچ دینا پڑیگا اور یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ اس پاکیزہ ترین انسان صلعم کی ۲۳ سالہ تبلیغ و ہدایت سے جو جماعت تیار ہوئی تھی اور اس کی قیادت میں جس جماعت نے بدر، احد، احزاب اور حنین وغیرہ کے معرکے سر کرکے اسلام کا جھنڈا دنیا میں بلند کیا تھا۔ اس کے اخلاق اس کے خیالات، اس کے مقاصد، اس کے ارادے، اس کی خواہشات اور اس کے طور طریق تمام کے تمام دنیا پرستوں سے ذرہ برابر بھی مختلف نہ تھے۔

کیا واقعی یہی تصویر ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ان کے اہل بیت اور ان کے اصحاب کبار کی؟ رسول کی یہی پوزیشن تھی کہ وہ دنیا کے عام بانیان سلطنت کی طرح ایک سلطنت کا بانی تھا؟ کیا پیغمبر خدا صلعم کی ۲۳ سالہ تعلیم نبوت صحبت اور تربیت سے یہی اخلاق، یہی سیرتیں، یہی کردار تیار ہوئے تھے؟ آخر اس نقشہ کو کیا مناسبت ہے قرآن اور اس کی پاکیزہ تعلیمات سے؟ کیا حضور کی تعلیم، حضور کے مواعظ اور حضور کی نصیحتوں کا کسی صحابی پر بھی کوئی اثر نہیں ہوا اور موقع پاتے ہی تمام اسلامی اخلاق نبوی اور آئین قرآنی ان کے دلوں سے محو ہو گئے جیسے کبھی ان کو تربیت نبوی سے سابقہ ہی نہیں پڑا تھا، اور تمام صحابہ اسلام کو چھوڑ کر جاہلیت کی طرف لوٹ گئے اور کوئی ایک بھی ان میں نیک و صالح نہ رہا، اور نعوذ باللہ رسول صلعم کی تعلیم قطعاً بے اثر رہی۔

قبیلہ ازم اور نسلی عصبیت

اب ایک طرف تو تاریخ کا مستند ذخیرہ ہمارے سامنے حضور اکرم اور اصحاب رسول کے اخلاق، ان کی سیرت، ان کی ذہنیت اور ان کے نفسیات

کا کچھ اور ہی نقشہ پیش کرتا ہے۔ دوسری طرف ظفر صاحب کی یہ روایت کہ حضور صلعم کا وصال ہوا تو قبیلہ ازم اور نسلی عصبیت نے ایک نئی صورت حال پیدا کر دی جو اہل بیت اور غیر اہلبیت میں اختلاف کی بنیاد بن گئی۔

نیز یہ کہنا کہ :-

حضرت علیؓ رسولؐ کی نیابت و خلافت کو اپنا حق سمجھتے تھے اور دوسروں کو اس کا اہل نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن ان کے اس دعویٰ کے باوجود ابھی رسولؐ کی تجہیز و تکفین نہ ہو پائی تھی اور اہلبیتِ میت رسولؐ کے گرد جمع تھے کہ خلافت کا معاملہ طے ہو گیا"۔

یہ تحریر اس کے بالکل برعکس اور ہی نقشہ پیش کرتی ہے، تو آخر عقل اس موقع پر کیا کہتی ہے۔

کیا حضور صلعم کی آنکھ بند ہوتے ہی تمام اصحابؓ کبار نعوذ باللہ جاہلیت اور نسلی عصبیت کی طرف لوٹ آئے۔ کیا ان حضرات میں سے کسی کو بھی اللہ کا یہ ارشاد یاد نہیں رہا :-

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا و اذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا ۔	سب مل جل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو، اور متفرق اور بکھرے ہوئے نہ ہو (متحد رہو) اور اللہ کا یہ احسان یاد کرو جو تم پر ہوا جب کہ تمہارا حال (اسلام سے پہلے) یہ تھا کہ آپس میں بکھرے ہوئے تھے اور ایکدوسرے کے دشمن تھے۔ بس اللہ نے تمہارے دلوں میں (دائرہ اسلام میں آنے کے بعد) ایسی محبت ڈالدی جس سے تم آپس میں اس کی عنایت سے بھائی بھائی ہو گئے۔

رسول صلعم کا ارشاد " کُلّ مؤمنٍ اخوۃٌ " جب تمام واقعات یہ تصدیق کرتے ہیں کہ وہاں سراپا رحمت و محبت اتحاد و یگانگت کا سمندر موجزن تھا تو وہاں آپس میں رقابت کی آگ کا کیا کام۔ پھر بھی اگر کوئی حضرت علیؓ اور اہلبیت پر یہ بہتان رکھتا ہے کہ وہ خلافت کو اپنا حق سمجھتے تھے تو پھر اس حدیث کی کیا توضیح کی جائے گی۔

" انا لا نولی ھذا من سالہٗ ولا من حرص علیہ۔ " (جو شخص خود کسی امر کا طالب ہو یا اس کی حرص رکھتا ہو تو میں وہ اس کے سپرد نہ کروں گا۔)

مقصود اس سے یہ تھا کہ جو لوگ طلب و حرص نہ کریں گے تو کشمکش و مقابلہ نہ ہوگا اور امت کے لیے آسان ہو جائے گا۔ کہ وہ اس کا اہل و اصلح کو منتخب کرے۔ وہاں تو اس سے بھی روک دیا گیا کہ کوئی شخص خود امامت و سرداری کا خواہاں ہو، اور اس کے لیے مقابلہ کرے حتیٰ کہ عبدالرحمٰن بن سمرہؓ سے فرمایا۔

" جو اہل اور احق ہو اس کا ساتھ دو، خود اپنے لیے خواہاں نہ ہو اگرچہ اس کے لیے قسم بھی توڑنی اور کفارہ بھی دینا پڑے۔"

اب معاویہ کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟

اس سلسلہ میں صحیح بخاری کی شرح ہے کہ امت کو چاہیئے کہ احق اور اہل کو منتخب کرے لیکن مستحق کو نہ چاہیئے کہ خود خلافت اور عہدہ کے لیے اپنے کو پیش کرے جس نے ایسا کیا اللہ کے حضور شرمندگی اٹھائے گا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ جب لوگ خود خواہش نہ کریں گے اور حق انتخاب جمہور کو رہے گا۔ تو کسی طرح کی کشمکش نہ ہو گی، نہ بہت سے دعویداروں میں باہم جھگڑا ہوگا۔ امن و سکون کے ساتھ یہ معاملہ انجام پا جائے گا۔

اب اگر ہم ظفر صاحب کی تحریر کردہ روایت کہ

معاویہؓ صحابیِ اسلام اور کاتبِ وحی ہیں اور جلیل القدر ہیں

"حضرت علی کرم اللہ وجہہ خود کو خلافت کا مستحق سمجھتے تھے۔"
قبول کریں اور شارع علیہ السلام کے فرمان کو سامنے رکھتے ہوئے تجزیہ کریں تو (بارہ سالہ دورِ خلافت حضرت علیؓ) کو آپسمیں مسلمانوں کی ابتری اور باہم خونریزی کا ذمہ دار صرف حضرت علیؓ کو ٹھہرانا ہوگا۔ کیونکہ وہ بقول آپ کے شروع ہی سے منصب خلافت کے امیدوار اور دعویدار تھے جو سراسران کے جلیلۃ القدر برادرم عم محترم صلعم کے فرمان کے خلاف تھا۔ ہم بھی آپ کی یہ روایت باور کرنے سے قاصر ہیں اور عقل قطعاً اس کو قبول کرنے کو تیار نہیں کہ جناب علیؓ جو علم وفضل، زہد و اتقا، فہم و ذکا، عقل و دانش اور حسنِ خلق کے نمایاں مقام پر تھے رسول صلعم کی اتنی واضح حدیث ان کے سامنے نہ ہو۔

۲۲ سال تبلیغ کرنے کے بعد بھی اگر حضورؐ کے پیرو نسبی عصبیت، قبیلہ ازم اور اپنی گناہ آلود زندگی نہ چھوڑ سکے اور پھر وہ بھی اپنے گھر کا ایک خاص فرد جو بھائی بھی، داماد بھی، محرم رازِ نبوت بھی تھا تو خدارا کوئی بتائے ایسی نبوت اور ایسی رسالت سے کیا فائدہ؟ اور لطف یہ ہے کہ یہ ان لوگوں کے نامۂ اعمال ہیں جنہوں نے سالہا سال حضرت نبی کریم صلعم کی ملکوتی صحبت کا فیض اٹھایا اور جن کے متعلق حضورؐ نے فرمایا کہ وہ اپنے نیک و صالح اعمال کے باعث سیدھے بہشت میں جائیں گے۔ جن کا شمار عشرۂ مبشرہ میں ہے۔

اب بھی اگر کسی کا دل چاہے تو وہ نسلی عصبیت، اہلبیت اور غیر اہلبیت کے فرضی قصوں کو باور کرے تو ہم اسے روک نہیں سکتے۔ تاریخ کے صفحات تو بہرحال اس سے آلودہ ہیں۔ مگر پھر ساتھ ہی یہ ماننا پڑے گا۔ کہ خاکم بدہن رسالت کا دعویٰ محض ایک ڈھونگ تھا، قرآن شاعرانہ لفاظی کے سوا کچھ نہ تھا اور تقدس کی ساری داستانیں خالص ریاکاری کی داستانیں تھیں۔ اصل ہو تو ایک

شخص کا مقصد اپنی چالوں سے دنیا کو پھانسنا تھا تاکہ اپنی سلطنت قائم کرلے،
اور اس قسم کے دنیا طلب مکاروں کے گرد جیسے لوگ جمع ہوا کرتے ہیں ویسے ہی
لوگ اس کے گرد بھی جمع ہوگئے تھے اور تقدس کے اس ظاہری پردے میں در اصل
جن مقاصد کے لئے کام کر رہا تھا اس کا راز آخر کار اس کے گھر والوں نے فاش کر دیا
معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ اس کے مقابلہ میں تاریخ کچھ اور ہی روایات پیش
کرتی ہیں۔

علامہ ابو جعفر ابن جریر طبری پوری سند کے ساتھ یہ روایت بیان کرتے ہیں
کہ حضرت سعیدؓ بن زید سے حضور صلعم کی وفات کے واقعات پوچھے گئے۔ اس
سلسلہ میں انھوں نے فرمایا۔

"علیؓ ابن طالب اپنے گھر میں تھے کہ ایک شخص نے ان کو جا کر خبر دی
کہ ابو بکرؓ بیعت لینے کے لئے بیٹھے ہیں۔ یہ سن کر وہ چادر اور ازار
کے بغیر صرف لانبی قمیض ہی میں نکل کھڑے ہوئے اتنی دیر کرنی
بھی انھوں نے پسند نہ کی کہ سارے کپڑے پہن لیں۔ پہلے جا کر بیعت
کی، پھر گھر سے کپڑے منگائے اور پہن کر مجلس میں بیٹھے۔"

بہیقی کی روایت اس سے تھوڑی مختلف ہے۔ وہ ابو سعید خدریؓ سے
روایت کرتے ہیں:۔

"پھر ابو بکرؓ ممبر پر چڑھے اور حاضرین مجلس پر نظر ڈالی دیکھا کہ زبیرؓ موجود
نہیں ہیں ان کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا۔ جب وہ آئے تو وہ فرمایا یہ کہہ رہا تھا
کہ رسولؐ کے پھوپی زاد بھائی اور حضورؐ کے حواری کہاں ہیں۔ کیا تم مسلمانوں کی
جماعت سے الگ رہنا چاہتے ہو، انھوں نے جواب دیا۔ اے جانشینِ رسولؐ
معاف فرمایئے پھر اٹھے اور بیعت کی۔ پھر ابو بکرؓ نے مجمع پر دوبارہ نظر ڈالی تو

دیکھا کہ علیؓ نہیں ہیں۔ انھیں بلانے کے لئے آدمی بھیجا جب وہ آگئے تو فرمایا میں کہہ رہا تھا کہ رسولؐ کے چچا زاد بھائی اور داماد کہاں رہ گئے۔ کیا تم مسلمانوں کی جماعت سے الگ رہنا چاہتے تھے؟ انھوں نے بھی فرمایا کہ اے جانشین رسولؐ معاف فرمائیے۔ پھر انھوں نے بھی بیعت کی۔"

ان دونوں راویوں میں اگرچہ تھوڑا سا بیانی اختلاف نظر آتا ہے وہ محض تفصیل کا فرق ہے۔ ورنہ دراصل دونوں ایکدوسرے کی تائید کرتی ہیں۔ پھر علامہ ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں اپنی یہ تحقیق پیش کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ صرف حضرت فاطمہؓ کے پاس خاطر ۶ ماہ تک خانہ نشین رہے۔ کیونکہ تقسیم میراث کے معاملہ میں بی بی فاطمہؓ حضرت ابوبکرؓ سے ناراض ہو گئی تھیں۔ پھر بعد میں جب یہ رسولؐ کا فرمان معلوم ہوا کہ "ہم گروہ انبیاء میں سے ہیں۔ انبیا کے مال میں وراثت نہیں جاری ہوتی انبیا کا مال اللہ کا مال ہے" تو حضرت فاطمہؓ کو تسکین ہو گئی، اور صدیق اکبرؓ کی طرف سے ان کے شکوک رفع ہو گئے، اور حضرت علیؓ نے مناسب نہ سمجھا کہ حضور صلعم کی وفات سے جو داغ اُن کے دل کو لگا ہے اس پر کسی ادنیٰ سے بھی ملال کا اثر ہو۔ بعد میں حضرت فاطمہؓ کا انتقال ہو گیا تو حضرت علیؓ نے دوبارہ حاضر ہو کر حضرت ابوبکرؓ سے بیعت کی اور معاملات میں حصہ لینا شروع کیا۔ اور پھر حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی شان اور فضیلت میں اتنی کثرت سے حدیثیں موجود ہیں کہ یہ شبہ باقی ہی نہیں رہ جاتا کہ یہ دونوں حضرات اہل بیت کے مقابلہ میں خلافت کے اہل نہ تھے۔ بلکہ حدیث ہی سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ حضورؐ کے بعد خلافت ان ہی دونوں بزرگوں کو ملنی چاہیئے تھی نہ کہ اہلبیت کو۔ چنانچہ مسند میں خود حضرت علیؓ کی روایت موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو بلا مشورہ امیر بنانے والا ہوتا تو ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعودؓ) کو بناتا"

ترمذی میں حضرت حذیفہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:-

"میں نہیں جانتا کہ میں کب تک تمہارے درمیان رہوں گا، تم میرے بعد ان دو آدمیوں کی پیروی کرنا۔ ابوبکرؓ اور عمرؓ"

حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

"ہر نبی کے لئے دو وزیر آسمان والوں میں سے اور دو وزیر زمین والوں میں سے ہوتے ہیں۔ میرے آسمانی وزیر جبریل اور میکائیل ہیں اور زمینی وزیر ابوبکرؓ اور عمرؓ۔"

ترمذی ہی میں عقبہؓ بن عامر کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:-

"اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتا"

ابوداؤد میں حضرت ابوذرؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد روایت کرتے ہیں کہ

"اللہ نے حق عمرؓ کی زبان پر رکھ دیا ہے اسی کے مطابق وہ بات کرتا ہے۔"

مسند احمد میں حضرت حسن بن علیؓ کی روایت ہے کہ (یہ روایت ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی ہے) ان کے والد سیدنا حضرت علیؓ نے بیان کیا:-

"میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا کہ اتنے میں ابوبکرؓ وعمرؓ سامنے سے آتے ہوئے نظر آئے حضورؐ نے مجھ سے فرمایا اے علیؓ! یہ دونوں پیغمبروں کے بعد تمام سن رسیدہ اور جوان اہل جنت کے سردار ہیں۔"

ایک اور حدیث جو مسند احمد بزاز اور طبرانی میں حضرت علیؓ سے بسند صحیح منقول ہوئی ہے کہ حضورؐ سے پوچھا گیا کہ حضورؐ کے بعد کون امیر ہوگا آپ نے جواب دیا:۔

"اگر تم ابوبکرؓ کو امیر بناؤ گے تو اسے امین، دنیا کے معاملہ میں زاہد اور آخرت کی طرف راغب پاؤ گے اور اگر عمرؓ کو امیر بناؤ گے تو اسے طاقتور امیر اور اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی پروا نہ کرنے والا پاؤ گے اور اگر علیؓ کو امیر بناؤ گے اور میں نہیں سمجھتا کہ تم ایسا کرو گے تو اسے ہادی و مہدی پاؤ گے جو تم کو سیدھے راستے پر چلائے گا" (مسند احمد حدیث ص ۸۵۹)

اسی مسند احمد میں ۲۶ سندوں سے یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ

حضرت علیؓ نے ایک تقریر میں برسر منبر صاف صاف فرمایا کہ حضورؐ کے بعد بہترین آدمی ابوبکرؓ ہیں اور ان کے بعد عمرؓ"

اب غور فرمائیے کہ یہ روایت کہ

"حضرت علیؓ خلافت کو اپنا حق سمجھتے تھے یا صدیق اکبرؓ کے خلیفہ بن جانے سے اہل بیت کو اس حق سے محروم رکھا گیا۔"

اگر صحیح ہیں تو ان احادیث کے متعلق کیا کہا جائے گا۔ کس دلیل سے اس کمزور بیان کے مقابلہ میں ان سب کو جھٹلایا جائے گا اور اگر نہیں جھٹلایا جائے گا تو کیا ایسی تاویل کی جائے گی جس سے یہ ثابت ہو کہ حضورؐ کے بعد حضرت علیؓ ہی خلافت کے مستحق تھے۔

یہ دونوں تصویریں آپ کے سامنے ہیں اب ہر صاحب عقل کو یہ سوچنا ہے کہ ان میں سے کونسی تصویر مبلغ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے

اہلبیت واصحاب کبار کی سیرتوں سے مناسبت رکھتی ہے اگر پہلی تصویر پر کسی کا دل ریجھتا ہے تو پیچھے گمران کے ساتھ ایک امیدواری اور دعویداری کا مسئلہ ہی نہیں، پورے دین وایمان کا مسئلہ حل طلب ہوجائے گا اور اگر اس دوسری تصویر کو قبول کرتے ہیں تو اس میں سرے سے اس واقعہ کا کوئی وجود نہیں کہ حضرت علیؓ منصب خلافت کے امیدوار یا دعویدار تھے۔

اب ہمارے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ ہم اپنے اس تمام ذخیرۂ تاریخ کو کذب وافترا کا مجموعہ اور غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کے انبار مان کر آگ میں جھونک دیں بہ نسبت اس کے کہ ایک لمحہ کے لئے بھی ہمارے دلوں میں یہ خیال پیدا ہو کہ نعوذ باللہ حضور نبی اکرم صلعم کی قوت قدسیہ ان لوگوں کو درست کرنے میں ناکام رہی جن کی تربیت نہایت جانفشانی کے ساتھ کی گئی اور وہ قوت اتنی جلدی زائل ہو گئی کہ تمام بڑے بڑے صحابہ دفعتاً ایمان واخلاص کے لحاظ سے اتنے بگڑ گئے۔ کہ خانہ جنگیوں میں وحشیوں کو مات کر دیا۔

اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جنگ جمل، جنگ صفین وغیرہ تاریخی واقعات جو پیش آئے۔ ان کو بھی فرضی واقعات سمجھا جاتا ہے؟

اس کے جواب میں عرض ہے کہ اگر ہم حضرت علیؓ کے عہد میں پیش آمدہ اور بیان کردہ واقعات پر قلم اٹھائیں یعنی قصاص عثمانؓ کا مطالبہ اور بنوامیہ بنوہاشم کے مطالبات، اور حضرت علیؓ کا عہد عثمانی کے گورنروں کو معزول کرنا، حضرت معاویہؓ کی برخاستگی، حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کی جنگ، حضرت زبیرؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت علیؓ کی مخاصمت، حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ کی برائیاں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضہ اور حضرت عمرؓ بن العاص کی کارروائیاں، حضرت علیؓ اور

خلفائے راشدین کے دور میں بنی امیہ

خوارج کی آمیزش، محمد ابن ابی بکر کا قتل، عقیل بن ابی طالب اور ابن عباس کی حضرت علیؓ سے علیحدگی۔ حضرت علیؓ کے، حضرت معاویہؓ کے متعلق سخت ترین خطبات کا بیان کریں تو ہم بھی انھی آگ لگانے والوں میں سے ایک ہوں گے اس لئے ہم ان واقعات و تفصیلات کو چھوڑتے ہیں۔ کیونکہ نہ معلوم اصل واقعات کیا ہیں ایسی صورت میں ایک فریق کو مجرم اور دوسرے کو معصوم ثابت کرنا بیکار بات ہے۔ لہذا ہم انھیں خدا کے سپرد کرتے ہیں اور اس عہد کے سارے بزرگ اصحاب اور محترم صحابہ سے حسن ظن رکھتے ہوئے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ اگر کسی صحابی سے کوئی غلطی ہو بھی گئی تو چونکہ ان لوگوں نے حضورؐ کی صحبت اٹھائی تھی لہذا وہ ہمارے لئے ہر حال میں قابلِ تعظیم ہیں اور ان پر زبان طعن دراز کرنے سے احتراز کرنا چاہیئے۔ نیک بختی اسی میں ہے اور فلاحیت بھی۔ کیونکہ نبی کریم صلعم نے اپنے تمام اصحاب کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:۔

مَنۡ اَحَبَّہُم فَبِحُبِّیۡ اَحَبَّھُم وَمَنۡ اَبۡغَضَھُم فَبِبُغۡضِیۡ اَبۡغَضَھُم	جو لوگ میرے صحابیوں سے محبت رکھتے ہیں وہ مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ سے محبت کرتے ہیں اور جو میرے صحابیوں سے بغض و عناد رکھتے ہیں وہ مجھ سے بغض و عناد رکھنے کی وجہ سے بغض و عداوت رکھتے ہیں۔

گویا اصحاب رسولؐ سے محبت رسولؐ سے محبت اور کسی صحابی سے عداوت رکھنا رسول اللہؐ سے عداوت ہے۔

بابِ سوئم

ایک لمحہ کے لئے میں اصل مضمون سے تھوڑا ہٹ کر خلافت کے اہم مسئلہ پر بحث کرنا چاہتا ہوں۔ اس مسئلہ کی وضاحت کی ضرورت کا احساس مجھے اس لئے بھی ہوا کہ ظفر صاحب نے متعدد مواقع پر علوی بزرگوں کے خروج کو جو دراصل وقت کی قائم شدہ خلافت و حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے رہے ہیں، اس کو بڑی پسندیدگی اور ان کے اس قدم کو حق بجانب قرار دیتے ہوئے جائز قدم کی حد تک ذہنوں میں منتقل کرنے کی کوشش کی ہے۔

ہر موقع پر خلافت کے منصب پر اہل بیت کو مستحق قرار دیتے ہوئے اموی خاندان ہی کو نہیں بلکہ خلیفہ اوّل خلیفہ دوم اور خلیفہ سوم کو بھی " العیاذ باللہ" غاصب کے درجہ میں لا کھڑا کیا ہے، اور عقل سلیم کے خلاف، اہلسنّت والجماعت کے عقائد و نظریات سے دور بہت دور، وہی برادرانِ یوسف شیعی سبائیوں کے چبائے ہوئے تلخ لقموں سے اپنے مضمون کا پیٹ بھرا ہے اور جسارت یہ کہ ان فتنہ پردازوں کے جھوٹے لقموں سے اپنے کاغذی پیٹ کو بھر کر (فیملی ایڈیشن) کی صورت میں طشتِ ازبام بھی کر رہے ہیں۔

امیر المومنین حضرت معاویہؓ کے عہد مبارک سے جو سیاسی نظام مسلمانوں میں ایک صدی تک عملاً مقبول رہا ہے وہ محض اس لئے باطل کہتے ہیں کہ اپنے علوی بزرگوں کے پے در پے ناکام خروجوں اور انکی سیاسی ناکامیوں کی تلخی کا انھیں شدت سے احساس ہے اس لئے جو ان کے منھ میں آتا ہے اور قلم سے نکلتا ہے اس میں انھیں باک نہیں۔

ظفر صاحب معاف فرمائیے میں نے بہت تھوڑی سی صحبت میں آپ کو یہ سمجھا ہے کہ آپ بڑے خود دار اور بے لوث ہمارے ننہالی خاندان کے ایک ذی فہم اور زود فہم فرد ہیں۔ مگر میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ یہ چمچہ گیری آپ نے کیوں اور کس کے لئے کی آپ تو بحمد اللہ فاروقی ہیں نہ کہ علوی جن کے بزرگوں نے انا اہل بیت رسول اللہ، انا افضل یتامہ کے نعرے لگائے اور اس انانیت کو دماغ میں لے کر عہد امیہ و عباسیہ میں جب بھی حکومت وقت کے خلاف کھڑے ہوئے ہیں منھ کی کھائی اور قتل کئے گئے، یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ تاریخ گویا ہے۔

ایک جگہ آپ تحریر فرماتے ہیں :۔

"جناب زیدؒ بھی اپنے آباؤ اجداد کی طرح اس کے دعویدار تھے کہ خلافت و نیابت رسول کا حق صرف اہلبیت کو ہے"

مزید تحریر کرتے ہیں :۔

"زید بن علیؓ کے دعویٰ خلافت سے حکومت کی نظریں آپ پر تھیں اور موقع محل کی تلاش تھی، ہشام نے آپ پر ایک معاملہ میں خیانت کا الزام لگایا اور جوابدہی کے لئے حاکم کوفہ کے پاس بھیجا، آپ کوفہ گئے جوابدہی ہوئی۔ الزام کی حقیقت ہی کیا تھی جو ثابت ہوتا مجبوراً حاکم کوفہ نے آپ کو بری کر دیا۔ برئت کے بعد جب آپ واپس ہونے لگے تو اہل کوفہ نے آپ کو روکا آپ کی اطاعت

کی قسم کھائی اور موجودہ حکمرانوں کے ظلم و تعدی پر گریاں ہونے کے بعد آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہی، جناب زید مطمئن نہ تھے، جانتے تھے کہ یہی کوفی ہیں جنہوں نے حسینؑ کے ساتھ جو کچھ کیا وہ ان کا ناقابل فراموش کردار ہے ان پر آنکھ بند کر کے اعتبار ناممکن۔ آپ خاموش رہے۔ چند ہی دنوں میں کوفہ کے علاوہ مدائن، بصرہ، موصل، خراسان اور دیگر علاقوں کے کئی ہزار مسلمانوں نے اکٹھا ہو کر آپ سے بیعت کی خواہش ظاہر کی اور اپنا سب کچھ آپ کے سپرد کرنے پر تیار ہو گئے حتیٰ کہ اپنی جانیں بھی۔ اب جناب زید کے لئے انکار کی گنجائش نہ تھی۔ آپ بھی خلافت اہل بیت کے لئے تیار ہو گئے اور بیعت خلافت رسولؐ کا اعلان ہوا۔"

اور پھر اس دعوی خلافت اہل بیت کا انجام کیا ہوا؟ یہ بھی ظفر صاحب سے سنئے :-

"اس اعلان کے ساتھ ہی یوسف بن عمر حاکم کوفہ نے جنگ کی تیاری کی اور ہشام کو حالات سے مطلع کیا۔ ہشام نے وہی حکم دیا جو یزید نے حسینؑ کے لئے دیا تھا۔ جنگ ہوئی کربلا کی تاریخ دہرائی گئی۔ جناب زیدؒ کے ہاتھوں پر بیعت کرنے والوں میں بہتوں نے رفاقت سے منھ موڑ لیا، آخر کو آپ شہید کر دیئے گئے۔"

حکومت سے خروج کی دوسری مثال دیتے ہوئے تحریر کرتے ہیں :-

حالات کو سازگار دیکھتے ہوئے کوفہ میں اپنی خلافت کا اعلان کیا۔ اور ایک بڑی جماعت نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔"

تیسری جگہ تحریر ہے

"محمد نفس ذکیہ نے روپوش ہو جانے کے بعد جب ایک بڑی تعداد آپ

کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کی ہوگئی تو آپ نے مدینہ میں اعلان خلافت اہلبیت کیا۔ ان سے بھی جنگ ہوئی اور شہید ہوئے۔"

اس قسم کے خروج کی داستانوں سے ظفر صاحب نے اپنی کتاب کے صفحوں میں اضافہ کیا ہے اور ان خروجوں کی ناکامی کی صورت میں اہل تشیع کی طرح مگرمچھ کے آنسو بھی بہائے ہیں۔ واہ ندوی صاحب واہ

آیئے اب ذرا دیکھیں کہ خروج کی شرعی حیثیت کیا ہے اس کا بغور جائزہ لیں اور فیصلہ کریں کہ علوی بزرگوں کے خروج جائز بھی تھے یا محض ملک میں شورش پیدا کرنا اور دل بہلاوے کی چیزیں تھیں۔

تمام نصوص، دلائل وسنت اور اجماع امت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے شرائط امامت وخلافت کے بارے میں دو صورتیں اختیار کی ہیں اور ذہنی طور پر بھی دو ہی صورتیں اس مسئلہ کی ہو سکتی ہیں۔

اسلام نے اس بارے میں یہ عمل اختیار کیا کہ امام کے انتخاب کا حق امت کو ہے، اور طریقہ انتخاب جمہوری ہو "بحکم وامرھم شوریٰ بینھم" بنیاد تمام امور کی شرعاً شوریٰ یعنی باہمی مشورہ ہے نہ کہ نسل اور خاندان خلافت راشدہ کا عمل اسی نظام پر تھا خلیفہ اول کا انتخاب عام جماعت میں ہوا چوری چھپے نہیں ہوا۔ خلیفہ دوم کو خلیفہ اول نے نامزد کیا اور صاحبان حل وعقد نے منظور کیا، خلیفہ سوم کا انتخاب خلیفہ دوم کے نامزد کردہ چھ اشخاص میں جماعت نے باہم شوریٰ سے کیا، خلیفہ چہارم کے ہاتھ پر جماعت نے بیعت کی۔

بموجب ارشاد نبوی صلعم خلافت کا زمانہ تیس سال ہے اس کے بعد ملوکیت کا دور ہے۔ چنانچہ یہ ۳۰ سال حضرت ابو بکرؓ سے شروع ہو کر خلیفہ چہارم جناب علیؓ پر ختم ہوتے ہیں اس ۳۰ سال کی مدت میں نہ تو نسل کا سوال اٹھا نہ اَنَا اَقْرَبُ

من اھل بیت رسول اللہ کا خیال پیدا ہوا اور ولی عہدی کا قصہ سامنے آیا بس وہی باہمی شوریٰ کا عمل کام کرتا رہا۔ اگر نسل خاندان اور ولی عہدی کی انتخاب میں ذرا بھی گنجائش ہوتی تو ظاہر ہے کہ خلافت خلیفہ اوّل کے خاندان میں آجاتی یا خلیفہ دوم وسوم کے خاندان میں مگر ایسا نہیں ہوا۔ خلیفہ دوم نے تو قوم کو اس کا موقع بھی نہیں دیا کہ ان کے لڑکے کو خلیفہ منتخب کرے وصیت کردی کہ وہ کسی طرح منتخب ہو ہی نہیں سکتا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اگر شوریٰ کا نظام باقی نہ رہا ہو۔ قوم کی رائے اور انتخاب کو اس میں دخل نہ ہو محض طاقت اور تسلط کی بنا پر کوئی خاندان یا کوئی طاقتور فرد تخت خلافت و امارت پر قابض ہو جائے تو اس صورت میں از روئے شرع مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیئے۔ اگر امیر اہل نہیں ہے ظالم ہے، جابر ہے شرائط خلافت و امارت اس میں نہیں پائے جاتے تو ایسی صورت میں اس کی اطاعت کرنی چاہیئے؟ یا اس سے بغاوت کر کے خلیفہ یا امیر وقت پر خروج کرنا چاہیئے۔؟

ظفر صاحب نے اموی اور عباسی دور میں اہلبیت کا خروج بیان تو کیا ہے لیکن یہ کوئی ایسی تحقیق نہیں ہے۔ جس کو کوئی نہ جانتا ہو۔ تاریخ سے معمولی تعلق رکھنے والے حضرات بھی اس بات کو جانتے ہیں کہ اولاد علیؑ پر فخر کرنے والے اور انا اہلبیت کا فخریہ نعرہ لگانے والے علویوں نے ہمیشہ اپنی ہی اہلبیت کو اپنے دماغ میں رکھ کر دوسروں کو امارت و حکومت کا نا اہل تصور کرتے ہوئے حکومت وقت کے ساتھ باغیانہ انداز میں بغاوت کی ہے۔ بلکہ ظفر صاحب کا محققانہ انداز تو اس وقت ہوتا جب اس بغاوت اور خروج کو قبلۂ دین و ایمان حضور مبلغ وحی قرآن جناب افضل انس وجان محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے فرمان اور احکام کو سامنے رکھ کر ان باغی علویوں کے خروج پر ایمان افروز الیسی تنقید کرتے کہ ناواقف لوگوں کی آنکھیں کھل جاتیں اور ہمارے پڑھے بے پڑھے بہت سے سُنّی حضرات جن کے دماغوں میں ایک ہزار سال سے ایک فتنہ پرداز گروہ نے ان باغیوں کی اہلیت اور اہل بیت اور مظلومیت کا رونا رو رو کر یہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا ہے کہ علویوں کا خروج حکومت وقت سے بغاوت نہ تھی بلکہ حکومت وقت خود غاصب تھی بلکہ اولاد علیؓ کی موجودگی میں انھیں اپنا کان پکڑکے اور ان کے سامنے اٹھک بیٹھک کر کے زمام حکومت خاموشی سے ان کے سپرد کر دینا چاہیئے تھا اور خود امیر وقت ہمیشہ کے لئے دست بردار ہو جاتے اور تا قیامت سوائے علویوں کے کوئی صاحب حکومت غیر علوی نہ ہونے پاتا۔

ظفر صاحب بتلائیے یہ حکومت کرنے کا اور اہلبیت ہونے کا خناس جو علوی دماغوں میں گھسا ہوا تھا میں پوچھنا چاہتا ہوں۔ علویوں نے کوئی پرمٹ حکومت کی ٹھیکہ داری کا اللہ کے رسول سے حاصل کر لیا تھا، اور یہ بھی دریافت طلب ہے کہ یہ انا اہلبیت رسول اللہ کے باغی مدعیان نے نبی آخر الزماں سے کہیں یہ بھی سنا تھا کہ نسلی اور نصبی غرور میں ہمیشہ سرشار رہنا اور جبتک رسُول کی نسل سے ایک متنفس بھی دنیا میں باقی ہے۔ خبردار خبردار کسی دوسرے کو تخت حکومت پر جمنے نہ دینا اور بغاوت کرتے رہنا۔ حق تمہارا ساتھ دیگا۔ مگر تاریخ گواہ ہے کہ حق نے ان باغیوں کا ساتھ دینے کے بجائے الٹے حق انہی کے گلے پڑ گیا اور ان چھوٹے مدعیوں اور باغیوں کو اپنے کیفر کردار کی سزا ملی اور موت کے گھاٹ اتارے گئے " جن کے لئے شہید کئے گئے کا لفظ استعمال کیا ہے " نعوذ باللہ امیر وقت کا باغی اگر قتل کیا جاتا ہے جس کی سزا سارے ادیان میں بھی قتل ہے اس کو شہید کہا جائے یہ غضب نہیں تو اور کیا ہے

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنو
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

اذا بویع الخلیفتین فاقتلوا اٰخرھما یعنی اگر ایک خلیفہ کی حکومت جم چکی ہے اور قائم ہے اور دوسرا مدعی کھڑا ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ وہ باغی ہے فرمایا اسے قتل کر دو۔ (حدیث) اس کی زندگی تمام امت کے نظم و امن کے لیئے فتنہ ہے وہ امت میں پھوٹ ڈالنا اور جمے ہوئے انتظام کو درہم برہم کر دینا چاہتا ہے۔ والفتنۃ اشد من القتل

دوسری جگہ ہے:۔

"عن عرفجۃ الاشجعی۔ قال سمعت صلعم یقول۔ من اتاکم وامرکم جمیع علیٰ رجلٍ واحدٍ، یریدُ ان یشق عصاکم او یفرق جماعتکم فاقتلوہ" (احمد و مسلم)

اسی لئے جمہور علمائے اہل اسلام نے اتفاق کیا ہے کہ خلیفہ خواہ اہل ہو یا نااہل، لیکن اگر اس کی حکومت قائم ہے تو جو اس پر خروج کرے اس کا حکم باغی کا ہوگا۔ خواہ کتنا ہی افضل اور جامع ہو اس سے لڑنا اس کی جماعت کو قتل کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ تبلیغ دعوت اور رفع شکوک کے بعد بھی باز نہ آئے۔ علمار کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ جائز ہی نہیں بلکہ بحکم قرآن عظیم "فقاتلوا التی تبغی" کی رو سے واجب ہے (جو بغاوت کرتا ہے اس کو قتل کر دو) تمام آئمہ سے منقول ہے کہ ایسے باغیوں سے جہاد کرنا کفار پر حملہ کرنے سے بھی افضل ہے۔

اب جناب ظفر صاحب ان احادیث اور فرمان رسول اور حکم قرآن کو سامنے رکھ کر فرمائیں کہ جن کے لئے آپ نے شہید ہوئے کا لفظ استعمال کیا ہے۔ وہ اس حکم کے مطابق باغی تھے یا نہیں اگر تھے اور یقیناً تھے تو کیا باغی شہید ہوتا ہے؟ اور وہ عنداللہ ماثوب ہوگا؟ سن لیجئے باغی کا حکم یہ ہے کہ اس کو اور اس کی جماعت

کو قتل کرکے ویسے ہی کسی گڑھے میں ڈال کر دیا جائے یا ویسے ہی پڑا رہنے دیا جائے، چیل کوئے اور دیگر درندوں کے لئے کیونکہ عند اللہ معتوب ہونے کی یہی سزا ہے۔

خلافت کا مسئلہ اجتماعی زندگی کا مسئلہ تھا اور ممکن نہ تھا کہ شریعت اس کی واضح تشریح نہ کرتی، اس بارے میں نصوص سنّت بہت ہیں اور واضح ہیں جیسا کہ میں نے چند اوپر نقل کردی ہیں۔ اسی لئے جب بنو امیہ کی حکومت قائم ہوئی تو صحابہ کرام کو اپنے طرز عمل کے فیصلہ میں ذرا بھی تذبذب نہیں ہوا اور پوری یکسوئی کے ساتھ اس پر عمل کیا اور اسی پر اجماع امت کی مُہر لگ گئی، اور تیرہ سو برس سے جمہور اہل اسلام کا وہی متفقہ فیصلہ قابل اعتقاد و عمل قرار پایا۔

مصلحت و حکمت اس حکم کی ظاہر ہے کہ اگر روز اوّل ہی سے ان دعویداروں کا دروازہ بند نہ کردیا جاتا تو کوئی بہتر سے بہتر اسلامی حکومت بھی خروج اور شورش سے محفوظ نہ رہ سکتی۔ ایک جامع الشروط خلیفہ کی موجودگی میں بھی سرہا دعویدار اٹھ کھڑے ہوتے اور کہتے جمیع شرائط واہل بیعت میں ہم زیادہ افضل ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا کہ ہمیشہ کشت و خون کا بازار گرم رہتا اور امت کا نظام جمعیت کبھی نہ سدھرتا اسی لئے ایسے شخص کا خروج باغیانہ خروج ہے وہ باغی ہے اور ایسے انسان کا قتل ہزاروں انسان کے قتل سے زیادہ بہتر ہے۔

دوسری جگہ ایک روایت ہے۔

"جس نے جماعت کا ساتھ چھوڑ دیا اور خلیفہ کی اطاعت سے باہر ہو گیا اور اسی حالت میں بغیر توبہ کے مرگیا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔"

دوسری جگہ اس طرح روایت بیان کی گئی ہے:۔

"اگر کوئی شخص اپنے امیر کو ایسی بات کرتے دیکھے جو اسے پسند نہ آئے تو چاہیئے کہ صبر کرے اس کی اطاعت سے باہر نہ ہو۔ کیونکہ جو کوئی سلطانِ اسلام کی اطاعت سے بالشت بھر بھی باہر ہوا اور اسی حالت میں مرگیا تو اس کی موت جاہلیت کی حالت پر ہوگی۔"

حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے :۔

ترجمہ "جس نے خلیفہ کی اطاعت سے ہاتھ کھینچا (یعنی اطاعت نہ کی) تو قیامت کے دن [redacted] اللہ کے سامنے حاضر ہوگا۔ اور اس کے لئے کوئی بچاؤ کی صورت نہ ہوگی اور جو مسلمان دنیا سے اس حال میں گیا کہ خلیفہ کی بیعت و اطاعت کے حلقہ سے اس کی گردن خالی ہوئی تو یقین کرو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔"

ایک اور روایت ہے :۔

"جو خلیفہ کی اطاعت سے باہر ہو اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے"

ایک اور روایت ہے :۔

"بنی اسرائیل کی رہنمائی انبیا کرتے تھے۔ ایک نبی گیا تو دوسرا اس کی جگہ مامور ہوا۔ لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ البتہ خلفاء ہوں گے۔ لوگوں نے عرض کیا حضورؐ! ہم کو ان کی نسبت کیا حکم ہے؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ جس کی پہلے بیعت کی (یعنی جس کی حکومت پہلے مان لی گئی) اس کی اطاعت مقدم ہے۔ پھر کسی دوسرے کو خلیفہ نہ مانو۔ ان کا تم پر جو کچھ حق ہے وہ ان کے حوالے کرو۔ یعنی ان کی اطاعت کرو۔ زکوٰۃ وخراج وغیرہ انھیں کو دو۔"

اب ان احادیث کے بعد [redacted] حدیثیں بھی سامنے آتی ہیں۔ جن میں خلافت کے

دوسرے دور کا ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی اس دور کے خلفاء و سلاطین کی اطاعت کی تو ویسی ہی وصیت کیجاتی ہے جیسے پہلے دور کے لئے کی گئی تھی۔ لیکن ان کے کاموں کی پیروی اور اقتدا کا حکم نہیں دیا جاتا۔ اس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ اس دور میں جو لوگ خلافت پر قابض ہوں گے ان کی خلافت شریعت کے مطلوبہ نظام پر نہ ہوگی نہ ان کا چال چلن قرآن و سنت کے مطابق ہوگا۔ انمیں اچھے بھی ہوں گے برے بھی اس لئے اب امت کو صرف اطاعت کا اور ان کی خلافت کے آگے سر جھکا دینے کا حکم دیا گیا۔ ان کے طور طریقوں کی پیروی کرنے اور ان کے غیر شرعی کاموں کو شرعی سمجھ لینے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ وصیت فرمائی کہ جب امرائے وقت برائیاں اور خلاف شرع باتوں کو پھیلائیں تو اس کو روکنے کی کوشش کریں ہاتھ سے زبان سے اور اگر یہ دونوں درجے نصیب نہ ہوں تو کم از کم دل ہی دل میں برائی کو برائی سمجھے۔ وذالک اضعف الایمان۔

یہاں پر ایک نکتہ قابل غور ہے کہ لوگ اس سے یہ نہ سمجھ لیں کہ امراء کی برائیوں کو روکنے کے سلسلہ میں ہاتھ اور زبان سے کام لینے کے لئے حکم دیا گیا ہے تو خروج اور بغاوت ہی کو جائز سمجھ لیں بلکہ یہاں اطاعت اور اقتدا کا فرق ہے۔

ایک صورت یہ ہے کہ مسلمان کسی کو اپنا امیر و صدر مان لیں ؎ اور ایک صدر کی جیسی فرمانبرداری رعایا کو کرنی چاہیئے ویسی ہی فرمانبرداری بجالائیں اور قانون شکنی کر کے کوئی بات ایسی نہ کریں۔ جس سے ثابت ہو کہ اسے اپنا صدر نہیں سمجھتے، اس کا نام اطاعت ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی انسان کو اپنے دینی و اخلاقی اعتقادی اور

عملی معاملات میں پیشوا مان لینا اور راستی وہدایت کے اعتبار سے اس کی زندگی کو اپنے لئے نمونہ بنالینا اور اس کے قدم بہ قدم چلنا اس کا نام اقتدا ہے۔

دونوں صورتیں الگ الگ ہیں۔ اطاعت ایک عام حالت ہے اور اس میں اقتدا کی حالت بھی داخل ہے لیکن اقتدار اطاعت سے زیادہ خاص ہے اور ضروری نہیں کہ ہر اطاعت اقتدا بھی ہو۔

احادیث میں خلفاء راشدین مہدیین کی نسبت امت کو اطاعت اور اقتدا دونوں کا حکم دیا گیا۔

لیکن ۳۰ سال خلافت کے دور کے بعد خلفاء اور سلاطین کی صرف اطاعت کا مستحق بتایا گیا اقتدا کا نہیں۔

مندرجہ بالا بیانات سے واضح ہوجاتا ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد جو سلسلہ خلافت شروع ہونے والا تھا وہ اپنے متضاد خصائص وحالات کی وجہ سے امت کے لئے ایک بڑی ہی سخت کش مکش کا دور تھا۔ ایک وقت میں سیاہ بھی تھا اور سفید بھی، نور بھی تھا اور ظلمت بھی، حق بھی تھا اور باطل بھی۔ اطاعت ومخالفت دونوں چیزیں ایک ہی میں جمع ہوگئی تھیں اور حکم شریعت یہ تھا کہ بہ یک وقت دونوں کو نبھاؤ اور اپنی اپنی جگہ پر دونوں کو بجالاؤ۔ ایک طرف اس پر زور دیا گیا کہ وہ تمہارے خلیفہ وصدر ہیں اس لئے واجب الاطاعت ہیں۔ جب تک کفر صریح ظاہر نہ ہو ان کی اطاعت سے منہ نہ موڑو اور دوسری طرف یہ بھی کہہ دیا گیا کہ ان کے اعمال اچھے نہ ہوں گے پھر بھی اطاعت کرو۔ مگر پیروی اور اقتدا نہ کرو۔

ظفر صاحب! حدیث سے یہاں تک ثابت ہے کہ جب تک وہ تم میں نماز قائم رکھیں اطاعت ہی کرو۔ ان سے جو بات گناہ کی دیکھو اسے پسند نہ کرو مگر صدر کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچو۔

نیز فرمایا نبی آخرالزماں صلعم نے میرے بعد ایسے امام ہوں گے جو میرا طریقہ چھوڑ دیں گے میری سُنّت پر نہیں چلیں گے۔ عنقریب تم پر تم میں سے ایسے حکمراں ہوں گے کہ ان کا جسم تو انسانوں کا ہو گا۔ مگر دل شیطان کا راوی نے پوچھا اگر ہم نے ایسا زمانہ پالیا تو کیا کریں۔ فرمایا، اس کی سنو اور اطاعت کرو۔ اگر وہ تمہاری پیٹھ پر تازیانے لگائیں اور تمہارا مال چھین لیں جب بھی ان کی سنو اور اطاعت کرو۔

واہ حضرت تو نے بنو امیہ کا حکم حلال کر دیا اللہ قیامت کے روز تمہیں ان کے ساتھ رکھے۔ لیکن یاد رکھو کہ انکی اکثریت جہنم میں ہے

ان صاحب کو اللہ نے سند دی ہے کہ بنو امیہ جہنم میں ہے یہ تو آخرت میں ہی پتہ چلے گا کہ کون جہنمی ہے جس نے اللہ تبارک وتعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی، اور اس پر رحم کرے انشاءاللہ وہی جنتی ہے

باب چہارم

کئی مقامات پر یزیدؒ پر طعن بھی کی گئی ہے۔ جہاں تک نام کے ساتھ آداب و لحاظ ملحوظ رکھنے کا تعلق ہے اس کی تو کوئی شکایت ہو ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ جب ام المومنینؓ، حضرت صدیقؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت معاویہؓ کے اسمائے گرامی تحریر کرتے وقت بے ادبی اور گستاخی کا ثبوت دیا گیا ہے تو پھر یزیدؒ غریب کس گنتی میں ہے۔ جبکہ وہ صحابی بھی نہیں ہے ہاں انھوں نے ہزاروں صحابہ کو دیکھا ہے وہ تابعی ضرور ہے۔

امیر معاویہؓ اور یزید مرحوم کے سلسلہ میں جس قدر بھی ظفر صاحب نے باب باندھا ہے اسے پڑھ کر بالکل یہی گمان ہوا کہ کسی رافضی نے تقیہ کی مسند پر بیٹھ کر صادر فرمایا ہے۔ ایسا کوئی عیب نہیں جس سے امیر معاویہؓ کو متہم نہ کیا گیا ہو اور کوئی خوبی نہیں جو اس صحابی رسول سے چھو کر گذری ہو۔ امت کے سواد اعظم کا مسلک تو امیر معاویہؓ کے بارے میں یہ نہیں ہے۔ لہٰذا سوائے رافضی شیعوں کے اور کس سے توقع ہو سکتی تھی کہ یہ کج روی دکھائے۔ یہ ضرور ہے کہ جا بجا شیعی مسلک کے خلاف بھی نظر آجاتا ہے۔ لیکن جب اہل تشیع کی دانست میں

حضرت علیؓ تک تقیہ کر سکتے تھے تو دوسرا کون ہے جسے پیدائشی حق تقیہ نہ ہو۔ تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ تم نے غلط سمجھا تھا، مصنف شیعہ نہیں سنی ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ شیعیت کسی پیدائشی وصف کا نام نہیں۔ یہ تو ذہن کے ایک خاص بدلے ہوئے رجحان اور صراط مستقیم سے ہٹی ہوئی کیفیت کا نام ہے

ظفر صاحب نے ممکن ہے اپنی دانست میں یہ کوئی کارنامہ انجام دیا ہو لیکن جو اہل علم ہیں وہ جانتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ کو نعوذ باللہ جہنم پہونچانے کے یہ سارے حربے نئے نہیں ہیں پرانے ہیں اور ابن تیمیہ کی ایک ہی کتاب منہاج السنۃ نے انھیں قیامت تک کے لئے بے اثر کر رکھا ہے۔

فی الوقت ہماری بحث چونکہ شیعہ سے نہیں ہے اس لئے اس پر بحث کرنا مقصود نہیں۔ البتہ ظفر صاحب سے اتنا ضرور دریافت کروں گا۔ کہ جن حدیثوں میں آتا ہے کہ "مرے صحابیوں کو برا نہ کہو۔ جس نے مرے صحابی کو برا کہا اس نے مجھے برا کہا جس نے مرے صحابی کو گالی دی اس نے مجھے گالی دی"۔ ان کے حق میں زبان کو محتاط رکھنے کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا حضرت معاویہؓ صحابی نہ تھے!

میرے محترم! صحابہ کرام کو صلواتیں سنانے ان پر لعن طعن کرنے سے منع کرنے کا یہ منشا نہیں ہے کہ وہ معصوم ہیں ان سے کوئی خطا ہی نہیں ہوگی۔ جیسا کہ فرقہ امامیہ کا عقیدہ آئمہ اثنا عشر یعنی ان کے بارہ اماموں کے بارے میں ہے جو سراسر غلط اور گمراہی ہے۔

مذہب اشاعرہ اہل سنت والجماعت کا متفقہ مذہب اور فیصلہ ہے کہ ماسوا نبی ہر شخص قطعاً کم و بیش خاطی ہے۔ معصوم نہیں ہے خواہ صحابہ کبار ہوں یا نبی کی اولاد ہو یا عوام۔ اگر سوائے نبی کے اور کوئی معصوم ہوتا تو

جگر گوشہ رسول حضرت بتول رضی اللہ عنہا سے یہ نہ فرمایا جاتا کہ

"فاطمہ رضی اللہ عنہا نیک عمل کرو یہ نہ سمجھنا کہ مرا باپ نبی ہے۔ سنو!
میں قیامت کے دن تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا"

پھر بھلا آپ کے نواسے اور دیگر حضرات کس شمار میں ہیں جن پر معصومیت کا اطلاق کیا جا سکے۔

میں تو کہتا ہوں کہ صحابۂ کبار کی عظیم شخصیت کا ذکر ہی کیا ہے۔ عوام امت مسلمہ پر لعن طعن اور برا بھلا کہنے کا حکم نہیں ہے اور ان باتوں سے زبان کو اس لئے روکا جاتا ہے کہ کوئی شخص کسی شخص کے متعلق چاہے وہ بظاہر کتنا ہی خطاکار اور گنہگار ہو، دوزخی اور جنتی ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا کیونکہ اس بات کا علم صرف خدا کو ہے اور اس کی بخشش اور کرم ہمالیہ ایسے گناہوں کے لئے ایک رائی برابر نیکی جو خالصتاً للہ ہو کافی ہے کیونکہ اللہ کا رحم و کرم اس کے غضب سے ۹۹ حصہ زائد ہے۔

صحابہ سے کچھ بھی سرزد ہو وہ عنداللہ ماخوذ ہوں گے ہم ان کے بارے میں گفتگو پر آمادہ ہی ہوں تو سب سے بڑی فضیلت صحبت رسول اور دیدار جمال مصطفےٰ کی جو ان میں ہے۔ اس بنا پر زبان کو محتاط رکھنے کی ضرورت ہے۔

ان کے افعال سے گذر کر نیتوں پر یلغار کرنا بہادری نہیں سنگدلی ہے سعادت نہیں شقاوت ہے۔

"خطائے بزرگاں گرفتن خطاست"

معلوم ہوتا ہے ظفر صاحب فاروقی ائمہ اسلاف اہل سنت والجماعت کے اقوال وعقائد اور ان کے متفقہ مسلک پر جو آج بھی کتابی شکل میں موجود ہیں۔ نظر سے نہیں گذرے۔ ورنہ آج ہم یہ رونا نہ روتے اور اس بات پر کف افسوس نہ ملتے

کہ ناہنجاں خاندان کا ایک معزز فرد سنی ہونے کے باوجود سُنّی عقائد سے بے بہرہ شیعیت کی طرف کیسی بیباکی اور ڈھٹائی کے ساتھ دوڑا چلا جا رہا ہے اور اپنی اس روش پر ایسا سرشار اور مغرور کہ صحابہ کرام پر اتہام بھی لگائے۔ در پردہ صدیق رضؓ و عمرؓ کو غاصب بھی کہے پھر بھی وہ فاروقی اپنے کو کہے اور اس کے آگے ندوی لکھے اور اپنے کو اہل سُنّت والجماعت کا ایک فرد بھی سمجھے۔ ع

"ببیں تفاوتِ رہ از کجا است" تا بہ کجا"

ومن یعش عن ذکر الرحمٰن نقیض لہٗ شیطاناً فھو لہٗ قرین وانھم لیصدونھم عن السبیل ویحسبون انھم مھتدون ۝ (زخرف)

جو شخص اللہ کی نصیحت یعنی قرآن سے اندھا بن جائے تو ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے اور وہ اس کو راہ حق سے روکتا رہتا ہے اور یہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم راہِ راست پر ہیں۔ (سورہ زخرف)

آپ کو ہوش سنبھالتے ہی جو جاہلانہ تصورات اور غلط عقائد اس باب میں حاصل ہوئے ہیں وہی آپ کا کل سرمایہ ہیں۔ بعد میں منتشر مطالعہ کے ذریعہ یا غلط تربیت اور بے دینوں کی صحبت سے جو معلومات حاصل کی ہوں گی اس کا اثر اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ تشیع کا جو زہر واہی روایات اور مضمون نگار اور بدعقیدہ شاعروں نے ملت کے حلق میں اتار دیا ہے۔ اسی کو آپ بھی امرت سمجھیں اور ماحول کے سُر سے سُر ملاتے رہیں۔

بنیادی بات یہ ہے کہ کسی شخص کی دلیل خواہش کی پیدا کردہ ہے اور کسی کی خواہش دلیل کی زائیدہ جن لوگوں کے حلق میں ہوش سنبھالتے ہی واقعات

کربلا اور معاویہؓ ویزید کے بارے میں مشہور مگر غلط تصورات کا زہر اتر چکا ہو اور بلا تحقیق وہ غلط رائے قائم کر چکے ہوں۔ اس میں اگر کبھی اس رائے کے خلاف آواز سننے کا موقع ملا اور ان کے جذبات کو ٹھیس لگی تو اس کے سوا کیا ہوگا کہ وہ جلدی جلدی کتابوں کو الٹیں اور اس طرح کی کٹنگ جمع کرتے چلے جائیں جو ان کی رائے جذبات اور غلط عقیدوں سے ہم آہنگ ہوں۔ اسی کا نام خواہش کی کوکھ سے دلیل کا جنم لینا ہے۔

معاملہ یہ ہے کہ قرآن کے بعد سب سے سچی اور صحیح کتاب بخاری میں ایک صریح اور محکم روایت آئی ہے۔ جس میں مخبر صادق جناب رسول اللہ صلعم نے ان مجاہدین کے لئے مغفرت کی بشارت دی ہے جنہوں نے پہلی بار قسطنطنیہ پر حملہ کیا اور تاریخ قطعی طور پر بتاتی ہے کہ یزیدؒ نہ صرف ان مجاہدین میں شامل تھے بلکہ ان کے سپہ سالار بھی تھے۔

اس غزوہ میں یزید مرحوم کی شرکت ایسی اٹل تاریخی حقیقت ہے کہ اس کی تکذیب خاص قسم کے دیدہ دلیروں کے سوا کوئی نہیں کر سکتا ۔ بھی صرف زبانی۔ کیا آپ بھی اس حدیث اور یزید مرحوم کی سالاری سے انکار فرمائیں گے؟ بنیادی سوال یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم کی پیش گوئیاں کیا حیثیت رکھتی ہیں؟ ہم نہیں سمجھتے کہ آپ اس سے کیونکر انکار کریں گے۔ حالانکہ میرا تو ایمان ہے کہ حضور صلعم نے کوئی پیش گوئی، کوئی فیصلہ کن خبر بلا وحی آسمانی نہیں دی۔ پہاڑ ٹل سکتا ہے۔ مگر حضور کی دی ہوئی صریح و محکم خبر نہیں ٹل سکتی۔ آپ یزیدؒ کی مغفرت کی خبر سن کر حیران و پریشان تو ہوں گے۔ آپ پر حزن و ملال کا پہاڑ تو ٹوٹ پڑے گا۔ آپ کی پیشانی پر بل تو پڑ گئے ہوں گے، مگر میں اس کو کیا کروں یہ تو اللہ کے رسولؐ کا ارشاد ہے۔

معاف کیجئے گا نہ تو "(یزیدؒ) آپ کی بخشش کا محتاج ہے اور نہ آپ خود بھی اس منصب غفاری پر قابض ہیں۔ لہذا بغض عدوات اور حسد جیسی مہلک بیماریوں سے اپنے دل ودماغ کو محفوظ کیجئے ویسے بھی حضورؐ کا ارشاد ہے۔

"حسد نیکیوں کو اس طرح کھا لیتا ہے جیسے آگ لکڑی کو"

یزید مرحوم معصوم نہ تھے خطاونسیاں کا مجسمہ تھے۔ ان سے ضرور ایسے افعال سرزد ہوئے ہوں گے جو بظاہر معصیت معلوم دیں تو اب جواب طلب امر یہ ہے کہ کیا کبائر کا مرتکب ہر شخص کافر ہو جاتا ہے جس سے اس کی بخشش نہیں ہو سکتی؟ یا صرف یزیدؒ ہی کفر کا مرتکب ہے اگر ایسا ہے کہ کبائر کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ خارجیوں کا عقیدہ ہے تو پھر ظفر صاحب! جنت کا اتنا بڑا پلان صرف نبیوں کے لئے بنایا گیا ہے اور اس میں رہنے والے صرف نبی ہوں گے۔ غیر نبی کو جنت کی ہوا بھی نہ لگے گی، اور اگر کبائر کا مرتکب کافر نہیں ہوتا تو یزید" اور غیر یزید سب ہی کو اس کی بخشش ہوگی۔ خواہ سزا کے بعد یا اس کی نوبت ہی نہ آنے پاوے۔

اور حضور صلعم کی اس بشارت نے تو یزیدؒ اور اس جنگ میں شرکا کے لئے مغفرت کی مہر لگا دی ہے جس میں کئی ہزار مجاہدین شریک تھے منجملہ حضرت حسینؓ حضرت ایوبؓ انصاری اور ان سب پر یزید مرحوم کی سپہ سالاری۔

اللھم اغفر لجمیع من جاھد فی البلاد قسطنطنیہ

یہ میری دعا ہے۔

یزید مرحوم کے متعلق جو الزامات لگائے جاتے ہیں وہ دو صورتوں میں سے ایک ضرور ہوگی یا تو یہ الزامات دشمنان یزید کے پیش کردہ بہتانات ہوں گے اور مغالطہ کے طور پر بڑھ چڑھ کر پیش کئے گئے ہوں گے جن کا حقیقت سے کوئی واسطہ

نہ ہوگا۔ یا پھر ان کی برائیاں ایسی ہوں گی جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے۔
ان الحسنات یذھبن السیئات (بیشک بھلائیاں برائیوں کو
مٹا دیتی ہیں)
اس طرح بشارت اٹل رہے گی اور اللہ کے سچے نبی کا فرمودہ غلط نہ ہو سکے گا۔
یہ نہیں ہو سکتا کہ اس سے کسی ایسے فعل کا ارتکاب ہو جائے جو شرک اور کفر
ہے اور اللہ کے حضور نا قابل معافی ہو اور مغفرت کی بشارت خاک ہو کر رہ جائے
اللہ بے خبر نہیں تھا کہ فلاں شخص یا گروہ زندگی بھر کیا کریگا اگر وہ ایسی ہی حرکات
کرنے والا ہوتا کہ جہنم جائے بغیر نہ رہ سکتا تو اللہ تعالےٰ مغفرت کی بشارت نہ دیتا۔
اس سے ثابت ہوا کہ اس کے افعال لائق عفو ہیں شرک و کفر کی آمیزش
سے پاک ہیں۔
ہمیں تو نظر آرہا ہے کہ آپ تردید کے جوش میں قصداً اس حدیث کو نظر
انداز کر گئے ہیں یا سرے سے آپ کے ذہن و علم میں یہ حدیث ہی نہ تھی اور سمجھ
بیٹھے ہیں کہ رسولؐ کی پیشین گوئیاں بھی نعوذ باللہ عام انسانوں جیسی ہیں گویا
آپ کے نزدیک اللہ تعالےٰ کو وہ بات معلوم نہ تھی جو آج آپ کو معلوم ہے
کہ یزیدؒ بعد میں اس حد تک بدکردار ہو جائے گا کہ بشارت ہی لنگڑی ہو کر رہ جائیگی
ہمیں کوئی معقول وجہ نظر نہیں آئی کہ زیر بحث بشارت سے یزید کو خارج
کیا جائے آپ اگر خارج کرتے ہیں۔ اور یہ جرأت پاتے ہیں تو صاف صاف
کہہ دیجئے کہ یزید کافر اور مرتد تھا۔ مگر
بحمداللہ آپ کے جرأت مندانہ قلم نے ایسی جرأت نہیں دکھائی کہ آپ کی عبارت
سے کہیں بھی یزیدؒ کے متعلق کفر و ارتداد کا شبہ ہوتا۔
اگر حدیث پر ایمان ہے اور جذباتی لگاوٹیں آڑے نہیں ہیں تو یہ یقین کر لیجئے

میں کوئی وقت محسوس نہ ہونی چاہیئے کہ جن لوگوں کی مغفرت کا مژدہ اللہ کی طرف سے بزبان رسول سنا دیا گیا ہے ان میں چاہے ہمالیہ جیسی برائیاں ہوں تو بھی وہ صاحب ایمان ہیں ان سے مغفرت الٰہی کا وعدہ منسوخ نہ ہو سکے گا۔

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں :۔

"اور شرک و کفر کے علاوہ جو بھی گناہ آدمی سے سرزد ہوتے ہیں اور ان سے اس نے توبہ بھی نہیں کی۔ ہاں مرتے دم تک مومن ہی رہا کافر و مرتد نہیں ہوا تو اس کا معاملہ اللہ کی مرضی پر ہے چاہے وہ عذاب دے، چاہے معاف کر دے اور آگ سے دور رکھے۔"

یہی عقیدہ چاروں امام اہل سنت والجماعت کا ہے اور اس کا ماخذ قرآن کی وہ آیات ہیں۔ جن میں کہا گیا ہے کہ

"شرک اور کفر کے علاوہ ہم ہر گناہ جس کے چاہیں معاف کر دینگے"

ان بنیادی عقیدے کے باوجود آپ کیوں اس کے درپے ہیں کہ رسول اللہ صلعم کی صریح و محکم بشارت کے بعد بھی یزید کو جہنم ہی پہونچا کر دم لیں گے۔ بحیثیت مسلمان کلمہ گو وہ آپکی نظروں میں لاکھ برا سہی اگر خدا اپنے فضل و کرم سے اس کی مغفرت کر دے تو اس کے نام کے ساتھ مرحوم کا لفظ لگانے سے آپ کو اختلاج کیوں ہوتا ہے کیا یزید کافر تھا؟ جواب میں ثبوت پیش کیجئے۔ ورنہ کم از کم عام مسلمانوں کی طرح اس کے نام کے آگے مرحوم کا لفظ استعمال کیجئے جیسا کہ ایک اسلامی اخلاقی فریضہ ہے۔

کیا ایسا تو نہیں ہے کہ قرآن کی آیات آپ کے نزدیک بنیادی عقیدہ کی حیثیت نہ رکھتی ہوں اور آپ کا بھروسہ اٹھ گیا ہو۔

اگرچہ یہ بات درست ہے کہ مرتد اور کافر کی مغفرت نہیں ہوتی۔ لیکن ہر مسلمان

سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے ذریعہ کسی فرد یا مخصوص افراد کی مغفرت کا اعلان کردیں تو یہ بات آپ سے آپ طے ہو جاتی ہے کہ یہ لوگ مومن ہی مریں گے مرتد نہ ہوں گے۔ مغفرت کی بشارت اسی تقدیر پر دی جا سکتی ہے کہ مبشر افراد کا خاتمہ ایمان ہی پر ہوتا ہے۔

اب سوائے اس کے اور کیا کہا جائے کہ شیعی پروپیگنڈہ کے تحت یزیدؒ کو فاسق وفاجر، اور قاتل حسینؓ یقین کر لینے کے بعد ان لوگوں کا جی کسی طرح نہیں چاہتا کہ یزیدؒ کی مغفرت کا فیصلہ خداوندی ٹھنڈے دل سے تسلیم کر لیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ عشرہ مبشرہ والی حدیث کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے یہ بھی آنحضورؐ کی بشارت تھی، اور اولین معرکہ قسطنطنیہ کے مجاہدین کے بارے میں بھی آنحضورؐ کی بشارت ہے پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ عشرہ مبشرہ کی بشارت کو بشارت تسلیم کر لیا جائے اور مجاہدین قسطنطنیہ کی بشارت کو حقارت کی نظر سے دیکھا جائے بلکہ سرے سے تسلیم ہی نہ کیا جائے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ان مجاہدین میں یزیدؒ شامل ہیں یا اگر حضورؐ کی بشارت تسلیم کرتے ہیں اور صرف اپنے بغض وعناد کی وجہ سے جو یزیدؒ کے بارے میں دلوں میں جاگزیں ہو چکا ہے صرف یزیدؒ کو اس بشارت سے خارج کرتے ہیں تو ذرا انصاف سے غور فرمائیے۔

کہ جس گروہ کے متعلق رسول صلعم مغفرت کی نوید سنائے ہیں۔ اس میں سے صرف ایک فرد یزیدؒ کو الگ کر کے اس کو سب وشتم اور کفر وارتداد کا نشانہ بنائیں تو اس کو صرف یزیدؒ ہی سے حسد دشمنی نہیں، محمول کی جائے گی۔ بلکہ اس مبشر صادق سے دشمنی ہو گی کہ اس مبشر صادق صلعم نے کیوں ایسے گروہ کو جنت کی بشارت دی۔ جس میں یزید مرحوم بھی تھا اور ان سب کا سپہ سالار بھی جس میں بڑے بڑے صحابی حضرت ایوبؓ انصاری اور حضرت حسینؓ جیسے موجود تھے۔

یا اگر رسول صلعم کو بشارت دینی تھی تو یوں ارشاد فرماتے ۔

کلھم مغفوراً الا یزید

کہیں ایسا تو نہیں کہ یزیدؔ کی حد تک خوارج اور معتزلہ کا عقیدہ اختیار کرلیا ہو کہ کبائر کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے ۔ خدارا یزیدؔ کی دشمنی میں کم سے کم حرمت رسولؐ سے تو نہ کھیلئے ۔

یہ کیا لغو باتیں ہیں یہ کیسی بکواس ہے کہ اللہ کے رسولؐ تو مجاہدین قسطنطنیہ کی پیشگی بشارت مغفرت دیں اور آپ ہیں کہ ادھار کھائے بیٹھے ہیں کہ اس بشارت کا حلیہ اس انداز سے بگاڑیں کہ گویا اللہ کے رسول کی پیشین گوئی اٹکل کا تیر تھا جو کہیں نشانہ پر بیٹھ گیا ، اور کہیں چوک گیا ۔ شعر

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں

تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

آپ کی تمام گہرفشانی کا زیادہ سے زیادہ یہی مطلب نکلتا ہے کہ یزید بہت بڑا گنہگار تھا سے لوگوں نے فاسق وفاجر کہا ہے ۔ لیکن فاسق وفاجر کی مغفرت کا امکان تو آپ بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہوں گے ۔ پھر کیوں نہیں سرکار دو عالمؐ کی دی ہوئی بشارت پر سر جھکاتے ؟

کیوں اس بات کا تصور نہیں کرتے کہ پہلا غزوہ قسطنطنیہ اللہ اور رسولؐ کے نزدیک اجر وجزا کے اعتبار سے ایسا ہی عظیم تر عمل خیر ہو جس کے آگے ساری زندگی کے گناہ ہیچ ہوں ۔

آخر کیا آپ کو معلوم نہیں کہ سابقون الاولون کے انفاق کو کیا ہوا ؟ ایک رتی سونا بعد میں انفاق کئے ہوئے اُحد پہاڑ کے برابر سونے سے زیادہ وزنی مانا گیا ہے اس سے یہ حقیقت وانشگاف ہوتی ہے کہ بعض اعمال بظاہر معمولی ہوتے

ہوئے بھی اللہ کے نزدیک بہت محبوب ہوتے ہیں۔ تو کیوں بھول جاتے ہیں کہ غزوۂ قسطنطنیہ بھی ایسا ہی محبوب ترین عمل ہوگا!

رسولؐ کا خصوصیت سے اس کے بارے میں بشارت دینا آخر کیل تو نہ تھا۔

صادق و مصدوق حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے۔ جس بندے کے قدم جہاد کی راہ میں گرد آلود ہوئے انھیں جہنم کی آگ چھو بھی نہیں سکتی۔

اس حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے ایمان سے بتلائیے کہ اس کے آگے گناہوں کے ہمالیہ ریزہ ریزہ نہیں ہوجاتے۔ پھر آخر آپ کیوں یزیدؒ کے معاملہ میں لوہے کے بانٹ ترازو لئے بیٹھے ہیں اور اس کے اعمال و افعال کو سیروں کے حساب سے تول کر فیصلہ کرتے ہیں۔

اور حقیقت یہ ہے کہ کچھ بھی فیصلہ نہیں کر پاتے۔ جس بات کا فیصلہ اللہ نے رسولؐ کی زبانی کر دیا اس کا فیصلہ اور آپ؟

چہ نسبت خاک را با عالم پاک ۔ اَلحقُ یَعلُو وَلَا یُعلیٰ

اہل دانش خوب جانتے ہیں کہ فوجوں کی سالاری کے لئے صرف زہد و تقویٰ مدار انتخاب نہیں ہوا کرتا۔ بلکہ وہ صلاحتیں معیار انتخاب ہوتی ہیں جن کے ذریعے فوجوں کو خوش اسلوبی سے لڑایا جاتا ہے۔

کیا معلوم نہیں کہ حضرت ابوذرؓ جیسے عابد و زاہد صحابی سے اللہ کے رسولؐ نے فرمایا تھا کہ

"میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ تمہیں چند آدمیوں پر بھی افسر بنایا جائے۔"

امارت و سالاری پر قرآن و حدیث کی دیگر تصریحات اور ائمہ سلف کے فرمودات دیکھ لیجئے یہی ملیگا کہ جیسا کام ہو ویسی صلاحیتوں کا آدمی منتخب

کیا جائے۔

یزیدؓ بہادر تھا۔ جنگ کے نشیب و فراز سے واقف تھا۔ صاحب حرب و ضرب تھا۔ یہ بات نہ تھی کہ خلیفۂ وقت حضرت امیر معاویہؓ کا بیٹا تھا۔ اس لئے انھوں نے اپنے بیٹے کو ہی سالاری کے لئے منتخب کیا۔ ایسا سوچنا غلط ہے کہ قسطنطنیہ کا یہ پہلا معرکہ تھا۔ جہاں فاتحانہ کامیابی کی مسلمانوں کو امید تھی وہاں شکست کا بھی خوف تھا۔ لہذا ایسے امید و بیم کے وقت صرف معاویہؓ کی رائے کارفرما نہ تھی بلکہ ساتھ ساتھ بڑے بڑے سیاستداں صاحب فراست کے باہمی شوریٰ کے نتیجہ میں یزیدؓ انتخاب میں اوّل آیا اور ایک تابعی کی ماتحتی میں جنگ کرنا بڑے بڑے ذی اثر اور ذی علم اور دانا صحابیوں کے لئے باعث فخر تھا اور حضرت حسینؓ سے لے کر دیگر تمام صحابہ نے یزید کی قیادت میں جنگ لڑی اور اسی کی قیادت میں فاتحانہ واپس آئے۔

یہ تھا یزیدؓ کی جنگی مہارت کا عالم کہ ہزاروں لاکھوں مجاہدین میں ایک بھی یزیدؓ کی ٹکر کا نہ تھا اور کیوں نہ ہو۔ جس کا باپ صحابی تدبر اور بہترین سیاستداں اور موقع شناس حضرت امیر معاویہؓ جس کے نام سے عیسائیت لرزہ براندام ہو جاتی تھی۔

جس کے چچا صحابی حضرت یزیدؓ بن ابو سفیانؓ بہترین مجاہد جنہوں نے دور صدیقیؓ میں شام کے نصاریٰ کی سرکوبی اور علاقہ شام کو فتح کرنے کے لئے کئی سپہ سالار منتخب فرمائے انمیں ایک یہ بھی تھے۔ جس وقت یہ شام کی طرف روانہ ہوئے تو ان کے ساتھ حضرت صدیقؓ وصیت کرتے ہوئے پاپیادہ چل رہے تھے۔

جن کے دادا صحابی حضرت ابو سفیانؓ جو اپنی جوانی سے لیکر فتح مکہ تک

تمام قبائل عرب کی فوجوں کے سپہ سالار اعظم اپنے زمانے کے قوی وجری ترین انسان اور فتح مکہ کے بعد اسلامی دنیا میں قدم رکھتے ہی حضور اکرم صلعم نے قریش کی اُس عظیم شخصیت کو یہ اعزاز دیا کہ جو شخص ابوسفیان کی پناہ میں آگیا۔ اس سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا اور اس کا خون معاف۔

یہ ہے یزید مرحوم کی شخصیت کا دنیاوی پہلو اب ذرا اس کے دین کا تجزیہ کیجئے۔

اس بارہ میں اسی قسطنطنیہ کے معرکہ میں حضرت حسین رضؓ کا قول جو یزیدؒ کے بارہ میں ہے پیش کرتا ہوں۔

حضرت حسینؓ ابن علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے یزید سے زیادہ خدا ترس، شب بیدار، خدا سے ڈرنے والا اور اپنے جنگی مہارت سے مجاہدین کو لڑانے والا اور کسی کو نہیں دیکھا۔

اے یزید سے تعصب رکھنے والو اس پر لعنت بھیجو جو چاہے گالیاں دو جو چاہے کرو، اللہ کا رسول صلعم تو کہہ چکا کہ "اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم"

اللہ کے رسولؐ کی بات کوئی دیوانے کی بڑ نہیں ہے (نعوذ باللہ) سارا عالم ملکر اے مخالفین یزید زور لگالو۔ اللہ کی مشیت اٹل ہے اور وہ ضرور قیامت کے دن انشاء اللہ مغفورین کے ساتھ ہوگا۔ اور مخالفین دیکھتے کے دیکھتے رہ جائیں گے (رحمۃ اللہ علیہ وعلیٰ اول من جاھد فی البلاد قسطنطنیہ)

اللہ کی لعنت ہو ان شیعان علی پر جنہوں نے حضرت حسینؓ مرحوم کو کوفہ بلایا بیعت کرنے کے لئے اور بدترین بزدلی اور عہد شکنی کے مرتکب ہو کر ان کی مظلومانہ موت کی دعوت دی۔ لیکن سارا الزام تھوپ دیا یزیدؒ غریب کے سر اور حب اہل بیت رسول

کا ڈھونگ رچا کر بغض یزید کی وہ ڈفلی بجائی کہ اہل سنت بھی رقص کرنے لگے۔

کتنا کامیاب فریب ہے کہ اصل قاتلان حسینؓ تو سرخرو ہوئے اور سیاہی ملی گئی اس غریب یزید کے منہ پر جو اپنی حکومت کی حفاظت کرنے میں اسی طرح حق بجانب تھے۔ جس طرح دنیا کا کوئی اور حکمراں۔

ہم انسانی تاریخ میں کسی ایسے حکمراں کو نہیں جانتے۔ جس نے بوقت ضرورت اپنے تحفظ کے لئے اپنے ملک کی بقا کے لئے اپنی رعایا کی سالمیت کے لئے ممکنہ تدبیر سے کام نہ لیا ہو۔

سب سے پہلے اس موقع پر یزیدؒ ہی نے حضرت حسینؓ کو باز رکھنے کے لئے افسروں کو اقدام و انصرام کا حکم دیا تو یہ کوئی انوکھا فعل نہ تھا۔ قتل حسینؓ کا ہرگز حکم نہیں دیا تھا۔

جو کچھ پیش آیا یقیناً بہت برا تھا مگر یزیدؒ قاتل حسینؓ نہ تھا۔ نہ قتل کا حکم دینے والا۔ پھر بھی قتل کی ذمہ داری اس پر ڈالتے ہو تو کچھ حصہ بلکہ بہت بڑا حصہ ان بدنہاد کوفیوں کو بھی تو دو جنھوں نے خطوں کے پلندے بھیج بھیج کر حضرت حسینؓ کو بلایا اور جب وقت آیا تو رسول کے نواسے کو ہجوم آفات میں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے کہاں گئے وہ ڈیڑھ لاکھ کوفی یہ سب شیعان علی تھے ایک نمبر کے عہد شکن (لعنت اللہ علیہم)

انھوں نے حضرت علیؓ کو بھی نہیں چھوڑا۔ ان کو بھی ناکوں چنے چبوائے۔

کیا آپ کو جنگ صفین کے واقعات میں انہی شیعان علی کا جو اس وقت حضرت معاویہؓ کے ساتھ نبرد آزما تھے یہ واقعہ یاد نہیں۔ جب کہ ایک موقع پر حضرت علیؓ جنگ بند کرنے کا حکم دے رہے تھے اور یہ بدنہاد قوم کہہ رہی تھی کہ جنگ جاری رہے گی۔ اگر تم نے جنگ بند کی تو وہی حشر تمہارا کروں گا جو عثمانؓ کا کیا ہے

اور آج بھی شیعان علی یہ ناٹک کھیلتے پھرتے ہیں کہ ہم حسینؓ کے فدائی ہیں اور اسی ناٹک میں کتنے ہی سُنی حضرات بھی بطور اکسٹرا شامل ہو گئے ہیں واہ رے کمال فن۔

اہل سُنت ذرا غور فرمائیں کہ وہ کس معصومیت کے ساتھ دھوکہ کھا گئے ہیں اور صحابہ کے دشمنوں نے کس طرح یزیدؒ کی آڑ میں نہ صرف حضرت معاویہؓ بلکہ یزیدؒ کی بیعت کرنے والے بہت سے جلیل القدر صحابہ کو سب و شتم کرنے کا راستہ نکال لیا۔

مصنف جس حدیث کا ذکر تم نے کر رہے اس میں قسطنطنیہ کا تو ذکر آنا ہی نہیں۔ اس میں ہے کہ کہ مدینہ قیصر یعنی قیصر روم کے شہروں میں سے کسی شہر پر حملہ کرے گے۔

مسلمانوں نے پہلا حملہ سنہ 42 ہجری میں کیا تھا تمہارا ابا یزید (خبیث لعین) تو پیدا ہی 39 ہجری میں ہوا ہے کیا یہ ماں کے پیٹ میں ہی جنگ کر رہا تھا شرم کرو حدیث گھڑ گھڑ کر بیان کرتے ہو۔ تم نے واقعی ان کے فکر دوں کا حق ادا کر رہا ہے جو جد کا ہوتا ہے اور سارا ہی حرام زادہ ہو تو بھی بکواس کرتا ہے۔

مصر اور شام فتح ہوئے فاروقؓ کے دور میں جو ۱۶ھ تا ۲۱ھ میں فتح ہوئے [illegible]

اصل چیز تقوا ہے جو حسب اور نسب کو نہیں دیکھتا ہے
۷۵
اور نبی کا اہل بیت صرف اہل ایمان ہوتے ہیں
سورۃ [illegible] قرآن میں اللہ نے نوح علیہ السلام سے کہا ہے
تمہارا اہل بیت اصل میں اہل ایمان ہے

باب پنجم

ظفر صاحب فرماتے ہیں :-

" خاندان بنو ہاشم اور خاندان بنو امیہ کی مخالفت اور دشمنی بڑی پرانی داستان تھی۔ معاویہؓ کو اپنی عافیت اسی میں نظر آئی کہ اس قدیم تاریخ کی پھر سے ورق گردانی کی جائے اور حالات ایسے روبکار آئے کہ انھیں پورا پورا موقع ملا "

سبحان اللہ ! کیا تاریخی خدمت ہے۔

آیئے ذرا ظفر صاحب کے اس اختراع اور پرانی داستان کا تاریخی جائزہ لیں اس لئے کہ انھوں نے بنیاد ہی دہکتے ہوئے انگاروں پر اٹھائی ہے جس کا نتیجہ سوائے اس کے کہ ہر در و دیوار سے گرم پیٹیں اور دھوئیں کے بادل بلند ہوں اور کیا ہو سکتا ہے۔

اس سے ان کا صرف یہی مقصد ہے کہ ان دو عظیم قبائل قریش کے میل و محبت کو چنگاری دکھا کے بنو امیہ کو شعلوں میں جھونکا جائے۔ لیکن یہ گھناؤنے حربے کبھی حقیقت نہ بن سکیں گے بلکہ یہ شعلے ان مخالفین کے دامنوں کو ضرور گرفت میں لے لیں گے

جو قریش کے دونوں عظیم قبیلوں کی نسلی عصبیت کو فریب کی ہوا دیکر اپنے غلط مقصد کو جامہ پہنانے کی کوشش میں ہیں یا کسی ایک کو بغض و کینہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

افسوس! ظفر صاحب نے اپنی تحریر کی بنیاد اسی مخالفت اور دشمنی پہ رکھی جو ان کے پورے مضمون میں کار فرما ہے۔

ظفر صاحب نے بنو امیہ کے ہر فرد کو جس گستاخانہ انداز سے پیش کیا ہے "با ایں عقل و دانش بیاید گریست" کے مصداق ہے۔

یقیناً بنو ہاشم سے حضور اکرم صلعم کا تعلق تھا لیکن اسی بنو ہاشم سے حضورؐ کا چچا ابولہب تھا جس کی تکذیب قرآن نے کی ہے اور تا قیامت اس پر لعنت بھیجی جاتی رہے گی لیکن اس کے برخلاف آپ کوئی آیت بنو امیہ کے خلاف قرآن میں نہیں دکھا سکتے۔

نبی کریمؐ کو جتنی اذیت آپ کے گھر والوں یعنی خاندان بنو ہاشم سے پہونچی ہے کسی دوسرے قبیلہ خاص کر بنو امیہ سے نہیں پہنچی۔

میرا مقصد ان دو قبیلوں میں سے کسی ایک پر سب و شتم نہیں ہے میری نظر میں دونوں قابل احترام اور لائق ستائش ہیں کیونکہ انہی دونوں قبائل کے افراد نے دولت ایمانی حاصل کرنیکے بعد اسلام اور صاحب اسلام صلعم کی وہ خدمات انجام دیں ہیں کہ دوسرے قبائل عرب اسکا عشر عشیر بھی کرکے نہ دکھا سکے اور انہی دونوں قبائل کی یہ خصوصیت ہے کہ دنیا کی بڑی بڑی عظیم اور قابل قدر ہستیاں دنیائے اسلام کے نقشہ پر وجود میں آئیں ہیں جن کے نور ایمانی اور جذبہ اسلامی نے مشرق سے مغرب، شمال سے جنوب یعنی چین و ہندوستان، ایران سے لیکر اسپین شام مصر تک ایک اسلامی جھنڈے کے نیچے سب کو جمع کر دیا۔ جنھوں نے خلافت بھی کی اور خلفائے راشدین کا لقب حاصل کیا۔ انہی دو قبائل میں وہ بھی ہیں جنھوں نے حکومتیں کیں اور امیر المومنین کے لقب سے پکارے گئے۔

اللہ اللہ جن کا نوہا ایک دنیا نے مانا۔ اللہ نے جن کے وجود کو صرف اسلام کی بلندی اور اس کی خدمت کے لئے ہی پیدا کیا ہو۔ آج انہی کو گالیاں دی جاتی ہیں آج انہی پر طرح طرح کی بے بنیاد الزام تراشی کی جاتی ہے، آج انہی کو غاصب کہا جاتا ہے۔ آج انہی پر پرانی دشمنی کی داستان کی ورق گردانی کی جاتی ہے اور یہ سب کچھ کرنے والے وہ ہیں جو اپنی پیشانی قلب و دماغ پر اہلسنت والجماعت یعنی سنی ہونے کی مہر ثبت کئے ہوئے ہیں۔ غیر سنی سے کیا شکوہ وہ تو حبِ آلِ رسول کا دعویٰ کرتے ہیں اور بغضِ آلِ رسول پر عمل ہے اور قتلِ آلِ رسول میں پیش پیش۔

یہ چند سطریں تو ظفر صاحب کی آنکھوں سے دبیز پردہ اٹھانے کے لئے سپرد قلم کر دی ہیں۔ اب ہم اس پر تھوڑی سی تفصیلی بحث کریں گے۔

ابتدا میں مکہ کے رئیس جرہم تھے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام خانہ کعبہ کی تعمیر کر کے حضرت اسمٰعیلؑ کو وہاں چھوڑ گئے تو انھوں نے قبیلہ جرہم کی ایک خاتون سے اپنی شادی کی۔ ان کی اولاد خانہ کعبہ کی مجاور ہونے کی حیثیت سے عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔ لیکن مکہ کی حکومت اور ریاست میں ان کو کوئی دخل نہ تھا۔ سیلاب کے بعد یمن سے جب حارث بن عمر جس کا لقب خزاعہ تھا اپنا قبیلہ لئے ہوئے مکہ میں آیا اور یہاں کے باشندوں کو نکال دیا۔ صرف اسمٰعیلی عربوں میں سے قریش کی اولاد باقی رہ گئی جو منتشر اور مغلوب تھی جب اس خاندان میں قصی بن کلاب پیدا ہوئے تو انھوں نے اپنے منتشر قبیلہ کو متحد کیا اور بنی خزاعہ سے مکہ کی ریاست چھین کر خانہ کعبہ کے دوبارہ متولی ہو گئے۔

یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ قصی بن کلاب نے خانہ کعبہ کی تولیت اس کے متولی ابی غشان خزاعی سے ایک مشک شراب کے عوض حاصل کی تھی۔ چونکہ

کعبہ دینی مرکز تھا اس لئے قصیٰ نے مکہ میں دار الندوہ کی بنیاد ڈالی جس میں جمع ہو کر قریش مشورہ کیا کرتے تھے۔

قصیٰ کو مندرجہ ذیل اشراف نصیب ہوئے:۔

۱۔ دار الندوہ کی صدارت

۲۔ لواء یعنی جنگ کے لئے جھنڈا عطا کرنا

۳۔ سقایہ، یعنی حج کے ایام میں پانی کے حوض بھروانا۔ یہ حوض چمڑے کے بنائے جاتے تھے اور کھجور وغیرہ کوئی میٹھی چیز اس میں ڈال دی جاتی تھی۔

۴۔ تولیت کعبہ، یعنی اس کی حفاظت اور خدمت۔

۵۔ رفادہ، یعنی حاجیوں کی ضیافت کرنا۔

یہ تمام فرائض قصیٰ کے بیٹے عبد مناف والد کی زندگی ہی میں ادا کرتے تھے۔ قصیٰ کی خواہش ہوئی کہ اپنے بیٹے عبد الدار کو بھی اس شرف سے محروم نہ کریں۔ چنانچہ ان کے لئے وہ وصیت کر گئے تھے۔

عبد مناف کے بعد ان کے بیٹوں نے بنی عبد الدار کا ان حقوق میں مقابلہ کیا جس کی وجہ سے قریش کے دو فریق ہو گئے قریب تھا کہ آپس میں جنگ ہو جائے لیکن کعبہ کی خدمات کو تقسیم کر کے مصالحت کر لی۔

تولیت کعبہ۔ لواء۔ اور دار الندوہ بنی عبد الدار کے حصہ میں آئے اور سقایت اور رفادہ بنی عبد مناف کے حصہ میں آئے۔

پھر عبد مناف کے چاروں بیٹوں نے قرعہ اندازی کی اس میں ہاشم کا نام آیا۔ وہی سقایت اور رفادہ کی خدمات انجام دینے لگے۔

کچھ دنوں کے بعد ہاشم کے بھتیجے امیہ بن عبد شمس نے جو کثرت مال اور کثرت

اولاد کی وجہ سے ممتاز تھے ان خدمات کو ان سے لینے کی کوشش کی جس کی وجہ سے دونوں گھروں میں باہمی نزاع پیدا ہو گئی۔

لیکن یہ رقابت اس قسم کی تھی جیسی اکثر بڑے گھرانے میں ہو جایا کرتی ہے۔ آپس میں خانہ جنگی کی نوبت نہیں آئی۔ کیونکہ قریش حرم کے باشندے تھے۔ جو تمام عرب کے نزدیک جان و مال کے لئے امن کا گھر تھا۔ اس میں خونریزی اور قتل و جدال حرام تھا۔

اگر قریش آپس میں لڑتے تو اپنی سیادت کے ساتھ حرم عظمت کو مجروح کرتے اور دوسرے قبائل بھی ان پر حملہ کرنے میں دریغ نہ کرتے۔ اسی وجہ سے وہ دارالندوہ میں اپنے جھگڑوں کو مصالحت کے ساتھ طے کر لیا کرتے تھے۔

اتنی سی بات ہے لیکن رائی کو پہاڑ بنا کر پیش کر دیا گیا ہے بلا وجہ اور بے بنیاد اس قسم کی رنجشوں کو ذہنوں میں ٹھونسا گیا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس بے بنیاد کشمکش ہی پر بنوامیہ پر لعن طعن کی بنیاد بھی قائم کی ہے۔

اس کے علاوہ ان دونوں قبیلوں کی باہمی محبت اور قرابت کی روایات اتنی مضبوط اور متواتر ہیں کہ ان کا انکار ممکن نہیں۔

مورخین لکھتے ہیں کہ حرب بن امیہ اور عبدالمطلب بن ہاشم باہم دوست تھے ان میں بڑی محبت والفت تھی۔ اسی طرح ابوسفیان بن حرب اور عباس بن عبدالمطلب ایک دوسرے کے گہرے دوست تھے۔

یہی حال قرابت داریوں کا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو پھوپھیاں، بیضا بنت عبدالمطلب کریز بن ربیعہ اموی کے عقد میں اور صفیہ بنت عبدالمطلب حارث بن حرب

اموی کے نکاح میں تھیں۔

خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیوں میں تین یعنی زینب رضؓ، رقیہ رضؓ اور ام کلثوم رضؓ امویوں ہی کے حبالۂ عقد میں تھیں۔ یعنی زینب رضؓ حضرت ابوالعاص رضؓ کے عقد میں اور رقیہ رضؓ و کلثوم رضؓ یکے بعد دیگرے حضرت عثمان رضؓ کے عقد میں، چونکہ فاطمہ رضؓ کا عقد حضرت علی رضؓ سے ہو چکا تھا اور حضرت عثمان کی دوسری بیوی بنت رسول اللہ بھی جب وفات پا چکیں تو ایک موقع پر حضور اکرم ؐ نے ارشاد فرمایا۔ کہ اگر میری کوئی اور بیٹی غیر شادی شدہ ہوتی تو میں عثمان رضؓ کو اس کے عقد میں دیدیتا۔

اسی طرح حرب بن امیہ کی بیٹی ام جمیل ابولہب ہاشمی کے نکاح میں۔ عتبہ بن ربیعہ کی لڑکی فاطمہ عقیل رضؓ بن ابی طالب کے عقد میں اور ابی سفیان رضؓ بن حرب کی صاحبزادی ام حبیبہ رضؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں تھیں اور یہ دوستانہ تعلقات اور یہ قرابت داریاں قبل فتح مکہ کے ہیں۔ جسے ان کے رقابت اور دشمنی کا دور کہا جاتا ہے۔

اب رہا فتح مکہ کے بعد کے تعلقات کا حال تو وہ تو بہت ہی درخشاں ہے۔ اس دور میں تو اصحاب رسول اللہ کی آپس میں دشمنی بغض و عداوت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا جبکہ اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے۔

محمد الرسول اللہ والذین معہم اشداء علی الکفار رحماء بینہم ۔

ہاشم کے بڑے صاحبزادے عبدالشمس کے ہونہار بیٹے امیہ نے قریش میں بڑی عزت و حرمت حاصل کی اور ان کے فرزندوں نے بھی سخاوت و مہمان نوازی، شعر گوئی فہم و فراست اور شجاعت و بہادری میں امتیاز حاصل کیا جو سوائے بنی ہاشم

اور کسی قبیلہ کے حصہ میں نہیں آیا۔ مثلاً قریش کے قومی نشان "عقاب" کی علم داری اسی قبیلہ کے لئے مخصوص تھی اور جاہلیت کی تمام لڑائیاں، عکاظ، فجار وغیرہ اسی اموی قبیلہ کی علمبرداری میں لڑی گئیں تھیں۔

امویوں میں انتہا پسندانہ جذبات زیادہ تھے۔ حضورؐ کو جتنی اذیتیں ان سے پہونچیں ان سے کہیں زیادہ راحتیں بھی ان سے ملیں۔ اور اسلام کی جتنی اشاعت امویوں سے ہوئی غالباً دوسرے قبائل سے نہ ہوسکی۔

اور یہ اختراع ہے کہ تمام کے تمام اموی رسول اللہ کے دشمن تھے اور فتح مکہ کے دن جان کے خوف سے ایمان لائے۔ ہم بلا خوف و تردید کہہ سکتے ہیں کہ قدیم الاسلام اور سالقون الاولون مومنین میں غالب اکثریت امویوں ہی کی ہے مثلاً خالد بن سعیدؓ عثمان بن عفانؓ۔ عمرو بن سعیدؓ۔ ابو حذیفہ بن عتبہؓ۔ عبداللہ بن سعیدؓ۔ عمرہ بن حبیبؓ اروی بنت کریزؓ۔ سعدی بنت کریزؓ۔ ام حبیبہ بنت ابو سفیانؓ۔ فارعہ بنت ابی سفیانؓ ہند بنت ولیدؓ۔ فاطمہ بنت ولیدؓ اور ام کلثوم بنت عقبہؓ سالقون الاولون یا مہاجرین حبشہ میں سے ہیں۔

دین کے ساتھ محبت اور نبی صلعم کے ساتھ ان کی عقیدت و جان نثاری کا اندازہ ان کی وفاداری اور فداکاری سے لگایا جاتا ہے۔ میدان جہاد میں خالد بن سعیدؓ۔ عثمان بن عفانؓ۔ عمرو بن سعیدؓ۔ ابو حذیفہ بن عتبہؓ۔ عبداللہ بن سعیدؓ ابان بن سعیدؓ۔ ابو العاص بن ربیعؓ۔ عثمان بن سعیدؓ۔ سعید بن عثمانؓ اور یزید بن ابو سفیانؓ وغیرہم نے کیسے جذبۂ اسلامی اور جذبہ حب نبوی صلعم کا ثبوت دیا ہے اور جانیں قربان کی ہیں۔

صرف کاتبان رسول اور کاتبان وحی خداوندی پر نظر ڈالئے تو وہاں بھی آپ کو عثمان بن عفانؓ اموی۔ خالد بن سعیدؓ اموی۔ معاویہ بن ابی سفیانؓ اموی

عمرو بن سعیدؓ اموی۔ ابان بن سعیدؓ اموی۔ ابو حذیفہ بن عتبہؓ اموی۔ عبداللہ بن سعیدؓ اموی نظر آئیں گے۔ یہ سب کون تھے؟ خاندان اموی کے چشم و چراغ۔

اسی طرح منصب امارت پر بھی امویوں ہی کی تعداد سب سے زیادہ ہے ۳۶۔ عمال نبوی جو ۲۷ قبیلوں پر منقسم ہیں۔ ان میں بنوامیہ کے ۹۔ افراد اس منصب پر فائض ہیں۔

غرضیکہ بنوامیہ ہر جگہ اور ہر مقام پر انتہا پسندانہ جلوہ فرما دکھائی دیتے ہیں اور اس سے ان کے شرف و مرتبہ بزرگی و برتری اور ان کے اخلاق و کردار اوصاف و خصائل کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

باب ششم ۶

مکّہ اور مدینہ کی بے حرمتی

"یزید خلیفۃ المسلمین کا دوسرا کارنامہ جو تاریخ خلافت میں سنہرے حروف سے لکھے جانے کے لائق ہے۔ وہ مکہ اور مدینہ کی بے حرمتی اور تباہی ہے جو امن و سلامتی کے گہوارے سمجھے جاتے تھے۔"

یہ کذب داستان ظفر صاحب نے ایسے انداز میں بیان فرمائی ہے۔ جیسے یہ ظلم وسفاکی، سیاہ کاری اور بربریت واقعی صحیح ہیں۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ہ

کیا ہم آنجناب سے دریافت کرسکتے ہیں کہ آپ نے اس کی تحقیق کی زحمت بھی فرمائی کہ ایک قرن کے مسلمانوں کو بدترین قسم کے ذلیل اور متعفن جرائم کا مرتکب قرار دینے والی یہ ظلم درندگی کی گندی کہانی آپ تک پہونچی کس طرح اور اس کی صداقت کا اثبات تو کجا محض امکان ہی کس حد تک قابل تسلیم ہے۔

تعجب ہے کہ یہ ظلم و درندگی ہوتی رہی، مکہ اور مدینہ کی حرمت خاک میں ملتی رہی اور مکہ مدینہ کے سارے باشندے ۶۳ھ کے آخر میں جبکہ حادثہ کربلا کو تین ہی سال گزرے تھے خاموش رہے۔

یہاں تک کہ حضرت حسینؓ کے اہل خاندان۔ بنی عبدالمطلب و بنی ہاشم سب

ان باغیوں کے مخالف اور خلیفہ یزیدؒ کے طرفدار رہے ۔ اور ان کی بیعت پر قائم رہے چنانچہ حافظ ابن کثیر تحریر فرماتے ہیں :-

"اور علی بن الحسینؒ (زین العابدینؒ) ان لوگوں (باغیوں) سے کنارہ کش رہے ۔ اسی طرح عبداللہ ابن عمرؓ نے خلیفہ یزید کی بیعت نہیں توڑی اور نہ ابن عمرؓ کے گھرانے میں کسی ایک شخص نے اور نہ بنی عبدالمطلب کے ایک فرد نے بھی یزیدؒ کی بیعت سے انحراف کیا"

(البدایہ والنہایہ ج ۸ صفحہ ۲۱۸)

پھر حضرت حسینؓ کے پوتے جناب ابوجعفر الباقرؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ

"ابوجعفر الباقرؒ نے فرمایا کہ جنگ حرہ کے دنوں میں نہ تو ابو طالب کے خاندان کا کوئی شخص خلیفہ یزیدؒ کے خلاف نکلا اور نہ بنی عبدالمطلب بنی ہاشم میں سے کوئی شخص" (البدایہ والنہایہ ج ۸ صفحہ ۲۲۳)

یہاں تک کہ انصاریوں کا سب سے پرانا گھر بنو اشہل کا تھا جنہوں نے سرکاری فوجی دستہ کو اپنے محلہ میں سے گزار کر شہر پر قبضہ کرایا تھا ۔ ان سب خاندانوں کے افراد کی تعداد کئی ہزار نفوس تھی یہ سب اہل مدینہ ہی تو تھے بلکہ اہل مدینہ کے ممتاز اشخاص ۔

صرف حضرت زبیرؓ کے داعیوں میں عبداللہ بن مطیع وغیرہ نے سیاسی مقصد سے تین برس خفیہ پروپیگنڈہ سے شر پسند عوام کی بڑی تعداد کو بغاوت پر ابھارا تھا ۔

یہ وقت تھا جب داعیان حضرت زبیرؓ نے خلیفہ وقت کے خلاف شرب خمر اور ترک صلوٰۃ کے الزامات عائد کئے تھے اور اسی وقت حضرت حسینؓ ہی کے بھائی حضرت علیؓ کے عالم فاضل فرزند حضرت محمد ابن حنفیہؒ نے جو یزیدؒ کے پاس مقیم رہ

چکے تھے اپنی ذاتی معلومات اور تجربہ کی بنا پر ان الزامات کی تردید کی تھی۔
چنانچہ محمد بن حنفیہ نے فرمایا:۔

"میں نے ان میں (یزید میں) وہ باتیں نہیں دیکھیں جو تم لوگ بیان کرتے ہو میں ان کے یہاں گیا ہوں ان کے پاس مقیم رہا ہوں۔ میں نے انہیں نماز کا پابند اور نیک کاموں کا پابند پایا وہ فقہی امور میں مذاکرات کرتے ہیں اور سنت کے پابند ہیں۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ صـ۲۳۳)

اسی طرح حضرت حسین رضؓ کے چچا حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے امیرالمومنین حضرت معاویہ رضؓ کے انتقال کی خبر سن کر اپنی ذاتی معلومات سے یزیدؒ کے بارے میں فرمایا تھا۔

"حضرت معاویہؓ کے فرزند حضرت یزیدؒ اپنے خاندان کے نیکوکاروں میں ہیں۔ تم لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہنا۔ اطاعت کرنا اور بیعت کرنا۔"
ابن کثیر مزید تحریر کرتے ہیں کہ:۔

"یزیدؒ بن معاویہؓ کی مذمت میں جو روایتیں درج کی ہیں وہ سب کی سب موضوع ہیں۔ ان میں سے کوئی بات بھی سچی نہیں"۔

(البدایہ والنہایہ)

ان متعدد روایتوں اور واقعات پر غور کرتے ہوئے یہی کہنا پڑتا ہے کہ خدا دروغ گویوں کو سمجھے۔ بڑی ہی ناپاک اور گھناؤنی داستان ہے جو انھوں نے اہل بیت کی عقیدت کا ڈھونگ رچا کر بنوامیہ کو ذلیل اور رسوا کرنے کی خاطر گھڑی ہے۔ بنوامیہ کی ناک کاٹنے کے اندھے پن میں انھوں نے اس کی بھی پرواہ نہیں کی کہ اسلام کا عسکری تاریخ کا دامن ان افسانہ طرازیوں سے کتنا داغدار ہو جاتا ہے
ظفر صاحب نے یہ تو سپرد قلم کر دیا:۔

"اللہ کا گھر جسے حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہم السلام کے مبارک ہاتھوں

نے تعمیر کیا تھا۔ اور جس کا طواف کر کے اس کی عظمت و بزرگی و برتری رسولؐ نے دنیا پر جتائی تھی تباہ ہوا اور جس کام کو ابرہہ نائب حبشہ ہاتھیوں کی طاقت کے بل بوتے پر بھی نہ کر سکا۔ اس کو خلیفۃ المسلمین (یزیدؒ) نے پورا کر دکھایا۔"

"بایں عقل و دانش بباید گریست"

اب میں ان سے پوچھتا ہوں کہ اللہ کے گھر پر جب نائب حبشہ نے حملہ کا ارادہ کیا اور لشکر جرار لے کر اس کو منہدم کرنے پہونچا تو اللہ نے ابابیل بھیج کر اپنے گھر کو محفوظ کر لیا اور لشکر کو ان چھوٹی چھوٹی کنکریوں سے خاک میں ملا دیا۔

لیکن جب بقول ظفر صاحب یزید کا لشکر اسی خانہ کعبہ کی بے حرمتی کیلئے کمر پر تین روز تک سنگباری کرتا رہا۔ اور ظلم و تشدد سے اہل مکہ کے مسلمانوں پر اپنے حبیب نبی آخر الزمانؐ کے جان نثاروں پر اپنے نبی کے ان غلاموں کو جن سے ترویج اسلام و دین کا کام لینا تھا۔ خاک و خون میں لتھیڑتا رہا تو اللہ کو اپنے گھر کی حفاظت کا خیال کیوں نہیں آیا۔ کیا اس وقت وہ گھر اللہ کا گھر نہ تھا ؟ یا یزیدؒ کو ولی عہدی ملنے کے ساتھ ساتھ خانہ کعبہ کی تولیت و حفاظت کا ذمہ اللہ نے اپنے ذمہ سے ہٹا کر یزیدؒ کے سپرد کر دیا تھا ؟ (العوذ باللہ)

لیکن ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ہاتھی والے حملہ آور نیست و نابود ہوئے اور آخر الذکر لشکر کامیاب و کامراں۔ ایسا کیوں ؟ اس کا کوئی معقول جواب اگر ظفر صاحب کے پاس ہو تو دیں ورنہ ہم بے ادبی معاف ہو۔ اس کی جسارت کریں گے

ظفر صاحب نے کچھ دبی ہوئی زبان میں مکہ اور مدینہ کی بے حرمتی کا افسانہ پیش کیا۔ حالانکہ میں سمجھتا ہوں کہ اس اختصار سے ان کے جذبات دل ہی میں گھٹ کے رہ گئے۔ شائد وہ اس سے بھی بڑھ کر دوسرے افسانہ طرازوں کی

طرح یہ بھی کہہ دیتے کہ عورتوں کی عصمت دری کی گئی۔ معصوم بچوں کو ذبح کیا گیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

مگر سن لیجئے حکومت قائمہ کی اطاعت سے انکار کرنے والے قلیل سے گروہ کی سرکوبی کو اگر جنگ کہا جاسکتا ہے تو چلئے عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف یزیدؔ کا عسکری اقدام جنگ ہی سہی۔ مگر یہ کوئی نئی جنگ نہیں تھی۔ جیسے مسلمانوں نے پہلی بار لڑا ہو اور بھی بہت سی جنگیں لڑی گئی ہیں۔ ملک اور شہر فتح کئے گئے ہیں۔ حکومت کے تختے الٹے گئے ہیں، بغاوتیں دبائی گئی ہیں۔ لیکن تاریخ پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ عورتوں کی عصمت دری کا سیاہ کارنامہ انھوں نے کبھی انجام نہیں دیا۔ بچوں کے خون سے ہاتھ نہیں رنگے گئے۔ ضعیفوں پر ہاتھ نہیں اٹھایا گیا اور یہ سب ہوتا بھی کیسے جبکہ رہبر اعظم متمم اخلاق صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ نصیحتوں کی آوازیں ان کے کانوں میں گونج رہی تھیں۔

یہ وہی زمانہ تو تھا جب کچھ ہی دن ہوئے اسلام کے لشکر کافروں کی مملکت میں فاتحانہ داخل ہوئے تھے لیکن مفتوح قوم کی حسیناؤں اور پری جمالوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔

پھر یہ کیسے قرین قیاس ہو سکتا ہے کہ اسی زمانہ میں صحابہؓ اور تابعینؒ کی سرکردگی میں مخالفین کے خلاف تادیبی کارروائی کرنے والے مسلمان سپاہی اچانک ایسے بے حیا، بدکردار، سفاک درندے بن گئے ہوں کہ عین مدینۃ الرسول میں اللہ کے بندے وسیوں کے حرم پر ہاتھ صاف کریں اور پاک بیبیوں کی عصمتیں لوٹیں۔ بچوں کو ذبح کریں۔ ضعفاء پر تلوار اٹھائیں اور غلاف کعبہ کو نذر آتش کریں۔

ظفر صاحب! یہ جھوٹی داستانیں علی الاعلان شائع کرنے کے بعد کیا

یہ امید رکھتے ہیں کہ کوئی عقل ان خرافات کو تسلیم کرے گی کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ جو تاریخی کہانی صحابہ و تابعین کے منہ پر کالک ملتی ہو۔ جس سے اسلام کی شہرہ آفاق عسکری تقدیس مجروح ہوتی ہو اور جن کی تفصیلات جسم پر کپکپی طاری کر دینے والی ہوں۔ کیا انھیں یوں ہی آمنّا صدّقنا کہہ کر حلق کے نیچے اتار کر دل میں جگہ دیدی جائے گی۔

یہ من گھڑت داستان ہمارے بغلی گھونسے برادران یوسف کے ماخذ سے اخذ کی ہیں یا چالو کتابوں سے لکھی ہیں تو ان کی حقیقت ہی کیا ہے اور تعجب ہے کہ ان پر آپ ایمان بھی لے آئے۔

ظفر صاحب! یہ تو اکاذیب کے دفتر ہیں۔ ان میں وقت ضائع کرنے ایمان خراب کرنے۔ صحیح راستہ سے بھٹک جانے اور غلط راستہ پر گامزن ہونے کے سوا اور کچھ حاصل نہیں۔

معاندانہ جذبہ سے ہٹ کر ذرا اصل ماخذ میں عرق ریزی اور تجسس کی نگاہوں سے دیکھیں تو شاید آپ خود بھی اس گندگی سے ذہن اور دامن کو بچا سکیں گے۔

آخر دنیا کی وہ کونسی حکومت ہے جو ایسے شہریوں کو معافی کا پروانہ دے دے۔ جو حکومت وقت کی اطاعت سے انحراف کرتے ہوئے اپنی الگ حکومت قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ یزیدؒ نے تو پھر بھی بڑے تحمل سے کام لیا اور پرامن بات چیت سے معاملات طے کرنے کی کوشش کی۔

اس سلسلہ میں یزید نے عامل مدینے ولیدؒ کو حکم دیا کہ حسینؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ سے بیعت لی جائے۔ چنانچہ حضرت حسینؓ اور ابن زبیرؓ کو بلایا گیا تو جانے سے پہلے ابن زبیرؓ نے حسینؓ سے پوچھا۔ آپ کا کیا خیال ہے

ولید نے کیوں بلایا ہے۔

حسینؓ نے کہا کہ مجھے یہ گمان ہوتا ہے کہ ہم سے بیعت لینا چاہتا ہے،
ابن زبیر نے کہا میرا بھی یہی خیال ہے۔ آپ کا کیا ارادہ ہے؟ آپ کیا کریں گے؟

حضرت حسینؓ نے فرمایا میں اپنے جوانوں کو اسی وقت جمع کرتا ہوں اور ان کو ہمراہ لے کر ولید کے مکان پر جاتا ہوں ان سب کو باہر بٹھا کر اندر جاؤں گا

جناب حسینؓ اُٹھے اپنے اصحاب اور اہل بیت کو جمع کر کے ولید کے دروازہ پر آئے اور ہمراہیوں سے کہا میں اندر جاتا ہوں اگر میں تم کو بلاؤں یا تم سنو کہ میری آواز بلند ہے تو تم سب کے سب اندر داخل ہو جانا۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو جبتک میں باہر نہ آجاؤں یہاں سے نہ سرکنا یہ کہہ کر اندر داخل ہوئے مروان اس وقت ولید کے پاس بیٹھا تھے۔ حضرت حسینؓ نے کہا اتفاق نفاق سے اور صلح فساد سے بہتر ہے یہ کہہ کر وہ بیٹھ گئے۔

ولید نے حضرت امیر معاویہؓ کے انتقال کی خبر سنائی اور یزیدؓ کی بیعت کے لئے کہا۔

حضرت حسینؓ نے فرمایا:۔ مجھ جیسا آدمی اس طرح خفیہ بیعت نہیں کرتا اور نہ مجھے خفیہ پاداش عمل کی دعوت دی جاسکتی ہے اگر آپ باہر نکل کر لوگوں کے پاس جائیں اور ان کو اور ہمکو ساتھ بیعت کی دعوت دیں تو یہ امر بالکل ایک سا ہوگا۔

ولید نے کہا، اچھا آپ تشریف لیجائیں ۔ اس پر مروان نے کہا ابھی بیعت کے لئے اس سے بہتر ابد تک کوئی موقعہ نہ ملے گا۔ لیکن ولید نے جو امن و عافیت کا دلدادہ تھے کہا " خدا کی قسم مجھے یہ خواہش نہیں کہ دنیا کے تمام مال و متاع اور اس کے مالک اور دولت پر جس پر آفتاب طلوع و غروب ہوتا ہے۔ میں ہی

قابض ہوجاؤں، میں نہیں چاہتا کہ حسینؓ کو صرف اسوجہ سے قتل کروں کہ وہ کہتے ہیں کہ میں بیعت نہیں کرتا۔

یہ تھا جواب امیرالمومنین یزیدؒ کے امیر ولید کا۔

دوسری طرف ابن زبیر یہ وعدہ کرکے کہ میں ابھی آتا ہوں چھپ کے بیٹھ گئے۔ ولید نے طلب کے لئے آدمی بھیجا۔ ابن زبیرؓ نے کہا کہ ذرا مجھے کسی کو بھیجکر امیر سے رائے لینے دو۔ چنانچہ ابن زبیرؓ نے اپنے بھائی جعفر ابن زبیرؓ کو ولید کے پاس روانہ کیا۔ انھوں نے ولید سے کہا کہ انشاء اللہ وہ کل آپ کے پاس حاضر ہوجائیں گے۔ لہٰذا آپ قاصدوں کو حکم دیں کہ وہ واپس چلے آئیں چنانچہ ولید نے قاصدوں کو بلالیا۔ لیکن رات ہی رات وہ اور ان کے بھائی مقام فرع کی طرف روانہ ہوگئے اور وہاں سے اس سے قبل جناب حسینؓ بھی جو ابن زبیرؓ سے پہلے وہاں پہونچ چکے تھے اپنے اہل بیت کو لے کر رات ہی رات مکہ روانہ ہوچکے تھے۔ راستہ میں ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ ملے ان دونوں سے دونوں نے دریافت کیا کیا خبر ہے۔ کہا۔ معاویہؓ کی موت اور یزیدؒ کی بیعت۔

ابن عمرؓ نے کہا کہ دیکھو مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ مت ڈالو! غرضیکہ یہ دونوں ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ پہونچ گئے اور جاکر امیرالمومنین یزیدؒ کی بیعت کرلی مکہ پہونچ کر ابن زبیرؓ نے خفیہ خفیہ اہل حجاز کو اپنے حق میں اپنے داعیوں کے ذریعہ ہموار کرنے کا کام شروع کیا۔ یہاں تک کہ ابن زبیرؓ نے ابن عباسؓ اور ابن حنفیہ کو خفیہ خط لکھا کہ وہ دونوں ان سے بیعت کریں۔ لیکن دونوں نے بیعت سے انکار کیا اور کہا تم خود اس وقت فتنہ میں مبتلا ہو۔ اس سے بات بڑھ گئی۔

ابن زبیر نے ناراض ہوکر ابن حنفیہ کو زمزم میں قید کردیا اور ابن عباسؓ پر ان ہی کے گھر میں سختیاں کیں اور دونوں کو جلا کر مار ڈالنے کی دھمکی دی اور

ارادہ کرلیا۔

ابن حنفیہ پر جب سختیاں بڑھیں تو ان کے ساتھیوں نے اجازت طلب کی کہ ابن زبیرؓ سے جنگ کی جائے۔ لیکن انھوں نے اجازت نہیں دی، اور دعا مانگی کہ "یا اللہ، ابن زبیر کو ذلت و خوف کا لباس پہنا اس پر اور اس کی جماعت پر جو اوروں کو ذلیل کرتی ہے کسی ایسے شخص کو مسلط فرما جو ان کو ذلیل و خوار کرے

ابن اثیر ج ۴ ص ۲۹۱

جب مختار کو معلوم ہوا کہ ابن حنفیہ قید میں ہیں تو اس نے ابو عبداللہ الجدلی کو ۷۰ سپاہیوں کے ساتھ اور ظبیان بن عمارہ کو ۴۰۰ سو آدمیوں کے ساتھ روانہ کیا۔ اول الذکر کو چار لاکھ درہم ابن حنفیہ کو دینے کے لئے دیئے۔ عبداللہ ان کو لے کر چلا اور مسجد حرام میں داخل ہوگیا۔ ان کی مجموعی تعداد ڈیڑھ سو تھی ہوتے ہوتے وہ زمزم پہونچے جہاں ابن زبیرؓ نے ان کو جلا کر خاک سیاہ کر دینے کیلئے لکڑیاں جمع کر رکھی تھیں، اس وقت ان کی قرار دادہ مدت میں صرف دو دن باقی رہ گئے تھے۔

مختار کے آدمی دروازہ توڑ کر ابن حنفیہ کے پاس گئے اور کہا آپ ہمیں اور خدا کے دشمن ابن زبیر کو آپس میں سمجھ لینے دیں۔ ابن حنفیہ نے جواب دیا کہ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ مسجد حرام میں جدال و قتال ہو، اس پر لوگوں نے "تلواروں کے بجائے وہی لکڑیاں ہاتھ میں لے لیں تاکہ بے حرمتی نہ ہو۔

(ابن اثیر ج ۴ ص ۲۸۹)

ع یہ مختار وہی شخص ہے جس نے اہل بیت کی بار بار یورشوں اور بغاوتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کوفہ میں حضرت حسینؓ کے خون کے مطالبہ کا بہانہ کھڑا کیا اور مشہور کیا کہ محمد بن حنفیہ امام مہدی ہیں انہوں نے مجھ کو اس کام کیلئے مامور فرمایا ہے (باقی صفحہ ۹۲ پر)

جب عبداللہ بن زبیرؓ کی سختیاں حد سے بڑھیں تو یزید کی طرف سے پہلی جماعت جو عبداللہ ابن زبیرؓ کی طرف روانہ کی اس کا امیر بھی ان کے بھائی عمرو ابن زبیر ہی کو بنایا۔ عمرو بن زبیر تقریباً دو ہزار آدمی لے کر روانہ ہوئے اور

(بقیہ صد ۹۱ سے آگے) یہی پہلا موقع تھا کہ امام مہدی کا لقب وجود میں آیا۔ مختار چاہتا تھا کہ ابراہیم بن اشتر کو بھی جو شجاع اور نامور رئیس تھا۔ اپنے ساتھ متفق کرلے۔ ابراہیم نے یہ شرط رکھی کہ اگر مجھے اپنی جماعت کا سردار بناؤ تو میں تیار ہوں ورنہ نہیں۔ تین دن کے بعد مختار خود اس کے پاس گیا اور امام مہدی یعنی محمدؐ بن حنفیہ کا جعلی خط دکھلا کر کہ میں مختار کو قصاص حسینؓ کے لئے نامزد کرتا ہوں تم اس کی مطابعت کرو۔ ابراہیم کے گرد ایسا جال بچھایا کہ وہ دھوکے میں آگیا اور اس کی اطاعت قبول کرکے ۶۶ھ میں دونوں کی فوجیں کوفہ پر حملہ آور ہوئیں اور عبداللہ بن مطیع کو جو عبداللہ بن زبیرؓ کی طرف سے کوفہ کے والی تھے نکال کر قبضہ کرلیا۔ لوگوں سے زبردستی بیعت لی گئی۔

ابن زبیرؓ کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو شبہ میں محمدؐ بن حنفیہ کو قید کردیا اور مختار کی سرکوبی کے لئے اپنے بھائی مصعب کو فوج دیکر کوفہ روانہ کیا۔ مقام مدار پر مختار نے مقابلہ کیا اور شکست کھا کر معہ اپنے ساتھیوں کے قتل کیا گیا اس کی بیوی عمرہ کو بھی جو نعمان بن بشیرؓ کی بیٹی تھی اس کو بھی تبرا نہ کرنے پر قتل کرڈالا اس کے بعد سارا عراق ابن زبیر کے قبضہ میں آگیا۔ انہی عراقیوں نے یہاں بھی اپنی وفاداری کا یہ ثبوت دیا کہ خفیہ طور پر عبدالملک کو عراق پر فوج کشی کیلئے خطوط روانہ کئے چنانچہ فوج کشی ہوئی اور اہل عراق مصعب کا ساتھ چھوڑ کر میدان سے ہٹ گئے مصعب کو شکست ہوئی اور قتل ہوئے۔

یہاں پر ایک تاریخی حقیقت یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس قصر میں ابن زیاد کے سامنے حضرت حسینؓ کا سر کٹ کر آیا۔ اسی قصر میں ابن زیاد کا سر مختار کے سامنے آیا، اور مختار کا سر مصعب کے اور مصعب کا سر عبدالملک کے سامنے آیا اور یہ سارے انقلابات ۶۱ھ سے ۷۱ھ تک یعنی دس سال میں واقع ہوئے عبدالملک نے اس قصر کو منحوس سمجھ کر منہدم کرادیا۔ (واللہ عالم)

البلح کے مقام پر اترے، عمرو نے اپنے بھائی ابن زبیرؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ تم چلے آؤ اور لوگوں کو آپس میں مت لڑاؤ، کیونکہ تم بلاد الحرام میں ہو۔ اس پر عبداللہ ابن زبیرؓ نے عبداللہ ابن صفوان کو یزید کے دوسرے لشکر کی طرف جس کی کمان انیس کر رہے تھے روانہ کیا۔ ابن صفوان نے انیس کو ذی طویٰ کے مقام پر شکست دی اور ان کے مجروحین پر گھوڑے دوڑا کر کچل ڈالا اور انیس ابن عمرو کو قتل کر ڈالا۔ دوسری طرف مصعب بن عبدالرحمٰن نے عمرو بن زبیر پر حملہ کیا۔ عمرو لوگوں سے جدا ہو کر ابن علقمہ کے مکان پر داخل ہو گئے۔ مگر بعد میں ان کے بھائی عبدہ نے ان کو پناہ دی۔ لیکن عبداللہ ابن زبیرؓ نے اپنے بھائی کی پناہ کو قبول نہیں کیا اور گرفتار کر لیا۔ یہاں تک کہ مار مار کر ہلاک کر ڈالا اسی پر بس نہیں کی بلکہ لاشے کو سولی پر لٹکا دیا گیا۔

یزیدؒ نے اس پر بھی کوئی دھاوا نہیں بولا بلکہ نرمی کے ساتھ اصلاح کی کوشش کی اور جب عبداللہ بن زبیرؓ نئے عامل سے گلو خلاصی کی غرض سے یزید کو مراسلہ روانہ کیا جس میں بیان تھا کہ

"آپ نے کس بیوقوف شخص کو ہمارے یہاں عامل بنا کر بھیجا ہے جو کسی عقل کی بات پر توجہ نہیں کرتا کسی عاقل کے سمجھانے سے باز نہیں آتا اگر کسی خوش اخلاق تواضع پسند شخص کو ہمارے یہاں بھیجتے تو امید تھی کہ بہت سی دشواریاں آسان ہو جاتیں اور تفرقہ اٹھ جاتا اس معاملہ میں غور کیجئے اسی میں خدا نے چاہا عام و خاص کی بہتری ہے۔"

(طبری ج ۲ ص ۲)

یزیدؒ اس چال کو نہ سمجھ سکے اور ولید بن عقبہ جیسے آزمودہ کار عامل کو برطرف کر کے ناآزمودہ کار نوجوان عثمان بن محمد بن ابوسفیانؓ کا تقرر کر دیا۔ ان کی

غفلت اور ڈھیل کیوجہ سے عبداللہ بن زبیرؓ نے چاروں طرف اپنے آدمی پھیلا دیئے۔ طائف میں حکومت کے وفادار عہدیدار معہ اپنے پچاس ساتھیوں کے قلعہ بند ہو گئے تھے ابن زبیر نے ان سب کو پکڑوا لیا اور ٹھیک حرم میں لاکر ذبح کر دیا۔

"اس واقعہ پر ابن عباسؓ نے فرمایا تھا کہ اگر میں اپنے والد کے قاتل کو بھی حرم کے اندر پا جاتا تو اس کو وہاں قتل نہ کرتا۔"

اس المناک صورت حال میں کوئی بتائے کہ دنیا اور دین کا کونسا ایسا قانون ہے جو یہ حکم دیتا ہو کہ حاکم وقت ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے اور باغیوں کی اس لئے سرکوبی نہ کرے کہ وہ حرم شریف میں تشریف فرما ہیں اور باغی حرم کی مقدس سرزمین کو جہاں مکھی اور مچھر تک کا مارنا حرام ہے خود اپنی تلواروں سے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیل کر لالہ زار بناتے رہیں۔

پھر بھی یزیدؒ نے اندھا دھند چڑھائی نہیں کی بلکہ جب باغیوں نے کسی طرح اطاعت نہیں کی تو اس وقت بھی جو فوج روانہ کی اسے یہ حکم نہیں دیا کہ بڑھو اور کچل دو۔ بلکہ اتمام حجت کی تعلیم دی۔ یعنی باغیوں کو تین دن کی مہلت دو، باز آجائیں تو لڑائی مت کرنا نہ مانیں تو بے شک غلبہ پانے کی کوشش کرو۔

اسی افہام و تفہیم کی غرض سے جب مکہ کے واقعات کا اثر مدینہ کے شورش پسندوں پر پڑا تو صحابہ کرام نے ایک وفد مدینہ اور مکہ ابن زبیرؓ اور ان کی جماعت کو سمجھانے کے لئے روانہ کیا۔ اس وفد میں نعمان بن بشیر انصاریؓ تھے جو بلوائیان مدینہ کے ایک قائد عبداللہ بن حنظلہ کے قریبی عزیز بھی تھے، نیز حضرت مالک بن حمزۃ الہمدانیؓ۔ حضرت عبداللہ بن سعدۃ الفزاریؓ حضرت ضحاک بن قیسؓ، حضرت عبداللہ بن عصام الاشعریؓ اور حضرت حصینؓ تھے

ان صحابہ کے علاوہ تابعین بھی شامل تھے۔

ان حالات میں انصاف فرمائیے کہ ان واقعات کی زد یزید پر پڑتی ہے یا ان لوگوں پر جنہوں نے اقتدار وقت سے کھلی سرکشی کی اور اپنی غیر آئینی سرگرمیوں کیلئے مکہ اور مدینہ کو پناہ گاہ بنایا۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ

عبداللہ ابن زبیرؓ کے خروج کی وجہ سے استحلال مکہ کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ یہ تو ایک گروہ کا شروع سے یہی مقصد رہا ہے کہ وہ اہل بیت کا نعرہ لگا کر تمام کے تمام صحابہ کو دنیا پرست اور ظالم اور غاصب قرار دے، اور وہ اپنے اس فریب پر بہت خوش ہے کہ ایک ایسی فوج کے متعلق جو یزیدؒ نے بجا طور پر باغیوں کی تادیب کے لئے روانہ کی تھی اپنے تاثرات میں کامیاب ہے۔ حالانکہ وہ سراسر غنڈوں اور لفنگوں کی ایک ٹولی تھی جس سے اسلام چھوکر بھی نہیں گزرا اور جن قرن سعد مبارک کے مسلمانوں کے اخلاق و عادات طیبہ کا سایہ تک نہیں پڑا، اور وہ گروہ سبائیوں کا تھا جس کا سرغنہ عبداللہ ابن سبا یہودی تھا جو منافقانہ اسلام لے آیا تھا اور در پردہ شیرازۂ اسلام کو بکھیرنا اس کے تبلیغی مشن کا مقصد اول تھا۔ جس کے خود ساختہ عقائد کی ترویج نے کہیں پر "علی وصی رسول اللہ" کا زہر ملا ہوا شہد لوگوں کے حلق کے نیچے اتارا۔ کہیں پر باغ فدک کی میراث کو رسول صلعم کے ارشاد کے خلاف صرف بی بی فاطمہؓ کو وارث قرار دیا، اور کہیں اپنی تبلیغ میں شروع سے خلافت کی مسند نشینی کو ناجائز قرار دیتے ہوئے خلافت صدیقی و عمرؓ۔ عثمانؓ کو کالعدم قرار دیا۔ جس کے عقیدۂ خود ساختہ میں صرف خلافت حضرت علیؓ کا حق ہے۔ جس نے معاندہ قرطاس کی وہ دھجیاں بکھیریں، جس کی اہمیت عقیدتاً حضرت علیؓ کے نزدیک گوز شتر

سے زیادہ نہ تھی، جس کی وہ خود بھی علالت رسول کے وقت حضورؐ کی طلبی پر قلم و دوات کاغذ نہ پیش کر سکے حالانکہ منفعت انہی کی تھی،

یہ وہ گروہ ہے جس نے حضرت علیؑ کو معصوم اور ان کی اولاد کو معصوم، بی بی فاطمہؓ معصوم حتیٰ کہ بارہ امام معصوم بنا دیئے گئے اور ایسے معصوم جیسے نبی بلکہ اماموں کا مرتبہ نبی سے افضل گردانا گیا، بعد میں اس فرقہ کو امامیہ اثنا عشری اور شیعہ سے تعبیر کیا گیا۔

تمام ممالک مقبوضہ اسلامیہ میں اس کا مشن کام کر رہا تھا۔ جہاں کے لوگ دائرہ اسلام میں نو وارد تھے جن کی تعلیم تھی نہ اسلامی تربیت اور اسی عبداللہ بن سبا یہودی کی ذریت اسی کے خود ساختہ عقائد کا راگ ابتک الاپ رہی ہے اس راگ راگنی کے اثر نے بعض نادان سنیوں کو بھی ایسا مسحور کر دیا کہ برہنہ ہو کر انہی کے ساتھ ناچ کود رہے ہیں اور یہ احساس تک نہیں کہ ہم برہنہ ہیں بلکہ اپنی اس بے حیائی کو باعث شرم نہیں قابل فخر سمجھتے ہیں۔

اگر کوئی برہنہ اپنی برہنگی کو برہنگی نہ سمجھے تو کیا واقعی وہ برہنہ نہ کہا جائے گا یا اس کی عقل پر ماتم نہ کیا جائے گا اور دنیا اس کو برہنہ نہ کہے گی۔ سبائیت اور شیعت کے رنگ میں دل و دماغ کے رنگنے والو سنیو! سن لو یہ رنگ تمہارا نہیں یہ رنگ جس کا ہے اسی کو مبارک ہو۔ اگر شیعت کے رنگ کی ایک چھینٹ بھی تمہارے دامن میں پڑ گئی تو تمہارا دامن بدنما اور داغدار ہو جائے گا۔ اور اگر تم اس کے رنگ میں رنگ گئے تو سنی دنیا تم کو شیعہ کہے گی تم لاکھ اپنے کو سنی۔ ندوی۔ دیوبندی۔ فاروقی۔ صدیقی۔ عثمانی۔ علوی کہو مگر محشور ہوگے اسی کے ساتھ جس کے رنگ میں تم رنگے ہوئے ہو۔ (من تشبہ بقوم فھو منھم)

جو فوج مدینہ روانہ کی گئی اس کے کمانڈر رسول اللہ صلعم کے عمر رسیدہ صحابی مسلم بن عقبہ تھے جن کی عمر ۹۳ سال تھی۔ ان کے علاوہ جو دوسرے افسران ایک ایک ہزار کی کمان ان کے زیر قیادت کر رہے تھے۔ وہ بھی چاروں صحابی ہیں۔

(۱) حضرت عبداللہ بن سعدۃ الفزاری مجاہدین دمشق کے کمانڈر

(۲) حضرت حصین بن نمیر السکونی مجاہدین حمص کے کمانڈر

(۳) حضرت روح بن زنباع اہل فلسطین کے کمانڈر

(۴) حضرت عبداللہ بن عصام الاشعری اہل اردن کے کمانڈر

ان صحابی افسران کی فوج کے ساتھ تابعین مجاہدین بھی تھے اور ان میں اکثریت ان کی تھی جو اسلام کی سربلندی کے لئے کفار سے نبرد آزما رہے تھے۔ ان کے کردار ایسے مثالی تھے کہ ایک واقعہ بھی ان کی بے راہ روی کا اوراق تاریخ میں ڈھونڈے سے نہیں مل سکتا۔

جب یزیدی لشکر امیر مسلم کی سرکردگی میں مدینہ پہونچا اور تین دن ہو گئے تو امیر مسلم نے باغیوں کو مخاطب کرکے فرمایا۔

تمہارا خون بہانا امیر المومنین پسند نہیں کرتے وہ شروع سے تمہارے ساتھ محبت سے پیش آتے رہے ہیں کیونکہ تم ان کی اصل ہو۔ لیس تم خدا کا خوف کرو اور اپنی جانوں کی خیر مناؤ۔"

اس پر باغیوں نے گالیاں دیں اور یزید پر بھی سب وشتم کیا اور کہا ہم لڑیں گے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے پتھروں اور تیروں کی بوچھار فوجی دستہ پر شروع کردی۔ مجبوراً جوابی حملہ کا حکم دیا گیا۔ تھوڑی دیر لڑائی ہوتی رہی اور باغیوں کے سرغنہ عبداللہ بن حنظلہ مارے گئے اور انصاریوں کے مقتدر خاندان بنو حارثہ (بنو عبدالاشہل) نے اپنے محلہ سے سرکاری فوج کو شہر میں

داخل ہو جانے کے لئے راستہ دیدیا۔

یہ حال دیکھ کر بغاوت کے بڑے سرغنہ ابن مطیع مدینے سے بھاگ کر ابن زبیرؓ کے پاس مکہ بھاگ گئے تین چار گھنٹوں میں بغاوت کا خاتمہ ہوگیا۔

ظلم وستم اور اہل مدینہ کی بے عزتی کا جو نقشہ لوگوں نے کھینچا ہے وہ حد درجہ قابل مذمت ہے۔ یہ وہی غازیان ومجاہدین اسلام کے بھائی بند تھے جنہوں نے اعلائے کلمۃ اللہ کی غرض سے یورپ والیشیا اور افریقہ تینوں براعظموں کو روند ڈالا تھا۔ یہاں میں ان سفاک حضرات کے ذہنوں کا ماتم کروں گا۔ جنہوں نے صحابہ وتابعین کی محترم خواتین، مدینہ کی پاکیزگی عزت وحرمت۔ غیرت وحمیت کو مجروح کرنے کے لئے سفیہانہ حرکت کی ہے وہ اپنی بے غیرتی کے جامہ سے ذرا باہر آکر اپنی اس بکواس کا جائزہ لیں۔

کیا یہ خواتین ان ماؤں کی بیٹیاں، ان دادی نانی کی پوتیاں نواسیاں نہیں تھیں جنہوں نے عہد رسالت اور اس کے بعد کے غزوات میں موجود رہ کر بعض کفار کو اپنے ہاتھوں واصل جہنم کیا تھا؟ ان ہی خواتین کے چچا، شوہر اور بھائی ہی تو تھے جن کے سرفروشانہ حملوں کے خوف سے ایران وروم کی سلطنتیں لرزاں رہتی تھیں۔ ان کے گھروں میں سب ہی قسم کے ہتھیار ہوں گے۔ پھر کس کی مجال تھی کہ ان کے پاک جسموں کو چھونا درکنار بری نظر سے بھی دیکھ سکے اور ایسے وقت میں جب اس فوج کے کمانڈر تمام کے تمام صحابہ ہوں۔ گویا آپ نے ایسا کر کے اور شرمناک الزام لگا کر شیعی مذہب کی اتباع کرتے ہوئے ان پر تبرا کر کے ثواب دارین حاصل کیا اور اگر آپ واقعی سنی اور ندوی فاروقی ہیں تو دنیا آخرت میں منھ کالا کیا۔

کعبہ کس منھ سے جاؤ گے غالبؔ　　شرم تم کو مگر نہیں آتی

آپ جانتے ہیں کہ سپاہی جو کچھ بھی کرتے ہیں نیک نامی یا بدنامی کا سہرا کمانڈر ہی کے سر بندھتا ہے۔ بربریت کی فرقہ وارانہ کہانی کا تو حاصل یہ ہوا کہ بچوں کے قتل اور وحشیانہ انتقام کا سہرا صحابیوں کے سر گیا۔ کیونکہ صحابہ ہی کی سرکردگی میں یہ کھیل کھیلے گئے جس پر آپ نے یقین کر لیا ہے۔

آپ کا یا جس کا بھی جی چاہے مدحت حسینؓ اور اہلبیت کی خاطر یہ سب کچھ دل و جان سے قبول کرے ہمیں اللہ اس تبرا بازی اور تبرائیوں سے دور رکھے آمین،

مدحت حسینؓ اور اہل بیت ہمارا ایمان، مگر یہ کہاں کی مدحت ہے کہ غیر اہلبیت قابل مذمت ٹھہرائے جائیں، ان پر لعنت اور تبرا بازی کی جائے یہ منطق اہل سنت والجماعت کی منطق نہیں ہے یہ منطق بھی گمراہ فرقہ کی ہے جس کی زد میں محمدؐ، علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ، حسینؓ کے علاوہ سارے غیر اہلبیت صحابہ آجاتے ہیں۔ حالانکہ شیعوں کے اہلبیت اور سنیوں کے اہلبیت میں بھی فرق ما بہ الامتیاز ہے۔

۱۔ اس گمراہ فرقہ کے محمدؐ وہ ہیں جن پر جبرائیل غلطی سے وحی لے آئے اللہ نے حکم دیا تھا علی کیلئے،

۲۔ اس گمراہ فرقہ کے علی وہ ہیں کہ جنگ صفین میں ایک موقع پر علی نے جنگ کا حکم دیا اس پر شیعان علی نے جنگ سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ اگر جنگ کی تو ہم تمہارا وہی حشر کریں گے جو عثمان کا کیا ہے۔

۳۔ اس گمراہ فرقہ کے حسن وہ ہیں کہ حسن کا حضرت معاویہ سے صلح کر لینا اور ان کی بیعت کر لینا شیعان علی کو ایک آنکھ نہ بھایا۔

۴۔ اس گمراہ فرقہ کے حسین وہ ہیں کہ ۳ لاکھ شیعان علی نے کوفے سے خط

بھیج بھیج کر اپنی بیعت اور جان نثاری کا اظہار کیا اور حکومت یزید کے خلاف جنگ کرنے میں اپنی سرفروشی کا اظہار کیا مگر ہوا کیا۔ حضرت مسلمؓ شہید کئے گئے اور تین لاکھ میں سے تین نے بھی مقابلہ کی ہمت نہ کی حتیٰ کہ اس کی خبر حضرت حسینؓ تک نہ پہونچائی تاکہ وہ رک جاتے یا کوئی معقول انتظام کے ساتھ کوفہ جاتے اور جب حسینؓ کوفہ پہونچے اور فوج یزید نے ان کا محاصرہ کیا تو وہی شیعان علی فدائیان حسینؓ حسینؓ کے مقابلہ میں تلواریں تانے کھڑے تھے۔

حسینؓ نے اپنے مکار اور دھوکے باز باپ کے فدائیوں کو للکارا۔ کیا تم نے مجھے خطوط نہیں بھیجے۔ کیا تم نے مجھکو اپنی بیعت کے لئے مدینہ سے یہاں نہیں بلوایا۔ کیا تم میرے والد کے شیعہ نہیں ہو۔ کیا میں علی کا بیٹا نہیں ہوں۔ کیا میں فاطمہ کا لال نہیں ہوں کیا میں محمدؐ صلعم کا نواسہ نہیں ہوں کیا تم نے میری وفاداری کا خطوط میں عہد نہیں کیا تھا۔ بولو خدا کے لئے بولو۔

ان تمام باتوں کا جواب ان شیعان علی کی زبان سے سنئے اور ماتم کیجئے۔ وہ بدنہاد شیعان علی کا صرف ایک جواب تھا وہ یہ

"ہاں حسین جو کچھ تم نے کہا یہ سب درست۔ مگر تلواریں یزید کے ساتھ ہیں اور دل ہمارے ساتھ۔"

(دیکھا آپ نے ان بدنہاد شیعان علی کو)

۵۔ اس گمراہ فرقہ کی فاطمہؓ وہ فاطمہؓ ہیں جو اپنے باپ صلعم کی اکلوتی بیٹی ہیں۔ سوا فاطمہ کے اور کوئی اولاد نبی کی نہیں اسی لئے تو عورتوں میں صرف فاطمہ اہل بیت میں شامل کی گئی ہیں، ورنہ حضور کی اور تین بڑی بیٹیاں، فاطمہ کی تین بہنیں اور بھی تھیں جو اہل بیت میں شامل ہوتیں۔ ہائے افسوس کتنا بڑا محمد صلعم پر ناپاک تبرا اور حربہ ہے کہ حضور کی اور تین بیٹیاں ہی آپ کی

نسل سے ختم کر دی گئیں اور اب زینب رضؓ. کلثوم رضؓ، رقیہ رضؓ، کے باپ کو ڈھونڈنے پھر سے کہیں پتہ نہیں۔ اللہ ان کو ہدایت دے۔

صدیقؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ۔ معاویہ تو ان کے تبرا کے تیروں کے نشانہ بنے ہی تھے، سرتاجِ دوعالم، فخرِ موجودات۔ رسول ختم زماں، حضرت محمد مصطفےٰ صلعم پر بھی تبرا بازی سے نہ چوکے۔ شعر

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

اس گمراہ فرقہ کا دعویٰ اہلبیت ملاحظہ فرمایا اور اہلبیت کے خلاف جو زہر ان کے سینوں میں بھرا ہے وہ بھی آپ کے سامنے ہے پھر بھی جاہل سُنّی جو شعیت کی آب وہوا میں پلے اودھ کے شیعوں نوابوں سے جاگیریں ملیں۔ اسی گوشت پوست بنا رگ وریشے میں شعیت کا خون دوڑ رہا ہے اور طرفہ یہ کہ علم سے کورے مزید براں جو احباب ملے وہ بھی اہل سُنّت والجماعت کے عقیدوں اور قرآن وحدیث اور تاریخ میں صفر ملے۔ شیعت زدہ اور حسینؑ حسینؑ امام حسینؑ کہنے والے حضرات ملے تو بھلا ایسوں کی صحبت میں ظاہر ہے کہ اسی طرف دوڑیں گے اور دوڑے چلے جا رہے ہیں، اور بے حیائی کا عالم یہ ہے کہ تال ٹھونک ٹھونک کر تبرا بازی پر فخر کرتے ہیں۔ اللہ انہیں ہدایت دے۔

ہم پوچھنا چاہتے ہیں آخر کس دلیل کے پیش نظر یزید مدینہ یا مکہ پر فوج کشی کرنے میں خطاوار تھا۔ اطاعت سے گریز کرنے والوں کو خطاوار کیوں نہیں ٹھہرایا جاتا جنہوں نے اس کی فوج کشی سے قبل ہی حرم میں لوگوں کی گردنیں ماری تھیں۔ اور سرکاری افسروں کو ہلاک کیا تھا۔ حرم نبویؐ کو اپنے غلط اقدام سے شہر کی اکثریت کی رائے کے خلاف مورچہ

بنایا، اور یوں اس حرمت کو پارہ پارہ کیا جو رسول اکرمؐ نے قائم کی تھی اور اسی لئے حضرت ابن عمرؓ نے اس بغاوت کو خدا و رسول سے ایسی بڑی غداری قرار دیا تھا کہ اس سے بڑی غداری ان کی نگاہ میں نہ تھی۔

جن لوگوں نے حرم کو اپنی سیاست کا مرکز اور فوجی مورچہ بنایا ان سب کے لئے ناکامی نامرادی اور شکست مقدر ہو گئی۔ لیکن ان باغیوں اور سرکشوں کی سرکوبی کے لئے جب امام وقت نے فوجیں بھیجیں تو ہمیشہ کامیاب و کامران ہوئیں۔

رہا کعبہ پر سنگباری کا واقعہ تو ظفر کے نزدیک قابل قبول ہو تو ہو ورنہ اہل تحقیق تو اس کے خلاف ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ سنگباری دوسری دفعہ کے محاصرہ میں ہوئی تھی، جو یزید کے انتقال کے کئی سال بعد کی بات ہے۔ نہ کہ پہلی مرتبہ۔

اور پھر ابن زبیرؓ کا معاملہ کوئی حریف حکمران کا تو تھا نہیں جس کی سرکوبی کے لئے باقاعدہ فوج کشی کی ضرورت ہوتی وہاں تو ایک شورش کو دبانا تھا۔ چنانچہ معمولی ساز و سامان کے ساتھ فوج روانہ کر دی گئی اور فتنہ دبا دیا گیا نہ کہ منجنیق اور کثیر سامان حرب کے ساتھ، چنانچہ حضرت حصینؒ بن نمیر نے مکہ کا محض حصار کیا تھا اور یہ توقع تھی کہ اہل شہر کو مغلوب کرنے کے لئے اتنی ہی کارروائی کافی ہے، اس عرصہ میں یزید کی رحلت کی خبر آگئی اور حصار اٹھا لیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ظفر صاحب نے یہاں کعبہ پر سنگباری کا واقعہ ذکر کر کے اپنی اس عداوت اور بغض کا اظہار کیا ہے جو انہیں اموی خلفاء اور یزید سے ہے۔ اگر وہ ادنیٰ لیاقت و انصاف سے کام لیتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ یہ واقعہ حصار ثانی کا ہے

نہ کہ اول کا جو یزید کے انتقال کے بہت بعد پیش آیا۔

یزید کی وفات کے بعد حصین بن نمیرؓ نے محاصرہ اٹھالیا اور ابن زبیرؓ سے ملاقات کی اور کہا۔ آپ میرے نزدیک خلافت کے مستحق ہیں۔ ہم آپ سے بیعت کرنے کو تیار ہیں لیکن آپ شام کی طرف چلیں۔ مرے ساتھ جو فوج ہے اس میں وہاں کے اکثر رؤساء شامل ہیں۔ اس لئے مجھے یقین ہے کہ کل اہل شام بلا اختلاف آپ کے ہاتھ پر بیعت کرلیں گے۔ لیکن اس مشورہ کو انھوں نے حقارت سے ٹھکرا دیا، اور جوش میں بولے میں کبھی معافی نہیں دوں گا، اور قسم کھا کر کہتا ہوں۔ کہ اپنے ایک ایک مقتول کے بدلے میں دس دس شامیوں کو قتل کروں گا۔

حصینؓ بن نمیر نے کہا میرا یہ گمان تھا کہ آپ عقل و رائے رکھتے ہیں۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ وہ غلط نکلا میں آپ کو خلافت دے رہا ہوں اور آپ قتل و خونریزی پر تلے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد وہ اپنی فوج لے کر واپس چلے گئے مکہ پر سنگباری کا واقعہ عبدالملک[1] بن مروان کے زمانہ کا ہے نہ کہ یزید

---

[1] خلیفہ عبدالملک بن مروان کے متعلق اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ یہ نہایت عاقل، دوراندیش ادیب اور فاضل تھے، علم میں شیوخ مدینہ مثلاً سعید ابن مسیبؒ اور عروہ بن زبیرؓ کے ہم رتبہ سمجھے جاتے تھے۔ امام شعبیؒ کا قول ہے کہ میں نے زندگی میں جس کو دیکھا اسے اپنے علم و فضل میں زیادہ پایا، بجز عبدالملک کے کہ جن مسائل کا ان کے سامنے ذکر آیا ان میں انھوں نے کچھ نہ کچھ ضرور مرے علم میں اضافہ کیا۔

عبدالملک کی رائے ابن زبیرؓ کے متعلق یہ تھی کہ وہ عابد و زاہد ہیں لیکن ان کی طبیعت میں بخل ہے اس لئے خلافت کے قابل نہیں۔ انھوں نے اپنے مقاصد پورا کرنے کے لئے جن سختیوں سے کام لیا، ان کی معذرت میں کہا کرتے تھے کہ اگر

(باقی اگلے صفحہ پر)

کے زمانے کا اور اس محاصرہ میں بھی کعبہ پر سنگباری کا واقعہ مذکور نہیں۔ اور فرض کیجئے پتھر پھینکنے سے کعبہ کی دیواریں جابجا ٹوٹ بھی گئی ہوں تو حجاج بن یوسف ہی نے عبد اللہ بن زبیر کو زیر کرنے کے بعد کعبہ کو قریش کی بنیادوں پر تعمیر کیا اور اب موجودہ عمارت کعبہ حجاج ہی کی بنائی ہوئی ہے۔ عبد الملک بن مروان کے عہد کا تفصیلی جائزہ یہاں مناسب نہیں ہے۔ لہٰذا ہم اس پر بحث نہیں کریں گے بلکہ اپنی بحث کا مدار ظفر صاحب ہی کے اعتراض تک رکھیں گے۔

حرم شریف کو اللہ تعالیٰ نے امت کا روحانی مرکز اور جائے امن بنا لیا ہے کسی کو حق نہیں کہ اس کو اپنی ملکیت بنائے یا وہاں اپنا سیاسی اکھاڑہ جمائے۔ اس کی تولیت تمام امت کے سپرد ہے اور یوں اس کا متولی امیر المومنین ہوتا ہے، لہٰذا جو باغی جماعت مکہ یا مدینہ میں اپنا مرکز بنائے گی اس کی سرکوبی کی جائے گی۔ لہٰذا مکہ مدینہ پر فوج کشی کو ان حالات میں فوج کشی یا حملہ نہیں کہا جا سکتا۔

یزید، عبد الملک، منصور یا کسی دوسرے خلیفہ نے جب باغیوں کی سرکوبی کے لئے حرمین پر فوج کشی کی تو یہ حملہ ان پاک شہروں پر نہیں تھا بلکہ ان باغیوں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۳ سے آگے

ابو بکرؓ اور عمرؓ کو بھی ایسے جاہل اور سرکش لوگوں سے سابقہ پڑتا جن سے ہمکو پڑا ہے تو لامحالہ وہ بھی یہی کرتے جو ہم نے کیا۔

ابن زبیرؓ اپنی فرضی خلافت میں برابر امیر حج ہوتے تھے ٦٨ھ میں ایسا تفرقہ تھا کہ میدان عرفات میں بیک وقت چار جھنڈے کھڑے کئے ایک عبد اللہ بن زبیرؓ دوسرا محمد بن حنفیہ، تیسرا نجدہ بن عامر خارجی کا چوتھا بنی امیہ کا جھنڈا لیکن اموی حکمرانوں نے کبھی یہ سوال نہیں اٹھایا کہ ہم امیر حج ہیں۔ حالانکہ اصولاً اور شرعاً یہ حق امویوں ہی کا تھا۔ ابن زبیرؓ کے بعد بنو امیہ کے زیر انتظام حج ہوتا رہا۔

کے خلاف اقدام تھا جنہوں نے حرمین کی بے حرمتی کر کے شعائر اللہ کی تقدیس پر حرف لانا چاہا تھا اور لا چکے تھے۔

حضرت ابن زبیرؓ نے کعبہ میں پناہ لینے کا دعویٰ کیا تھا۔ دعویٰ تو اس وقت صحیح ہوتا جب وہ خاموش بیٹھے رہتے۔ جیسا کہ حضرت ابن مخرمہؓ نے خاموشی اختیار کی۔ ابن مخرمہؓ بھی یزید کی بیعت سے انکار کر کے مکہ میں خاموش بیٹھ گئے تھے اور اسی بنا پر امیر عمرو بن سعد نے حضرت حسین کو امان نامہ بھیجا تھا۔ کہ اگر آپ مکہ واپس آجائیں، تو پورے احترام کے ساتھ رہیں گے۔

اس کے برخلاف حرم کی آڑ میں جب وہاں حکومت کا تختہ الٹنے کی سازشیں کی جائیں تو کیا حکومت وقت باغیوں کی پیٹھ ٹھوکتی اور کہتی کہ شاباش مرے بہادر باغیو! تم اپنا کام کئے جاؤ، حرم میں خون بہائے جاؤ۔ ہم خاموش بیٹھے ہیں یہ مناسب تھا کہ مکہ پر چڑھائی کی جاتی اور باغیوں کو ان کے کیفر کردار کو پہونچایا جاتا۔ لہٰذا مکہ مدینہ پر چڑھائی کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔

قابل اعتراض بات تو اس وقت تھی جب وہاں چڑھائی نہ کی جاتی اور خلفاء قابل مواخذہ ہوتے، ان سے جوابدہی کرنی پڑتی کہ حرمین شریفین کو انھوں نے امت میں افتراق کا سبب کیوں بننے دیا اور امت نے امامت کا منصب دے کر حرمین کی تولیت کا جو فرض عائد کیا تھا اسے بجا لانے میں کیوں کوتاہی کی۔

پورے تیرہ سو برس کی تاریخ شاہد ہے کہ حق پر وہ خلفائے وقت تھے جنہوں نے حرمین میں برپا ہونے والی شورشوں کا خاتمہ کیا فتح کامرانی نصیب ہوئی اور یہ وعید ان کے حق میں ثابت ہوئی۔ جنہوں نے امام جماعت خلیفہ وقت سے روگردانی کر کے حرمین کی آڑ میں اپنے سیاسی مقاصد پورے

کرنے چاہیے تھے۔

لہٰذا ہم ان کے تصور تک سے نفرت کریں گے۔ جن پر خواتین مدینہ کی ظالمانہ عصمت دری کا جرم ثابت ہو جائے۔ ہم ان سے بیزار ہو جائیں گے جنہوں نے معصوم بچوں کو تہ تیغ کیا۔ لیکن گفتگو تو ساری یہ ہے کہ یہ کہانیاں سچ بھی ہیں؟

ایک روایت کے مطابق کسی چولھے سے چنگاری ہوا اڑا لے گئی اور غلاف کعبہ کو پکڑ لیا۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت زبیرؓ ہی کے کسی ساتھی کی بے احتیاطی سے غلاف کعبہ جل اٹھے۔ مگر مجرم بہرحال یزید ہی کے لشکری قرار دیے جائیں گے۔

باغی اپنی باغیانہ سرگرمیوں کا مرکز مکہ اور مدینہ کو بنائیں کسی کی افہام و تفہیم کو قبول نہ کریں۔ لوگوں پر بھوک مسلط کر دیں۔ یہاں تک کہ ایک ایک مرغی دس دس درہم کو فروخت ہو اور جوار کے دانے بیس بیس درہم کو ملیں مگر ابن زبیر کا گھر اناج اور کھجور سے بھرا ہوا ہو۔ یہی وجہ تھی کہ چند دن بیشتر ان کے ہمراہی پریشان ہو کر حجاج بن یوسف سے امان طلب کرنے کیلئے روانہ ہوئے۔ جن کی تعداد دس ہزار تھی، ان ہی لوگوں میں ان کے بیٹے حمزہ اور حبیب بھی تھے۔

(ابن اثیر ج ۴ ص ۲۵۹)

لیکن اس ظلم اور بھوک کو فرد اور ختم کرنے کے لئے جب اموی پولیس ایکشن کا اقدام کرے تو وعید کا مستوجب بھی وہی ٹھہرے اور گردن ناپی جائے معاویہؓ کی جنہوں نے یزید کو خلافت سونپی۔ کیا مضحکہ خیز اور پُر فریب ہے یہ داستان اور کتنے سادہ لوح ہیں۔ وہ لوگ جو کاذبین کے کذب پر ایمان لے آئے۔

(اللّٰھم اھد لھم سبیل الرشاد)

باب ہفتم

قصاص حضرت عثمانؓ ذوالنورینؓ

ظفر صاحب فرماتے ہیں:۔

"کوئی شبہ نہیں کہ حضرت علیؓ کے خلاف معاویہ نے بڑے منظم اور سوچ سمجھ کر قصاص خون عثمانؓ کا فتنہ اٹھایا تھا اور حالات ایسے پیدا کر دیئے تھے کہ حضرت عائشہؓ بھی سیاست معاویہ کا نشانہ بن گئیں، اور معاویہ کا جو مقصد تھا پورا ہوا"۔.........

ظفر صاحب نے قصاص حضرت عثمانؓ کو ایک فتنہ اور اس فتنہ کا موجب و باعث حضرت امیر معاویہؓ کو ٹھہرایا ہے۔ مجھے یہ کہتے ہیں کوئی عار نہیں کہ جو شخص صحابہ کے کسی عملی اقدام کو خواہ وہ اجتہادی ہو یا اختیاری فتنہ قرار دے اس سے بڑھ کر فتنہ پرداز اور کون ہو سکتا ہے جس شخص کی زبان صحابہ کی شان میں اس حد تک گستاخ ہو جائے کہ وہ قصاص عثمانؓ کو فتنہ کہے اور طالبان قصاص کو جن میں امیر معاویہؓ ہی کیا حضرت عائشہ صدیقہؓ اور کثیر صحابہ کرامؓ شامل ہیں ان کو موجب فتنہ قرار دے اس سے بڑھ کر مفسد، شر پسند اور شقی کیا کوئی اور بھی ہو سکتا ہے اس قسم کے بہتان

پردازوں کا شرعی علاج تو یہی ہو سکتا ہے کہ اسی (۸۰) درے لگائے جائیں۔

قصاص کا مسئلہ اسلام میں بہت واضح ہے۔ شریعت نے ورثا کو یہ اجازت دی ہے کہ وہ مقتول کا قصاص طلب کریں اور حاکم وقت یا خلیفہ کا یہ فرض ہے کہ وہ قصاص دلوائے۔ چہ جائیکہ مظلوم خلیفہ حضرت عثمانؓ کا قصاص۔

یہ کسی فرد واحد کے خون کا مطالبہ نہ تھا۔ پوری امت کا خون بہا تھا خلیفہ عثمان ہی شہید نہ ہوئے تھے بلکہ اسلام کی شہ رگ کو ذبح کیا گیا تھا۔ پھر کیا یہ ممکن تھا کہ یہ خون جو رسول کی مبارک زمین پر، قصر خلافت کے ایک گوشہ میں، رسول کے محبوب ذوالنورین کا مظلومی کے ساتھ باغیوں نے بہایا ہو اس دلخراش واقعہ کو جان نثاران رسولؐ خاموشی سے برداشت کر لیتے۔ کیا اس درندگی اور بربریت کی طرف سے آنکھیں بند کر لی جائیں کہ دو روز تک بے گور و کفن جسم اطہر اسی قصر میں پڑا رہا اور کسی کو اس کی اجازت نہ دی گئی۔ کہ اس مظلوم جسم کو مزید بے رحمی اور بے حرمتی سے بچانے کے لئے لحد کے سپرد کر دیا جاتا۔

ہم حضرت عثمانؓ ہی کے دور میں قصاص کا سب سے پہلا مقدمہ حضرت عمرؓ بن خطاب کے صاحبزادے حضرت عبیداللہؓ کے قصاص کا دیکھتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے قاتل ابولولو نے آپ کو شہید کرنے کے بعد خودکشی کر لی تھی مگر بعض واقعات کی بنا پر عبیداللہؓ بن عمر کو شک تھا کہ قاتل ابولولو کے ساتھ دو آدمی جفینہ اور ہرمزان بھی قتل کی سازش میں شریک تھے۔ لہٰذا ابن عمر عبیداللہ نے جوش غضب میں ان کو قتل کر دیا۔ اس لئے حضرت عثمانؓ کی بیعت خلافت کے بعد یہ مقدمہ پیش ہوا آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا حضرت علیؓ نے رائے دی کہ قصاص میں عبیداللہ بن عمرؓ کو قتل کرنا چاہیئے۔ لیکن دوسرے صحابہ نے یہ ہرگز مناسب نہیں سمجھا کہ کل تو حضرت عمرؓ قتل ہوئے ہیں اور آج ہی ان کے لڑکے کو تلوار کے حوالہ کیا جائے اس اختلاف

رائے پر حضرت عثمانؓ نے قصاص کی سزا کو دیت سے بدل دیا اور اپنی جیب خاص سے دیت ادا کر دی۔

ایک مجوسی قاتل کو قتل کر دینے کی پاداش میں جس نے خلیفہ کو قتل کیا تھا عمرؓ کے صاحبزادے کیخلاف قصاص کی سزا میں قتل کر دینے کا حکم صادر ہو رہا ہے اور کس کے قلم سے خلیفہ وقت حضرت عثمان غنیؓ کے قلم سے۔ لیکن اسی خلیفہ عثمان غنیؓ کے قاتلوں سے جب قصاص لینے کے لئے آواز بلند کی جائے تو اس کو فتنہ قرار دیا جائے۔ مجوسی قاتلوں کا قصاص تو برحق لیکن خلیفہ مظلوم کا قصاص ناحق اور ایک سیاسی چال ؟ یہ ناانصافی نہیں تو کیا انصاف ہے؟ یہ عداوت و بغض نہیں تو کیا محبت و رافت ہے ؟

(اولٰئک الذین طبع اللہ علیٰ قلوبہم واتبعوا اھواءھم)

ظفر صاحب نے شورش کے اصل اسباب سے قطع نظر وضعی بنیادوں پر واقعات کی عمارت قائم کرتے ہوئے اس کے پہلے ہی زینہ پر قدم رکھتے ہی چیخ چیخ کر پوری عمارت کی دل کشی اور مینا کاری سے لوگوں کو فریب میں مبتلا کرنے کی کوشش کی ہے۔

میں نہیں سمجھتا کہ لوگ ان کے اس طبعزاد اور لغو افسانے کو حقیقت کی نگاہ سے مطالعہ کریں گے اور خاص طور سے علویان و امذان جن کی مدح اور ستائش میں انھوں نے بہروپیہ کا کردار ادا کیا ہے وہ بھی اپنے اصل روپ کو کھو دیں گے، اور انھیں کے سُر میں سُر ملا کر یہ کہنے لگ جائیں گے کہ قصاص عثمانؓ کا مطالبہ فتنہ تھا۔

حالانکہ میں سمجھتا ہوں کہ موجودہ وامغانی اتنے کم عقل اور تاریخ سے نابلد نہیں کہ اصل فتنہ کو جس سے خلیفہ کا خون بہا عین حق تصور کرنے لگیں گے

ظفر صاحب کی تاریخی معلومات کا تو یہ عالم ہے کہ وہ حضرت عائشہ رضؓ کو بھی قصاص عثمانؓ میں حضرت معاویہؓ کا سیاسی شکار قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"حضرت عائشہؓ بھی سیاست معاویہ کا نشانہ بن گئیں"

اللہ رے بغض عثمانؓ و معاویہؓ ایسے ہی لوگوں کو مار آستین کہتے ہیں اور یہی ہے حضرت علیؓ کی بے جا مدح اور دیگر اصحاب رسولؐ اور خاص طور سے خلفاء ثلاثہ کی مثالی ہستیوں پر بے جا الزامات عائد کرنے کی ناپاک جسارت۔

ہم دیکھتے ہیں کہ سب سے پہلے جہاں سے قصاص عثمانؓ کی شہادت کے فوری بعد آواز اٹھائی گئی وہ اہالیان دیار رسول تھے جس میں کثیر تعداد صحابہ کی تھی اور پھر جنگ جمل تک ہم کو کہیں بھی حضرت معاویہ گورنر شام قصاص عثمانؓ میں شریک نظر نہیں آتے۔

ظفر صاحب بتائیں کہ جنگ جمل سے قبل کب اور کہاں حضرت معاویہؓ قصاص عثمانؓ میں جنگ کرتے نظر آتے ہیں اور کب انھوں نے حضرت عائشہ رضؓ کو قصاص عثمانؓ کا مطالبہ اٹھانے کے لئے ساز باز کی یا باہم کسی موقع پر اس مسئلہ پر گفتگو کی ہو جس سے یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ انھوں نے اپنی سیاسی لیاقت و مہارت سے ام المومنین حضرت صدیقہؓ کو مجبور کر دیا کہ وہ قصاص کا مطالبہ اٹھائیں جبکہ یہ مدینہ میں، اور وہ ملک شام میں تھے، لیکن ہم جانتے ہیں کہ ظفر صاحب کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد تمام اسلامی ممالک میں شدت کے ساتھ یہ آواز اٹھائی گئی کہ عثمانؓ کے قاتلوں سے ضرور قصاص لیا جائے۔ لیکن بدقسمتی سے قاتلان عثمانؓ کا بہت بڑا گروہ حضرت علیؓ کے لشکر میں موجود تھا۔ جو علی الاعلان مدینہ میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہم عثمانؓ کے قاتل ہیں ہم

سب نے مل کر عثمانؓ کو قتل کیا ہے بچڑھا دو ہم کو پھانسی اور قتل کر دو ہم میں سے ہر ایک کو،

بغاوت اور سرکشی کا یہ عجیب مظاہرہ تھا۔ بعض صحابہ بددل ہو کر مدینہ چھوڑنے لگے تھے۔ اس انتشار کو دور کرنے کے لئے حضرت عائشہؓ نے بھی کوشش کی۔ لیکن وہ بھی باغیوں اور مفسدوں کے سیلاب کا مقابلہ نہ کرسکیں۔ فتنہ روز بروز بڑھتا ہی رہا۔ آخر کو جب انھوں نے خود اپنی عزت باغیوں اور فتنہ پردازوں کے ہاتھوں خطرہ میں دیکھی تو حج کے لئے مکہ تشریف لے گئیں۔

مدینہ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد تین دن تک مسند خلافت خالی رہی ہر طرف شور قیامت بپا تھا۔ ہر طرف باغی چھائے ہوئے تھے۔ لوگوں کو اپنے اپنے مکانوں میں محصور کر دیا گیا تھا۔ مسند خلافت بہر حال پُر کرنا تھا۔ حادثہ کے وقت بیشتر مقتدر ہستیاں دوسرے مقامات پر تھیں اور قدرتاً مدینہ میں باغیوں کو غلبہ حاصل ہو گیا تھا۔ جنہوں نے خلیفہ کو قتل کیا تھا۔

ان کی نگاہ میں اپنی مفر کو مدنظر رکھتے ہوئے وہاں کے موجودہ لوگوں میں حضرت علیؓ سے زیادہ اور کوئی شخص خلافت کا مستحق نہ تھا۔ چنانچہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ خلیفہ کا انتخاب ضروری ہے۔ حضرت علیؓ نے یہ اشارہ سمجھ کر جواب دیا کہ مجھ کو اس کی حاجت نہیں جسے تم لوگ منتخب کر لو میں بھی بیعت کر لوں گا۔ چنانچہ حضرت علیؓ کے انکار کے باوجود انھوں نے آپ ہی کو خلیفہ بنایا اور سب سے پہلے مالک اشتر نے جو قتل عثمانؓ میں شریک تھا بیعت کی۔ بیعت کے لئے وہاں جو اصحاب موجود تھے۔ ان کو بلایا گیا۔ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ بھی آئے حضرت طلحہؓ کو کچھ پس و پیش ہوا۔ اس پر مالک اشتر نے تلوار کھینچ کر کہا کہ اگر بیعت نہ کرو گے تو ایک وار میں پیشانی کے دو ٹکڑے کر دوں گا۔ مجبوراً انھوں نے ہاتھ

بڑھایا، اور حضرت زبیرؓ نے بھی ان کی تقلید کی۔

عبداللہ بن عمرؓ کو بلایا گیا انھوں نے کہا جب سب بیعت کرلیں گے میں بھی کرلوں گا۔ ان سے کہا گیا ضامن لاؤ انھوں نے انکار کیا۔ اس پر اشتر نے غصہ میں حضرت علیؓ سے کہا کہ حکم ہو تو گردن اڑا دوں۔ حضرت علیؓ نے روکا اور کہا کہ یہ کیا جہالت ہے، ان کا ضامن میں ہوں۔

جب صحابہ نے دیکھا کہ یہ تو سارے کے سارے وہی باغی قاتلان عثمان ہیں جو حضرت علیؓ کے گرد کھڑے ہوئے لوگوں سے بزور شمشیر بیعت لے رہے ہیں تو صحابہؓ کی ایک بڑی جماعت میں غصہ کی لہر دوڑ گئی اور انھوں نے بیعت کرنے کے بجائے بیعت سے انکار کر دیا۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے بیعت کرکے توڑ دی اور خون عثمانؓ کے قصاص کے لئے آمادہ ہو گئے۔

صحابہ کی ایک بڑی جماعت حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ خلیفہ کا پہلا فرض یہ ہے کہ حدود شرعیہ کو قائم رکھے لہذا جو لوگ خلیفہ کے قتل میں شریک ہوئے ان سے قصاص لینا چاہیئے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں بھی اس بات کو جانتا ہوں۔ لیکن ایسے وقت جبکہ وہی لوگ ہمارے اوپر غالب ہیں، اور ہم مغلوب ہیں، کیونکر قصاص لے سکتے ہیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ ان لوگوں نے جو فعل کیا ہے وہ جاہلیت کا فعل ہے۔ اطمینان وسکون ہو جانے دو، اس کے بعد آکر کہنا۔ اس وقت مجھے مہلت دو۔ لیکن بعض حضرات نے خیال کیا کہ اگر باغیوں کی یہی حالت رہی تو ان کا زور دن بدن بڑھتا جائے گا، اور پھر ہم کبھی ان سے قصاص نہ لے سکیں گے، اور واقعتاً ایسا ہی ہوا۔ حضرت علیؓ کو تاحیات چین وسکون نصیب نہ ہو سکا، اور جناب امیر ایسی بری طرح ان کے نرغے میں پھنسے کہ عثمانؓ

کا قصاص بھی نہ لے سکے اور اسی گروہ نے آپ کو شہید بھی کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جن اصحاب نے بیعت نہیں کی ان میں بعض یہ ہیں۔ حضرت اسامہ بن زید مغیرہ بن شعبہ۔ زید بن ثابت۔ عبداللہ بن سلام۔ ابوسعید خدری۔ نعمان بن بشیر۔ حسان بن ثابت۔ کعب بن مالک۔ رافع بن خدیج۔ محمد بن مسلمہ قدامہ بن مظعون رضوان اللہ اجمعین وغیرہ نے جو اہل مدینہ میں سے ہیں۔

قصاص کا مطالبہ اوّل حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کیا جس کے نتیجہ میں جنگ جمل واقع ہوئی۔ جنگ جمل میں حضرت عائشہؓ کو شکست ہوئی۔ لیکن مطالبہ کی اہمیت بدستور قائم رہی جسے بعد میں حضرت معاویہؓ لے کر اٹھے۔ چونکہ مطالبہ موثر اور شرعاً حق بجانب تھا۔ اس لئے صحابہ کی ایک بڑی جماعت اور بقول حضرت مجدد الف ثانیؒ نصف جماعت ان کے ساتھ ہو گئی۔ حتیٰ کہ طرفداران علیؓ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے حضرت عباسؓ تک نے اس کی تائید کی اور فرمایا۔

"اگر خون عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ نہ کیا جاتا تو آسمان سے پتھر کی بارش ہوتی۔"

یہاں پر ظفر صاحب کی ایک غلط فہمی دور کر دوں۔ جیسا کہ وہ گمان کرتے ہیں اور دوسروں کو یقین کرانا چاہتے ہیں کہ حضرت معاویہ کے قصاص کا مطالبہ حضرت علیؓ سے اس وجہ سے تھا کہ وہ حضرت عثمانؓ کے قتل میں حضرت علیؓ کو شریک سمجھتے تھے اور یہی تاثر انھوں نے اپنی کتاب میں ظاہر کیا ہے۔ ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ قصاص عثمانؓ کو فتنہ قرار دیتے۔ حضرت معاویہؓ پر یہ الزام یا ان کی طرف سے یہ رائے قائم کر لینا بڑی بددیانتی ہے۔ امیر معاویہ کا مقصد تو صرف ان باغیوں کی سرکوبی کرنا تھا۔

جنہوں نے قتل عثمانؓ سے اپنے ہاتھ رنگے تھے۔ البتہ اس کام کے لئے وہ حضرت علیؓ کی اعانت اور مدد ضرور چاہتے ہیں۔ تاکہ باغیوں کا خاتمہ ہوسکے۔ جن سے حضرت علیؓ خود بھی عاجز تھے۔

حضرت معاویہؓ تو آخر تک یہی فرماتے رہے کہ

"میری بیعت حضرت عثمانؓ کے قصاص پر منحصر ہے۔ قاتلانِ عثمانؓ کو جو آپ کے لشکر میں موجود ہیں قتل کیجئے یا ہمیں اس کی اجازت دیجئے اور میری بیعت لیجئے۔ مجھے آپ کی بزرگی و شرف سے انکار نہیں۔ مگر امیرالمومنین حضرت عثمانؓ کا خون بھی رائیگاں نہیں جانا چاہیئے"

اور یہ حقیقت ہے کہ اگر عبداللہ بن سبا۔ محمد بن ابوبکر۔ شیث بن ربعی مالک اشتر۔ حرقوص بن زہیر۔ مسعود بن فدک۔ حمزہ بن سنان۔ زید بن حصین یزید بن قیس۔ عبداللہ بن وہب وغیرہ باغیوں۔ فتنہ پردازوں اور قاتلوں پر تلوار چلائی جاتی اور فتنہ کا سر شروع ہی سے کچل دیا جاتا تو فساد اور بعد کے ہونے والے قتل و خون کا خاتمہ ہو جاتا۔ مگر تقدیر کے نوشتے پورے ہونے تھے وہ پورے ہو کر رہے۔

بجائے اس کے کہ کوئی فیصلہ کن بات دونوں حضرات کے مشورہ سے قصاص عثمانؓ کے متعلق طے پاکر اس پر عملی کارروائی ہوتی۔ حضرت علیؓ نے سب سے پہلے حضرت عثمانؓ کے عہد کے تمام گورنروں کو خصوصاً حضرت معاویہؓ کو معزول کردیا۔ حضرت علیؓ نے تلوار کے ذریعہ زبردستی ان سے بیعت لینا چاہی تھی فیصلہ آگے چل کر جنگ صفین کی شکل میں ظاہر ہوا۔ حالانکہ حضرت علیؓ کے سامنے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ایک مثال موجود تھی کہ سعد بن عبادہؓ نے ابوبکرؓ کی بیعت نہیں کی۔ مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان سے کچھ تعرض نہیں کیا اور ان کو ان کے

حال پر چھوڑ دیا جس سے ان کی خلافت پر کوئی برا اثر نہیں پڑا اور پھر کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے بیعت کر لی۔ اگر حضرت علی بھی حضرت معاویہؓ کو ان کے حال پر چھوڑ دیتے تو آپس میں جنگ کی نوبت نہ آتی جس سے ہزاروں آدمی کٹ مرتے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ جو سیاست و تدبر میں ممتاز تھے۔ معاویہؓ کو معزول کرنے کی مخالفت کی اور سمجھایا کہ معاویہؓ کو معزول نہ کریں ابھی نہ تو تمام مقبوضہ ممالک نے آپ کی بیعت کی ہے اور نہ مفتوحہ صوبوں میں آپ کا تسلط پوری طرح قائم ہوا ہے۔ ملک میں قتل عثمانؓ کی وجہ سے ایک شورش بپا ہے ایسے نازک دور میں ایک طاقتور اور صاحب اختیار آدمی کو اپنا مخالف بنا لینا نامناسب ہے جب حالات درست ہو جائیں۔ لوگ آپ کی خلافت پر متفق ہو جائیں اس وقت معاویہؓ کو بے شک معزول کر دیجئے۔ لیکن موجودہ حالت میں معاویہؓ کو معزول کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔

ان کے علاوہ عبداللہ بن عباسؓ نے جو حضرت علیؓ کے زبردست حامی اور مددگاروں میں سے تھے ان الفاظ میں سمجھایا۔

"عثمانؓ کے گورنروں کی معزولی اس وقت خلاف مصلحت ہے ذرا ابھی خلافت کو جم جانے دیجئے بعد میں ہم ان لوگوں کو اس طرح نکال پھینک دیں گے جس طرح خمیر سے بال نکال کر پھینک دیتے ہیں اس کے علاوہ یہ بھی کہا کہ آپ عثمانؓ کے زمانہ کے گورنروں کو معزول کرنا چاہتے ہیں۔ مگر معاویہ رضہ حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ نہیں ہیں۔ بلکہ حضرت عمرؓ کے زمانہ سے گورنر چلے آتے ہیں ان کو اپنی جگہ پر رہنے دیں۔

حضرت حسینؓ نے فرمایا اباجان! معاویہ کو معزول کر دیں گے تو وہ آپ کی مخالفت میں اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اس لئے کہ جو شخص مظلوم قتل کیا جاتا ہے، اللہ تعالےٰ اس کے ورثا کو قوت عطا فرما دیتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت معاویہؓ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی کے زمانے میں ایک فوج کی قیادت سونپی گئی تھی جس کو ان کے بڑے بھائی یزید بن ابوسفیانؓ کی مدد کیلئے شام کی طرف روانہ کیا گیا تھا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں اردن کے حاکم مقرر ہوئے، اور جب ان کے بھائی یزیدؓ نے طاعون عمواس میں وفات پائی تو اردن کے ساتھ دمشق کی ولایت بھی ان کے سپرد کی گئی۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں ملک شام کے والی ہوئے۔ مسلمانوں کے سب سے اول بادشاہ جو بیس برس شام کے گورنر اور بیس برس اسی ملک کے مطلق العنان حاکم رہے اور پھر اتنی عظیم الشان سلطنت قائم کی جو پرتگال سے چین تک پھیلی ہوئی تھی۔ چودہ سو برس کے اس طویل عرصہ میں مسلمانوں کا کوئی خاندان دنیا کے اتنے وسیع ترین حصہ پر حکمران نہیں رہا جتنے ممالک پر بنو امیہ نے وقت واحد میں مطلق العنان بادشاہی کی۔ ایسے مدبر، دوراندیش، با اثر شخصیت کو معزول کرنا آسان نہ تھا۔ انہی وجوہات کی بنا پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور مغیرہؓ بن شعبہ نے پوری نیک نیتی سے عدم معزولی کا مشورہ دیا تھا۔ لیکن حضرت علیؓ نے اس کو قبول نہ کیا۔ چنانچہ مغیرہ بن شعبہؓ دکھ و ملال کے ساتھ اپنے نیک مشورہ کو منظور نہ ہوتے دیکھ کر حضرت معاویہؓ کے پاس چلے گئے اور آخر وقت تک اپنے مفید مشوروں سے حکومت کے معاملات میں حضرت امیر معاویہؓ کی رہبری کرتے رہے۔

دوسرے بزرگ حضرت عبداللہ بن عباس نے بھی بعد میں حضرت علیؓ کا ساتھ چھوڑ کر مدینہ میں گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ خود حضرت علیؓ کے بھائی حضرت عقیلؓ بن ابی طالب بھی اپنے برادر معظم سے جدا ہو کر حضرت امیر معاویہؓ سے جا ملے۔ اس طرح حضرت علیؓ اپنے بہترین اور مخلص ترین اعزا اور

مشیروں سے محروم ہو گئے۔ بعد میں حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو شام کی گورنری کا منصب عطا کرنا چاہا، مگر انھوں نے کہا

"معاویہؓ کے قدم شام میں ایسی مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں کہ ان کو وہاں سے اکھاڑ نا بظاہر ممکن نہیں اور کوئی شخص بھی جو وہاں امیر بنا کر بھیجا جائے گا معاویہؓ کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا مجھے اس خدمت سے معاف رکھیں"

حضرت ابن عباسؓ کے انکار پر سہیل بن حنیف کو اس کام پر مقرر کیا اور حضرت معاویہؓ کی معزولی کا پروانہ دے کر دمشق روانہ کیا۔ لیکن سہیل بن حنیف کو تبوک کے قریب ایلہ کے مقام سے واپس کر دیا گیا۔

سخت تعجب ہے کہ حضرت علیؓ جیسے ذی فہم بزرگ نے کس طرح سمجھ لیا کہ ایک معمولی سا خط ایک شخص واحد کے ہاتھ بھیج دینے سے معاویہؓ اپنے عزل کو گوارا کر لیں گے اور شام کی حکومت اس شخص کے سپرد کر دیں گے اور ایسی حکومت جو بیس برس سے ان کے قبضے میں تھی اور اتنے عرصہ میں ممالک اسلامی اور غیر اسلامی میں دور دوران کا طوطی بولتا تھا۔

بہر حال حضرت علیؓ خلیفہ وقت تھے خود ہی مصلحت وقت کو سمجھ سکتے تھے امیر معاویہؓ کو معزول کرنے کیساتھ ساتھ حضرت علیؓ نے ان کے پاس بیعت کے لئے علیحدہ ایک خط جریر بن عبداللہ بجلی کے ہمراہ دمشق روانہ کیا جس کا حضرت معاویہؓ کی طرف سے یہ جواب تھا کہ

- "میری بیعت اس امر پر منحصر ہے کہ قاتلان عثمانؓ کو سخت سزا دی جائے اور جو آدمی بھی ایسا لے اسے بے تامل قصاص میں قتل کر دیں"

مگر حضرت علیؓ اس کے لئے تیار نہ ہوئے اور انھوں نے معاویہؓ کے خلاف

جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں اکثر صحابہ نے اس کی مخالفت کی یا غیر جانبدار رہے چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ۔ عبداللہ بن عمرؓ۔ محمد بن مسلمہؓ وغیرہ نے کسی کا ساتھ نہ دیا۔

حضرت علی رضؓ نے ان سے پوچھا کہ مجھے تم لوگوں کی جانب سے ناپسندیدہ خبریں ملی ہیں کیا واقعہ ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ نے فرمایا۔

"اگر اس جنگ میں آپ میری شرکت چاہتے ہیں تو ایسی تلوار عنایت کیجئے جو کافر و مسلم میں امتیاز کر سکے۔"

عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا۔

"آپ ایسی چیز میں شرکت کیلئے مجھے مجبور نہ کریں جس کے حق و باطل کا فیصلہ میں نہیں کر سکا۔"

محمد بن مسلمہؓ نے فرمایا۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں اپنی تلوار کو مشرکوں کے مقابلہ میں استعمال کروں اور جب مسلمانوں سے لڑنے کا وقت آئے تو اس کو کوہ احد کے پتھر پر پٹک کر توڑ دوں چنانچہ کل میں نے اس کو توڑ دیا۔"

اسامہ بن زیدؓ نے فرمایا۔

"مجھے اس میں شرکت سے معاف رکھا جائے میں نے عہد کیا ہے کہ کلمہ شہادت پڑھنے والوں سے جنگ نہ کروں۔"

ان تمام افہام و تفہیم کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہؓ سے جنگ کا ارادہ تبدیل نہ کیا اور قثم بن عباس کو مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر کیا اور خود فوج اور سامان جنگ کی فراہمی میں مصروف ہو گئے۔

افسوس! حضرت علیؓ خلیفہ ہوتے ہی اگر سب سے پہلا حکم بجائے امیر معاویہؓ کو معزول کرنے کے قاتلانِ عثمانؓ کو گرفتار کرنے اور خبیثوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دینے کا حکم دیتے تو سارا ملک فتنہ پردازوں سے پاک ہو جاتا۔

اس کے برخلاف ہوا یہ کہ حضرت علیؓ نے یہ کہہ کر معذوری کا اظہار کیا کہ قاتلوں کو ہمارے مقابلہ میں قوت ہے لہٰذا اس وقت قصاص لینے کا امکان نہیں۔ دوسرے صحابہ کے مطالبہ پر آپ نے یوں فرمایا۔

■ میں ناواقف نہیں ہوں۔ جس کو تم جانتے ہو لیکن مجھ میں قوت قصاص لینے کی کہاں ہے اور وہ لوگ (بلوائی گروہ) اپنی پوری قوت و شوکت پر ہے اور ہم ان پر قدرت نہیں رکھتے۔"

ساتھ یہ بھی فرمایا کہ ذرا حالات سکون پر آنے دیجئے تو قصاص لینے کی کارروائی کی جا سکے گی۔ مگر دن پر دن گزرتے گئے ان کی خلافت بھی ۴½ سال میں ختم ہو گئی اور کوئی کارروائی نہ کی گئی۔

اگر یہ بلوائی محض قاتل ہوتے تب بھی قصاص لینا کچھ مشکل نہ تھا۔ لیکن معاملاتِ خلافت میں وہ اس طرح شامل ہو گئے تھے کہ پوری صورت حال انہوں نے بدل دی۔ وہی سبائی لیڈر مالک اشتر جس نے اس وقت کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے مکان میں اسے بٹھا کر پوچھا تھا کہ آخر تم لوگ چاہتے کیا ہو تو صاف کہہ دیا تھا کہ خلافت چھوڑ دو۔ ورنہ ہم تم کو قتل کر دیں گے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۸۰)

وہی اشتر اب حضرت علیؓ کا مشیر تھا۔ ان مایوس کن حالات میں جبکہ حضرت علیؓ کی جانب سے قصاص لینے کی کوئی امید نہ رہی سب اصحاب الرائے کی نظریں مکہ معظمہ کی جانب اٹھنے لگیں جہاں مادرِ مومنین حضرت عائشہ رضؓ

اور بعض دوسری امہات المومنین موجود تھیں۔

یہاں پر قصاص کے پرانے تاریخی واقعہ کا ذکر کر دینا مناسب ہوگا۔ تاکہ قارئین قصاص کی اہمیت اور فرضیت کا اندازہ لگاتے ہوئے خود ہی فیصلہ کر لیں کہ قصاص عثمانؓ کا مطالبہ عین ایمان تھا۔ یا بقول ظفر صاحب فتنہ تھا۔

حضرت عمرؓ کے صاحبزادے حضرت عبیداللہ کے قصاص کا معاملہ جو اوپر بیان ہوا ہے، حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں ہرمزان کو قتل کر دینے کے سلسلہ میں پیش ہوا تھا جس پر حضرت علیؓ نے قاتل کو قصاص کے سلسلہ میں قتل کر دینے کی تجویز پیش کی تھی۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے خون بہا دے کر اس مقدمہ کا فیصلہ کر دیا تھا۔

لیکن بارہ برس کی طویل مدت گذر جانے کے بعد بھی حضرت علیؓ نے اپنی خلافت کے پہلے ہی دن اس ایرانی سردار ہرمزان کے قصاص کے طے شدہ مقدمہ پر از سر نو عدالتی کارروائی شروع کر کے حضرت فاروق اعظمؓ کے صاحبزادے عبیداللہ کو گرفتار کرانا چاہا وہ اپنی جان بچا کر مدینہ سے دمشق حضرت معاویہؓ کے پاس چلے گئے۔ ایرانی سردار کا قصاص لینے میں یہ شدت

اور حضرت عثمانؓ کے قصاص خون کے سلسلہ میں اگر صحابہ کرام آواز اٹھائیں تو اہل تشیع کی طرح ظفر صاحب فتنہ کا فتویٰ دیں۔ اللہ اللہ یہ سنیت کا دعویٰ اور شیعیت کا سیاہ لبادہ۔

"چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی"

ظفر صاحب! فتنہ کا موجب طلب قصاص نہیں بلکہ قاتلین عثمانؓ کا حضرت علیؓ کے فوج میں شامل ہونا ہے۔

اسی وجہ سے حضرت علیؓ یہی عذر پیش کرتے تھے کہ

"میں ان لوگوں کو یعنی قاتلین کو کیسے پکڑوں جو اس وقت ہم پر

قابو یافتہ ہیں"

اس تمام عرصہ میں تعلیمات نبوی کے مطابق جمہور صحابہ کی یہی کوشش رہی کہ مسلمان آپس میں نہ لڑیں اور نزاعی مسائل کا تصفیہ پرامن ماحول میں ہو۔ نزاعی مسئلہ صرف ایک تھا کہ امت کے متفق علیہ امام کو جن لوگوں نے ظلماً شہید کیا ہے وہ سب لوگ احکام خداوندی کے مطابق واجب القتل ہیں اور جب تک چن چن کر انھیں قتل نہ کر دیا جائے اس وقت تک احکام شرعیہ کی تکمیل نہیں ہوگی، اور اسی مسئلہ کے تحت چونکہ حضرت علیؓ کی خلافت مفسدوں اور باغیوں کے زور سے قائم ہوئی تھی اور وہی اس خلافت پر حاوی تھے۔ اس لئے خلیفۂ رابع کا طریقۂ انتخاب تسلیم نہیں کیا گیا۔

جہاں تک حضرت علیؓ کی شخصیت کا تعلق ہے اس سے کسی کو انکار نہ تھا لیکن حضرت علیؓ کو بھی ان شرپسندوں اور مفسدوں کے نرغہ سے بچانا تھا اس لئے قاتلوں سے قصاص لینا ناگزیر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مقابلہ میں کسی نے متوازی حکومت نہیں قائم کی اور نہ کسی نے خلافت کا دعویٰ کیا۔ بلکہ صرف بیعت پر توقف کر کے قاتلوں کے متعلق باہمی سمجھوتے کی طرف دعوت دی

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔

حضرت معاویہؓ ان میں نہ تھے جو جنگ کی ابتدا کرنا چاہتے ہوں، بلکہ سب لوگوں سے زیادہ ان کی خواہش تھی کہ جنگ نہ ہو۔ یہ تو دوسرے لوگ وہ ہی باغی تھے جو ان سے جنگ پر تلے ہوئے تھے۔ کیونکہ سبائی باغی اچھی طرح جانتے تھے کہ جب تک حضرت معاویہؓ موجود ہیں دنیا کے کسی گوشہ میں وہ محفوظ نہیں رہ سکتے اور ان کے تخریبی عزائم کبھی پورے نہ ہوں گے۔ اسی لئے ان کی سب سے زیادہ خواہش یہ

تھی کہ معاویہؓ کو زیر کریں۔ لیکن ان کے یہ عزائم اور ارادے خدا کا شکر ہے پورے نہ ہوئے ورنہ شاید یہ امت کبھی مجتمع نہ ہوتی۔

غرضیکہ جب حضرت علیؓ حضرت امیر معاویہؓ سے جنگ کرنے میں معروف تھے۔ اسی اثنا ایک دوسری خبر آئی کہ حضرت عائشہؓ قصاص کا مطالبہ لے کر مکہ میں اٹھ کھڑی ہوئی ہیں۔ چنانچہ حج سے واپسی پر راہ میں آپ کو مدینہ سے حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ آتے ہوئے ملے انھوں نے حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر مدینہ کا نقشہ اس طرح کھینچا۔

"مدینہ میں بدوؤں اور جاہل عربوں کا تسلط ہے جو وحشی اور خونخوار ہیں وہاں کسی کی عزت محفوظ ہے نہ مال اسی خوف سے ہم وہاں سے نکل کر چلے آئے ہیں۔ ہم نے مدینہ کے عوام کو اس حال پر چھوڑا کہ وہ موجودہ حالت سے پریشان اور آئندہ حالت سے خوفزدہ ہیں۔ نہ وہ خوف و شر میں تمیز کر سکتے ہیں نہ حق پہچان سکتے ہیں۔ نہ باطل سے اعراض کر سکتے ہیں نہ اپنی حفاظت کر سکتے ہیں نہ اپنے اہل و عیال کو بیرونی حملوں سے بچا سکتے ہیں۔ نہایت کرب و بلا کی حالت میں مبتلا ہیں"۔

حضرت عائشہؓ کو مدینے کے یہ حالات سن کر بہت افسوس ہوا اور آپ دونوں حضرات طلحہؓ اور زبیرؓ کو ساتھ لے کر مکہ واپس لوٹ گئیں اور آئندہ کے لئے کسی عملی اقدام اٹھانے کی بابت صلاح و مشورہ شروع کر دیا۔ چار ماہ گذر چکے تھے اور حضرت علیؓ کی طرف سے کسی عملی اقدام کی کوئی خبر نہیں آئی تھی۔ آخر حضرت طلحہؓ، زبیرؓ اور دیگر صحابہ جو بیعت رضوان میں موجود تھے اپنے اس عہد کو جو انھوں نے حضور اکرم صلعم کے دست مبارک پر اللہ سے کیا تھا اسے پورا کرنے اور کرانے کیلئے

اٹھے۔

یہ وہی عہد تھا کہ جب آپ صلعم عمرہ کیلئے تشریف لے گئے اور حضرت عثمانؓ کو سفیر کی حیثیت سے قریش کے پاس یہ سمجھانے کے لئے بھیجا تھا کہ ہم لڑنے نہیں آئے ہیں عمرہ کر کے لوٹ جائیں گے چنانچہ قریش نے حضرت عثمانؓ کو روک لیا اور یہ خبر مشہور ہوئی کہ آپ شہید کر دیئے گئے ہیں۔

اسی کے متعلق علامہ شبلیؒ فرماتے ہیں۔

"شہادت عثمانؓ کی خبر حضور صلعم کو پہونچی تو آپ نے فرمایا کہ عثمانؓ کے خون کا قصاص لینا فرض ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہ سے جان نثاری کی بیعت لی۔ تمام صحابہ نے جن میں مرد و زن دونوں شامل تھے ولولہ انگیز جوش کے ساتھ دست مبارک پر جان نثاری کا عہد کیا۔ یہ تاریخ اسلام کا ایک مہتم بالشان واقعہ ہے اور اس بیعت کا نام بیعت رضوان ہے۔"

اس بیعت پر آنحضرتؐ کے ہاتھ کو اللہ نے اپنا ہاتھ قرار دیا اور آنحضرت صلعم نے اپنے ایک دست مبارک کو دوسرے پر رکھ کر فرمایا۔

"یہ ہمارا ہاتھ ہے اور یہ عثمانؓ کا ہاتھ اور ان کی جانب سے خود ہی بیعت کی۔"

اللہ تعالےٰ نے اس بیعت پر نہایت رضامندی کا اظہار فرمایا اور تمام بیعت کرنے والوں کو قرآن میں یہ مژدہ سنایا۔

لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبہم فانزل السکینۃ علیہم۔

اللہ کا یہ ارشاد رضامندی اور اس کے محبوب رسولؐ کے مقدس ہاتھ کو

عثمانؓ کا ہاتھ قرار دینا اور کسی صحابی کے خون کا انتقام لینے کے لئے تمام موجودہ صحابہ سے جن کی تعداد تقریباً اس وقت اس مقام پر چودہ سو تھی بیعت لینا حضرت عثمانؓ کی فضیلت اور بزرگی کی سب سے بڑی دلیل ہے جو کسی صحابی کو نصیب نہیں ہوئی

یہ بیعت دراصل رسول کا صحابہ سے عہد لینا اس مقصد کے لئے تھی کہ آئندہ پیش آنے والے واقعات میں اس مثال کو نمونے کے طور پر محفوظ رکھنا تھا۔

خدائے علیم و خبیر ہی کو علم تھا کہ قصاص عثمانؓ کی جو بیعت لی جا رہی ہے وہ اس موقع پر نہیں کہ عثمانؓ زندہ بچ آئیں گے بلکہ آئندہ اندوہناک موقع کی ہے جب سبائیوں کی منظم سازش سے حضرت عثمانؓ خلیفہ وقت کی حیثیت سے رسول اکرم صلعم کے ان دو حکموں کی تعمیل کرتے ہوئے انتہائی مظلومیت سے مقتول ہوں گے۔

۱۔ ایک یہ کہ اے عثمانؓ جو قمیص (عبائے خلافت) اللہ تمہیں پہنائے اسے لوگوں کے مطالبہ پر تن سے نہ اتارنا۔

۲۔ دوسرے یہ کہ خبردار! مسلمان کی تلوار کسی مسلمان کے خلاف نیام سے نہ نکلے۔

یہی حالات و محرکات طلب قصاص کے تھے نہ کہ کوئی وقتی و سیاسی غرض جیسا کہ ظفر صاحب نے ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔

حضرت ام المومنین بی بی عائشہؓ نے بیعت الرضوان کے تحت اپنی ذمہ داری سمجھی اور امت کی ماں ہونے کا یہ تقاضہ جانا اور امت کی اصلاح کیلئے کھڑی ہو گئیں۔ نہ کہ بقول ظفر صاحب فتنہ کے لئے (معاذ اللہ) لہذا آپ نے حضرت عثمانؓ کی بے گناہ خون کے قصاص کی دعوت عام دیدی۔ یہ خبر سنتے ہی مسلمان جمع ہو گئے آپ نے ان کے سامنے ایک تقریر فرمائی۔

"لوگو! مختلف قبیلوں کے عوام، اجنبیوں اور اہل مدینہ کے غلاموں نے چند معمولی باتوں پر اس شخص (حضرت عثمانؓ) کو مظلوم شہید کر دیا ہے۔ ان کے پاس اس فعل کی کوئی حجت نہ تھی۔ انھوں نے سرکشی کر کے حرام خون بہایا۔ بلد حرام اور شہر حرام کو حلال کیا۔ ناجائز طریقے سے دوسرے کے مال پر قبضہ کیا۔ خدا کی قسم عثمانؓ کی ایک انگلی ان کے جیسے سارے روئے زمین کے عوام سے بڑھ کر ہے۔ میں اس لئے واپس ہوئی ہوں کہ عثمانؓ مظلوم شہید کر دیئے گئے اس شور و غوغا اور فتنہ فساد کی اصلاح اس طرح نہ ہو گی۔ عثمانؓ کے خون کا قصاص لیکر اسلام کو معزز کر دو۔"

ام المومنین کی زبان سے خلیفہ مظلوم کے قصاص کی دعوت پر ہزاروں مسلمان سر فروشی کے لئے آمادہ ہو گئے سب سے پہلے عبداللہ بن عامر خضری والی مکہ نے اس دعوت کا جواب دیا۔ عموی خاندان کے تمام افراد جو مکہ بھاگ آئے تھے۔ ساتھ ہو گئے۔ ایک رئیس یعلیٰ بن امیہ نے چھ سو اونٹ اور چھ لاکھ درہم نقد پیش کئے۔ عبداللہ بن عامر نے چھ سو سواریوں اور ان کے پورے اخراجات کا انتظام کیا۔ حرمین کے ایک ہزار آدمیوں نے ساتھ دیا۔ اور شرکار کی مجموعی تعداد تین ہزار ہو گئی۔ اس کے علاوہ تمام امہات المومنین ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گئیں

اس وقت چار مقامات فسادیوں کی آماجگاہ بنے ہوئے تھے۔ مدینہ، بصرہ، کوفہ اور مصر۔ سب سے زیادہ ان کا زور بصرہ میں تھا اس لئے صلاح مشورہ کے بموجب یہ طے ہوا کہ سب سے پہلے بصرہ کو فتنہ سے بچایا جائے۔ چنانچہ یہ فوج بصرہؓ روانہ ہو گئی۔ امہات المومنین مدینے جانے کا ساتھ دینے کے لئے

ؔ تمام اہل سیر اس پر متفق ہیں کہ ام المومنین عائشہؓ نے بصرہ کے باہر قیام فرمایا کیونکہ آپ وہاں کے نظم و نسق میں اختلال نہیں پیدا کرنا چاہتی تھیں۔

تیار تھیں۔ لیکن جب بصرہ کوچ کا حکم ہوا تو انھوں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔
اگر طلحہؓ و زبیرؓ اور عائشہؓ کا مقصد حضرت علیؓ سے خلافت لینا یا پریشان کرنا ہوتا اور بقول ظفر صاحب عائشہؓ سیاست معاویہؓ کا نشانہ بن گئی ہوتیں تو سب سے پہلے مدینہ پر حملہ آور ہوتیں۔ مگر ان حضرات کے باطن ظاہر سے اچھے تھے یہ وہم البتہ سبائیوں کو ہوا ہوگا۔ جن کو حضرت عائشہؓ کے اس اقدام سے موت نظر آرہی تھی جیسا کہ آگے معلوم ہوگا۔

یہ لشکر بصرہ کے قریب پہونچا تو عثمان بن حنیف نے جو حضرت علیؓ کی طرف سے بصرہ کا حاکم تھا۔ عمران بن حصین کو تحقیق حال کیلئے بھیجا انھوں نے آنے کا سبب دریافت کیا۔ اس کے جواب میں حضرت عائشہؓ نے یہ تقریر فرمائی

"خدا کی قسم میرے رتبے کے لوگ اپنے ارادے کو نہیں چھپاتے اور نہ کوئی ماں اپنے بیٹوں سے کوئی حال چھپاتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ عوام اور جھگڑالو لوگوں نے حرم رسولؐ (مدینہ) پر حملہ کیا اور اس میں فتنہ و فسادؐ برپا کرکے اور فتنہ پردازوں کو پناہ دیکر اپنے

ل ظفر صاحب نے یزید پر یہ بہتان تو خوب اُچھال کر دیا کہ "یزید کا دوسرا کارنامہ جو تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھنے کے لائق ہے وہ مکہ مدینہ کی بے حرمتی اور تباہی ہے جو امن و سلامتی کے گہوارے سمجھے جاتے تھے" جس کی اصلیت ہے، حقیقت اور جسارت یہ کہ اس بے حرمتی پر جو مکہ و مدینہ میں زور و شور اور علی الاعلان باغیوں کی طرف سے جاری تھی اپنی آنکھیں بند کرلیں جس کی تصدیق حضرت عائشہؓ فرما رہی ہیں۔ کم از کم اس بے حرمتی پر بھی جو اول تاریخ کے صفحات میں مذکور ہے۔ قارئین کی توجہ دلائی ہوتی جس سے آپ کی بے لوث اور غیر متعصبانہ تاریخ دانی کا ثبوت ملتا۔ کیا محض اس وجہ سے کہ وہ سب حضرت علیؓ کو دور خلافت میں رونما ہوئی ہیں پردہ ڈال دیا اور کیا آپ کی اس پردہ پوشی سے موجودہ یا آئندہ والی نسل علویان و امحان جن کی مدح سرائی میں آپ رطب اللسان نظر آتے ہیں خوش ہوں گے اور کیا ان کی عقلوں پر پردہ پڑا رہے گا۔
ظفر صاحب! جو بات آپ کے دماغ میں ہے اسے نکال دیجئے (باقی اگلے صفحہ پر)

کو خدا و رسول کی لعنت کا مستحق بنا لیا۔ انھوں نے بے سبب اور بے گناہ امام المسلمین کو شہید کیا ناحق خون بہایا۔ اس مال کو لوٹا جوان کے لئے حرام تھا۔ مقدس شہر اور متبرک مہینہ کی بے حرمتی کی لوگوں کی آبرو ریزی کی۔ مسلمانوں کو مارا۔ ان کے گھروں میں زبردستی گھس گئے جوان کے وہاں رہنے کے روادار نہ تھے انھوں نے ان کو نقصان پہونچایا۔ مسلمانوں کو ان سے بچنے کی طاقت ہے نہ وہ ان سے محفوظ ہیں۔ میں مسلمانوں کو لیکر اس لئے نکلی ہوں کہ لوگوں کو بتاؤں کہ ان سے مسلمانوں کو کیا نقصان پہونچ رہا ہے۔ خدا فرماتا ہے۔

لاخیر فی کثیر من نجواھم الا من امر بصدقۃ او معروف او اصلاح بین الناس ۃ

ترجمہ: لوگوں کو بہت سی سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں مگر یہ کہ خیرات اور عام نیکی کا حکم دیں اور لوگوں کے درمیان اصلاح کریں۔

ہم اصلاح کے لیے اٹھے ہیں جس کا خدا ورسولؐ نے ہر چھوٹے بڑے

(بقیہ پچھلے صفحہ سے آگے) اب رافضائی علویوں کا وہ دور جہالت ختم ہو گیا کہ جس نے جس طرف چاہا موڑ دیا اور راہ سے بے راہ کر دیا۔ اب آپ کی چمچہ گیری نہیں چلے گی اب انہیں اللہ کے فضل سے سمجھ دار، صاحب علم و فراست اور آپ سے زیادہ تاریخ داں حضرات موجود ہیں اب آپ ان کو اہل سنت والجماعت سے شیعیت کی طرف نہیں بہکا سکتے اب آپ ان کو سنیوں کے پردہ سے اپنی طرح صحابہ کرام پر لعن طعن اور تبرا بازی کرنا نہیں سکھا سکتے۔ یہ تبرائیوں کے تبرا بازی کے تیر آپ اپنے سینے سے لگائے رکھئے ہم تو بہر حال اس بے حرمتی کے اقدام کو باغیوں کی طرف منسوب کر کے جیسا کہ تاریخ کہتی ہے ان ہی کو قابل ملامت اور ذلیل و خوار سمجھیں گے۔

اور زن و مرد کو حکم دیا ہے۔ یہ ہے ہمارا وہ نیک مقصد جس پر تم کو آمادہ کر رہے ہیں اور جس کی برائی سے تم کو روکنا چاہتے ہیں۔

عثمان بن حنیف نے اس مشورہ کو قبول نہیں کیا اور بزور حضرت عائشہ رض کو روکنے کا ارادہ کیا۔ بعض لوگوں نے سمجھایا کہ جب تک حضرت علیؑ نہ آجائیں اس وقت تک نرمی۔ صلح و آشتی سے کام لینا چاہیئے۔ لیکن ابن حنیف نے یہ مشورہ قبول نہیں کیا اور فوج کو حکم دے کر مقابلہ کے لئے نکلا۔ حضرت طلحہ اور زبیر بھی مقابلہ کے لئے آگے بڑھے۔ اس موقع پر حضرت عائشہ نے پھر تقریر کی۔

"لوگ حضرت عثمان بن عفان رض پر اعتراض کرتے تھے اور ان کے عہدیداروں کی برائیاں بیان کرتے تھے اور مدینہ آکر ہم سے شکایت بیان کرکے مشورہ چاہتے تھے۔ ہم ان شکایتوں پر غور کرتے تو عثمان رض کو نیکوکار۔ پرہیزگار اور راست باز اور شکایت کرنے والوں کو گنہگار۔ غدار اور جھوٹا پاتے تھے ان کے دل میں کچھ تھا زبان پر کچھ۔ جب ان کی تعداد اور قوت بڑھ گئی تو عثمان کے گھر میں گھس گئے اور بغیر کسی سبب اور عذر کے ناحق و معصوم خون بہایا۔ قابل عزت شہر کی بے حرمتی کی۔ خبردار ہو جاؤ! جو کام تمہیں کرنا ہے اور جس کے خلاف کرنا سزا ہے وہ عثمان کے قاتلوں کی گرفتاری اور کتاب اللہ کے احکام کا اجرا ہے۔ خدا نے فرمایا ہے۔

الم تر الی الذین اوتو نصیبا من الکتاب یدعون الی کتاب اللہ۔ الخ

(کیا تم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جن کو کتاب اللہ کا ایک حصہ دیا گیا ہو

کہ کتاب اللہ کی جانب ان کو دعوت دی جاتی ہے)

اس تقریر[1] کا خود عثمان بن حنیف کی فوج پر اتنا اثر ہوا کہ فوج کے ایک حصہ نے یہ کہہ کر کہ ام المومنین سچ فرماتی ہیں ابن حنیف کا ساتھ چھوڑ دیا لیکن حنیف بن حیط نے جس کے یہاں عبداللہ بن سبا سب سے پہلے آکر ٹھہرا تھا۔ دوسرے دن صبح عثمان اور حکیم دونوں نے جنگ شروع کردی۔ حالانکہ حضرت عائشہ کا منادی برابر آواز دیکر جنگ سے روک رہا تھا۔ لیکن جنگ نہ رکی یہاں تک کہ عثمان اور حنیف کو

---

[1] یہ پوری تقریر ظفر صاحب کے اس لغو بیان کی تردید کررہی ہے جو انھوں نے اپنی کتاب "خاندان علویان وامغان" کے صفحہ ۲۰ اور ۲۱ پر بہتان کے طور پر درج کیا ہے۔ جیسا کہ وہ پوری کتاب میں دبی دبی زبان سے عثمان غنی اور امیر معاویہؓ پر لعن طعن کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہاں بھی عثمان غنیؓ کی شخصیت کو اپنے الفاظ کے تیروں اور چھپے ہوئے دل کے نشتروں سے مجروح کرنے میں سینہ سپر ہیں۔ کاش وہ انصاف پسندی سے حضرت عثمانؓ کے خلاف شکایات اور الزامات کو مفسدوں اور باغیوں کی شرارت اور فتنہ سمجھتے ہوئے ان کو کالعدم قرار دیتے اور سبائیوں پر بھی جرأت سے کام لیتے ہوئے ان کے عزائم اور شر کا پردہ چاک کرتے۔ چہ جائیکہ یہ فرمانا کہ "شکایت کا صحیح طور سے ازالہ نہ ہوسکنے کی وجہ سے شورش بڑھتی گئی جو آپ کی شہادت پر منتج ہوئی" حضرت عثمان غنیؓ پر ایسی کاری ضرب ہے جس کے آگے ابو حرب غافقی کی بھی کوئی حقیقت نہیں جس کی ضرب سے آپ شہید ہوئے۔

لفظ "صحیح طور سے ازالہ نہ ہونے سے آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ اور اس فقرے سے مسلمانوں کی خاص کر خاندان علویان وامغان کی آنکھوں میں دھول جھونکنا چاہتے ہیں کہ وہ تمام الزامات اور شکایتیں جو خلیفہ عثمانؓ پر عائد کی گئیں سب درست تھیں۔ اور آپ کے ساتھ جو سلوک کیا گیا وہ عین کار ثواب اور درست تھا۔ کیونکہ بقول آپ کے ان الزامات کی تردید آپؓ نہیں کرسکے تھے۔ لیکن تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ سبائیوں کے ایک ایک اعتراض کا مدلل اور مفصل جواب دیا گیا یہاں تک کہ اس کی تائید میں درست ہے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

شکست ہوئی اور صلح کرلی جس کی قرارداد یہ ہوئی۔

کہ مدینہ ایک آدمی معتبر قسم کا روانہ کیا جائے جو یہ معلوم کرے کہ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ سے زبردستی بیعت لی گئی ہے یا نہیں اگر واقعی جیسا کہ ان کا بیان ہے کہ ان کے سروں پر تلوار رکھ کر بیعت لی گئی ہے تو ہم لوگ بھی آپ کے ساتھ ہو جائیں گے ورنہ آپ ہمارے ساتھ ہو جائیں چنانچہ بصرہ کے قاضی حضرت کعبؓ مدینہ روانہ کئے گئے انھوں نے پہونچکر مسجد نبوی میں پکار کر کہا۔ مجھ کو اہل بصرہ نے بھیجا ہے کہ دریافت کروں کہ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ سے زبردستی بیعت لی گئی ہے یا انھوں نے بخوشی بیعت کی ہے۔ سب لوگ خاموش رہے۔ لیکن حضرت اسامہ بن زیدؓ نے صاف کہدیا کہ دونوں سے جبراً بیعت لی گئی ہے۔ اس پر سہیل بن حنیف اور ان کے ساتھیوں نے عین مسجد نبوی میں ان پر حملہ کر دیا اگر ابوایوب

(بقیہ پچھلے صفحہ سے آگے) صحیح ہے۔ آپ نے بجا فرمایا" کی آوازیں بلند ہونے لگیں اور مطمئن ہو کر باغی واپس چلے گئے۔ یہ دوسری بات ہے کہ سبائیوں کے مطمئن ہو جانے پر آپ بے چین ہوں اور عداوت کی فصیل پر چڑھ کر یونہی اعتراض کے تیر برسانا چاہتے ہوں اور شقاوت کے پتھروں سے خلیفہ مظلوم کا جسم عالم ارواح میں لہولہان کرنا چاہتے ہوں۔ جس طرح مسجد نبوی میں باغیوں نے آپ پر برسائے تھے۔ لیکن عائشہؓ صاف فرما رہی ہیں کہ شکایت کرنے والے گنہگار غدار اور جھوٹے ہیں بغض خواہ زبان سے ہو یا دل سے وہ غدار اور جھوٹے ہی رہیں گے اور ظفر صاحب! عائشہؓ کا یہ فقرہ وقتی نہ تھا رہتی دنیا تک رہے گا یہ فقرہ کسی خاص افراد کے لئے نہ تھا مگر اس کا اطلاق قیامت تک ان افراد پر ہوگا جو ان کی بغاوت اور غداری کو سراہ رہے ہیں یا الفاظ کے گورکھ دھندے میں الجھا کر عثمانؓ کے خون ناحق پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ سمجھ لیجئے یہ ایک عفیفہ ماں کے منھ سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں۔

انصاری رضؓ، صہیبؓ اور محمدؓ بن مسلمہؓ نے نہ بچایا ہوتا تو لوگ حضرت اسامہؓ کو قتل کر دیتے۔ حضرت علیؓ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو انھوں نے عثمان بن حنیف کو خط لکھا تم تساہلی سے کام لے رہے ہو۔

اگر ان سے جبراً بیعت لی گئی ہے تو کیا ہوا کیونکہ وہ اتحاد پر مجبور ہو گئے تھے نہ کہ افتراق پر۔

قاضی بصرہ حضرت کعبؓ بصرہ پہونچے اور سارا واقعہ بیان کیا تو حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ نے عثمان سے کہا کہ اب تو تم کو ہماری بات کی تصدیق ہو گئی ہے لہٰذا قرارداد کے مطابق ہمارے لشکر میں شریک ہو جاؤ۔ لیکن انھوں نے خلیفہ حضرت علیؓ کے حکم پر انکار کر دیا اور پھر لڑائی شروع ہو گئی۔ عثمان گرفتار ہوئے لیکن حضرت عائشہؓ کے حکم پر ان کو رہا کر دیا گیا۔ حکیم بن حبیلہ اور اس کے ساتھی جو حضرت عثمانؓ کے خون میں شریک تھے قتل کیے گئے۔

حضرت علیؓ کو جب حضرت عائشہؓ کے قصاص عثمانؓ کی دعوت اور بصرہ جانے کی اطلاع ملی تو آپ جو اتنک حضرت معاویہؓ سے مقابلے کی تیاری میں مصروف تھے ارادہ بدل کر اپنی فوج کو فوراً بصرہ لے کر مقابلہ کیلئے روانہ ہوئے۔ جس میں سبائیوں کی بہت بڑی تعداد موجود تھی۔

حضرت علیؓ کو اس مقابلہ میں یہ دشواری پیش آئی کہ اکثر محتاط اہل مدینہ اور اکابرین صحابہ اس خانہ جنگی کے خلاف تھے جب عبداللہ بن عمرؓ کو بلا کر آپ نے فرمایا کہ میرا ساتھ دو، تو انھوں نے فرمایا کہ میں اہل مدینہ کے ساتھ ہوں جو وہ کریں گے وہی میں بھی کروں گا۔ اہل مدینہ اس مسئلہ کو مشتبہ سمجھتے تھے۔ لہٰذا کوئی فیصلہ نہ کر سکے۔ جب آپ مدینہ سے نکل کر مقام ربذہ میں پہونچے تو کوفہ کی طرف حضرت حسنؓ۔ عمار بن یاسرؓ، ہاشم بن عتبہ وغیرہ کو روانہ کیا کہ وہاں کے لوگوں کو ہماری

مدد کے لئے بلائیں۔ جب یہ حضرات پہونچے تو والی کوفہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ لوگوں کو جنگ میں شرکت سے منع کر رہے تھے کہ

"لوگو! میرا کہنا مانو تم عرب کی بیخ و بنیاد بن جاؤ کہ مظلوم تمہارا سہارا پکڑیں اور خوفزدہ تمہارے دامن میں پناہ لیں۔

لوگو! جب فتنہ آتا ہے تو پہچانا نہیں جاتا جب گذر جاتا ہے تو اس کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ معلوم نہیں اس فتنہ کا سرچشمہ کہاں سے پھوٹتا ہے اپنی تلواروں کو نیام میں رکھ لو۔ نیزوں کے پھل اتار دو۔ کمانوں کی تانت کاٹ دو۔

لوگو! فتنہ کے زمانہ میں سونے والا کھڑے ہونے والے سے اور کھڑا رہنے والا اس میں پڑ جانے سے بہتر ہے۔"

اس تقریر کا اہل کوفہ پر خاطر خواہ اثر ہو رہا تھا۔ لیکن حضرت حسن رضؓ[1] برداشت نہ کر سکے اور ابو موسیٰ اشعریؓ کو مسجد سے نکال دیا اور خود تقریر کر کے لوگوں کو حضرت علیؓ کی امداد پر آمادہ کیا۔ جب یہ لشکر بصرہ کے قریب پہونچا تو حضرت علی رضؓ نے قعقاع بن عمروؓ کو جو کوفہ کے رؤسا اور خیر خواہ امت میں سے تھے۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ سے مفاہمت کی گفتگو کے لئے روانہ کیا۔ تفصیلی گفتگو کی اس مختصر سی کتاب میں پیش کرنے کی گنجائش نہیں ہے اور نہ منظر کشی مقصود ہے۔ لہٰذا اس گفتگو کے نتائج پیش کرنے پر اکتفا کروں گا قعقاعؓ کی گفتگو بہت موثر

---

[1] یہ مرنجان مرنج بزرگ اگر تحمل سے کام لیتے جنگ سے گریز کرتے اور ابو موسیٰ اشعریؓ کو مسجد سے نکال کر خود اہل کوفہ کو جنگ کیلئے آمادہ نہ کرتے تو کم سے کم کوفہ کے دس ہزار نفوس اس جنگ سے علیحدہ رہتے اور طرفین سے جنگ جمل میں دس ہزار آدمی نہ قتل ہوتے۔

ثابت ہوئی حضرت عائشہؓ ۔ طلحہؓ و زبیرؓ نے آپ کی رائے کو پسند کیا اور کہا کہ حضرت علیؓ بھی اگر اس خیال سے متفق ہوں تو معاملات اصلاح پذیر ہو جائیں گے۔ قعقاعؓ واپس آئے اور حضرت علیؓ کو یہ مژدہ سنایا آپ بہت خوش ہوئے اور ذی قار سے مزید صلح کی باتیں طے کرنے کے لئے بصرہ پہونچ گئے۔ سفیروں کی آمد و رفت شروع ہوئی۔ اللہ کی ہدایت پہونچی اور تمام امور بالاتفاق طے ہو گئے، اور فریقین اس پر متفق ہو گئے کہ قاتلان عثمانؓ کو صفوں سے نکال دیا جائے اور دونوں فریق مل کر ان کی سرکوبی کریں۔

لوگ مطمئن ہو گئے اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو گئے اور شکر ادا کیا کہ ایک بڑی خونریزی سے اللہ نے بچا لیا۔ رات لوگ اطمینان سے سوئے۔ ان کو یقین تھا کہ صلح میں اب کسی قسم کی گنجائش اور شبہ نہیں ہے، اور حقیقت میں تھا بھی یہی کہ طرفین نے بڑے خلوص اور خدا ترسی کے ساتھ صلح و آشتی کی گفتگو پایۂ تکمیل کو پہونچی تھی اور اس میں حضرت قعقاعؓ کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ اللہ ان سب کو جزائے خیر دے۔

لیکن قدرت کا ابھی امتحان باقی تھا۔ مسلمانوں کی تلواریں مسلمانوں ہی پر چلنی تھیں حضرت عثمانؓ کا خون ایک نئے انداز سے رنگ لایا۔

اچانک رات کا سکون بہت بڑے تاریخی طوفان کا پیش خیمہ بن گیا۔

سبائیوں نے اس اتفاق اور صلح کو اپنی موت سمجھا اور طرفین کی پرخلوص صلح و آشتی کا رنگ دیکھ کر وہی لوگ جنھوں نے عثمانؓ کے خلاف فتنہ اٹھایا تھا۔ اب ایک نئی چال اور نئے انداز سے فتنہ اٹھانا چاہتے تھے۔

چنانچہ اشتر نخعی۔ ابن السودا۔ خالد بن ملجم۔ علیا بن ہیثم۔ شریح بن ابی اوفیٰ وغیرہ نے باہم مشورہ کیا اور ابن السودا کی رائے کے تحت طے پایا کہ صبح ہونے سے پیشتر ہی دونوں فوجوں پر حملہ کر دیا جائے۔ جب ایکبار شعلہ

بھڑک جائے گا۔ تو پھر علیؓ اپنے بچاؤ کے لئے خود جنگ پر مجبور ہو جائیں گے۔ چنانچہ رات ہی رات یہ لوگ پھیل گئے اور پچھلی رات اندھیرے میں دونوں فوجوں پر حملہ کر دیا۔ یہ دونوں فریق کے لئے غیر متوقع حملہ تھا۔ حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ نے اس شعلہ کو بجھانے کی بہت کوشش کی۔ لیکن دونوں فریق کے اور لوگوں نے یہی گمان کیا کہ ایک دوسرے نے بدعہدی کی ہے۔ حضرت معاویہؓ اس تمام عرصہ بالکل خاموش رہے۔ حضرت علیؓ کی مخالفت کا ادنیٰ خیال بھی ہوتا یا پہلے سے کوئی سوچی سمجھی تدبیر ہوتی یا حضرت عائشہؓ سے کوئی سیاسی ساز باز ہوتی تو ان کے لئے بہت آسان تھا کہ اپنی زبردست فوج لے آتے اور حضرت علیؓ کو ان کا مقابلہ کرنے ممکن نہ رہتا۔ یا حضرت عائشہؓ اپنی امداد کے لئے معاویہؓ کو ایک پرچہ لکھ کر بھجوا دیتیں تو سارا میدان معاویہؓ کی شامی فوج سے بھرا ہوتا۔ مگر وہاں تو حضرت معاویہؓ اور اصحابِ جمل کا مقصد فساد نہ تھا۔ وہ تو تعمیری انداز میں امت کو اس تخریبی تحریک نے جو بلوائیوں نے پیدا کی تھی نجات دلانا چاہتے تھے جو فریقین کی صلح سے بہرہ میں پوری ہوئی۔ مگر برا ہو حضرت علیؓ کے فوج والے سبائی فتنہ پردازوں کا جن کو پھوٹی آنکھ یہ صلح نہ بھائی اور نئے انداز سے دوسرا فتنہ کھڑا کر دیا کہ عوام کو پتہ بھی نہ چلے کہ اس میں سبائیوں کا ہاتھ ہے۔ خواص تو ہمیشہ سمجھ لیں گے اور اس وقت بھی سمجھ گئے جب ہی تو حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ نے اس شعلہ کو بجھانے کی کوشش کی تھی۔

یہ تاریخ اسلام کا پہلا دن تھا کہ مسلمانوں کی دو جماعتیں باہمی خونریزی کے لئے تلواریں کھینچ کر سامنے آئیں۔ باہمی آویزش کی یہ جنگ جمل بڑی تلخ اور دل گداز داستان ہے۔ اس لئے ہم اس کی تکلیف دہ کیفیت کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف اتنا کہہ کر اس بیان کو ختم کرتے ہیں کہ اس جنگ میں

طرفین سے دس ہزار آدمی مارے گئے۔ حضرت زبیرؓ واپسی میں وادی سباع میں نماز پڑھتے ہوئے ایک شقی سبائی عمرو بن جرموز کے ہاتھوں سجدہ کی حالت میں شہید ہوئے۔ حضرت طلحہؓ ان کے بیٹے محمد اور عبدالرحمٰن بن عتاب وغیرہ بھی شہید ہوئے، اور سبائی فتنہ پردازوں کا جس میں قاتلان عثمانؓ بھی شامل ہیں ۳/۴ حصہ جنگ جمل میں موت کے گھاٹ اتارا گیا اور جو ۱/۴ باقی بچا اس میں ۳/۴ کو حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی دست برداری خلافت کے بعد ملکوں سے ڈھونڈ کر تہ تیغ کیا باقی ۱/۴ جو پہاڑوں جنگلوں میں روپوش ہو کر بچ نکلا اس کی ذریت آج بھی چلی آرہی ہے۔

وہ تو کہئے اللہ کو کچھ اچھا کرنا منظور تھا۔ کہ حضرت عائشہؓ بچ گئیں ورنہ تمام عالم اسلام میں اتنا شدید زلزلہ آتا کہ نہ خلافت باقی رہتی نہ مملکت۔

کاش ظفر صاحب! دیانت سے واقعات کا تجزیہ کرتے تو کیوں اس معصیت میں مبتلا ہوتے کہ جس ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔ جس ماں سے نصف دین ہم تک پہونچا۔ جس ماں کا ذکر قرآن کرے اور اللہ اس کی رفعت شان اور دلجوئی کا اتنا خیال فرمائے کہ ان کے خلاف بہتان قائم کرنے والے منافقوں کا جواب سورہ برارت نازل فرما کر خود تردید کرکے صدیقہ کا لقب دے۔ ان ماں کی شان میں ظفر صاحب صرف عائشہ "عائشہ" تحریر فرماتے ہیں۔ حضرت ام المومنین اور رضی اللہ عنہا۔ شرم، شرم، شرم، اور پھر کتنی ڈھٹائی سے کہتے ہیں کہ "عائشہؓ سیاست معاویہ کا نشانہ بن گئیں" اور ان سبائیوں کو جن کی غداری اور عیاری سے لڑائی چھڑی جو اس کشت وخون کے ذمہ دار تھے اپنے گلے سے لگاتے ہیں۔ ان کی پوری کتاب میں صحابہ رضی اللہ عنہم پر تو لعن طعن بڑی جسارت سے کی گئی ہے لیکن اس نام نہاد مورخ کے قلم سے سبائیوں اور

غداروں کے خلاف ہم کو ایک لفظ بھی نہیں ملتا۔ ظفر صاحب! یہ تصورات تو صحابہ کرام کے دشمنوں کے ہیں۔ جس میں حضرات اہل بیت رضؓ بھی شامل ہیں۔

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملا
کار طفلان تمام خواہد شد

جنگ جمل میں ہزاروں کا خون ابھی خشک بھی نہ ہوا تھا۔ رنج والم کا سیلاب ابھی تھما بھی نہ تھا۔ زخم ابھی مندمل بھی نہ ہوئے تھے کہ ایک اور میدان کارزار گرم ہونے کے لیئے ریشہ دوانیاں ہو رہی تھیں ایک نئی زمین لہو سے سیراب ہونے والی تھی۔ فلک ایک اور خونچکاں تاریخ مرتب کرنے کی تیاری کر رہا تھا، اور یہ جنگ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان کرائی گئی اور اس کے لیئے وہ زمین منتخب کی گئی جو تاریخ کے اوراق میں (جنگ) صفین کے نام سے مشہور ہوئی۔

اس کے کیا وجوہ تھے، کیا اسباب تھے یہ کس تحریک کا باعث بنی اور کون سے محرکات تھے جن کے تحت یہ چنگاری شعلہ بنی اور اس شعلہ نے مسلمانان عالم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، اور دونوں بزرگوں علیؓ اور معاویہؓ کے درمیان کونسی ایسی نزاع تھی کہ ظفر صاحب کو اس وقتی کشیدگی کو فتنہ کے نام سے موسوم کرنا پڑا۔

مورخوں نے بھی اسلام کے اس درخشاں دور اور حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے آپس کے تعلقات کو جس قدر مسخ کر کے پیش کیا ہے اور جو دل سوز تصویر ہمیں دکھائی ہے شاید پورے دور اسلامی میں اس کی مثال مل سکے خوب خوب قلم کی زور آزمائی کی گئی ہے۔ مسلمانوں کے جذبات کو برانگیختہ کیا گیا ہے وحدت کو پارہ پارہ کر کے تعصب و بغض و عناد کے جراثیم کو ملت

اسلامیہ کے ذہنوں میں پیوست کر کے ایک رسول کے امتیوں کو دو گروہوں میں بانٹ دیا۔ واقعات میں ایسا زہر گھولا کہ وہ مہلک نشہ آج تک نہ اتر سکا، اور شاید یہ زہر ہلاہل تریاق نہ بن سکے۔ بعض مورخوں نے مدح حضرت علیؓ اور بغض معاویہؓ کے جھنڈے گاڑے۔ یہ گروہ مدح حضرت علیؓ میں اس قدر مست ہوا کہ بغض معاویہؓ اور خاندان بنو امیہ کو اپنا ایمان سمجھ لیا۔ اور بعض اہل قلم مدح معاویہؓ میں اتنے بڑھے کہ بغض علیؓ سے اپنا دامن داغدار کر لیا۔

اور ہاں ایسے بھی مورخ ہیں جنھوں نے بین بین راستہ اختیار کیا۔ یا اپنے قلم و زبان سے اُن عالی مرتبت ہستیوں کو ہر قسم کی تیرہ بازی سے محفوظ رکھا ان کو اصحاب رسولؐ گردانتے ہوئے ان کی زندگیوں کو مشعل راہ بنا لیا، اور اگر ان میں کوئی اجتہادی لغزش نظر آئی بھی تو اس کو اپنے لئے تنبیہہ سمجھ کر اصلاح کر لی اور یہی راستہ نجات کا راستہ ہے اسی میں فلاح ہے اور یہی اصول سرکار دو عالم صلعم سے محبت اور اصحاب رسولؐ سے مودت کا آئینہ دار ہے۔

ہم ان کی لغزشوں پر انگلی اٹھانے سے پہلے یہ کیوں نہیں سوچتے کہ ان کی ہر لغزش من جانب اللہ تھی جو کسی نہ کسی اصلاحی پہلو پر مزدر محیط تھی۔ اللہ کو دین اسلام قیامت تک کے لئے نافذ کرنا تھا، اور اسے نافذ و قائم رکھنے کے لئے زندگی کے کل شعبوں کیلئے ایک قانون وضع کرنا تھا اور اس قانون کو عملی طور سے ضابطہ میں لانا تھا۔ تاکہ حضورؐ کے امتیوں کے سامنے دین اسلام پر چلنے کی عملی شکل موجود ہو جس سے وہ راہ سے بے راہ نہ ہو سکیں اور قیامت تک کیلئے یہ قوانین اور ان کی عملی شکل مسلمہ بن جائے۔ اس مقصد کے لئے اصحاب رسولؐ کو منتخب کیا گیا۔ انھوں نے اتباع سنت کی گہرائیوں میں پہونچ کر کیسے کیسے اصول اخذ کئے اور کیسی کیسی راہ نجات کے طریقے ہمارے لئے متعین کر دیئے۔ وہ

نبیوں کی طرح معصوم نہ تھے ان سے اگر غلطیاں نہ سرزد کرائی جاتیں تو خدارا بتاؤ اسلام کو عملی صورت میں کس طرح پیش کیا جاتا۔ قوانین کیسے مرتب ہوتے قانون کا نفاذ کر کے اس کو قابل عمل کیسے ثابت کیا جاتا۔ جرائم کی نشاندہی اور ان پر سزاؤں کا اطلاق کیسے ہوتا۔ ایثار و قربانی کے بے مثال واقعات ہمارے لئے نمونہ کیسے بنتے۔ جہاں کہیں پر اصحاب رسولؐ سے لغزش ہوئی یا کسی مسئلہ کی وضاحت مقصود ہوئی۔ اللہ کے نبیؐ پر وحی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ لغزش کا حل معلوم ہو گیا اور پیچیدہ مسئلہ کی وضاحت ہو گئی۔ قدم قدم پر تنبیہات قدم قدم پر احکامات ہم تک پہونچانے کے لئے اللہ نے اصحاب رسولؐ کو ہمارے لئے ذریعہ بنایا۔ اب اگر ہم ان کے کسی غلط پہلو کو ان کی تضحیک کے لئے دلیل بناتے ہیں تو یہ شقاوت نہیں تو اور کیا ہے۔

افسوس ہمارے ان مورخوں نے جنہوں نے تعصب کو ہوا دے کر فتنہ کو جلا دی۔ علم تاریخ کے ساتھ بڑی بددیانتی کا ثبوت دیا ہے۔ مورخ کا قلم قوم کی تقدیریں بناتا اور سنوارتا ہے۔ قوموں کے سامنے ماضی کے روشن پہلو اجاگر کر کے مستقبل کے لئے لائحہ عمل مرتب کرتا ہے۔ تخریبی پہلو کو درگذر کر کے تعمیری پہلو پیش کرتا ہے اور حقیقتاً یہی مورخ کی دیانت اور اس کی روشن خیالی کا ثبوت ہے۔

مجھے یہاں پر مورخ اور اس کے قلم سے بحث کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ ناظرین کو جھنجھوڑنا مقصود ہے تاکہ وہ جھوٹ اور سچ میں تمیز کر سکیں اور اپنی تاریخ خاص کر اسلام کے زریں عہد اور دامن اصحاب رسول صلعم کو داغدار بنانے سے روکنے کے لئے جیسا کہ ظفر صاحب نے جسارت کی ہے حتی المقدور کوشش کر سکیں۔

ظفر صاحب نے اپنی کتاب میں جس طرح اصحاب رسولؐ اور اسلامی عہد کی دھجیاں اڑائی ہیں۔ اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ ان کا تعلق اور دلی رجحان اسی گروہ سے ہے جس کے نزدیک صرف حضرات ذوات اربع (سیدنا علیؓ۔ فاطمہؓ اور حسنینؓ) اور جو صرف انہی حضرات کو اہلبیت کہتا ہے کا احترام لازمی ہے ان کے علاوہ تمام اصحابؓ اور خاص طور سے حضرت سیدنا معاویہؓ سے بغض کو اپنا ایمان سمجھتا ہے اور یقیناً یہ انداز نہ اسلامی ہے نہ اسلام سے اس کا دور کا تعلق اور نہ اہل سنت والجماعت کے یہاں اس کی کوئی گنجائش ہے۔ یہ عبارت تو وہی کر سکتا ہے۔ جو خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم کو غاصب، حضرت علیؓ کو خلافت کا مستحق، واقعہ قرطاس کو حضرت علیؓ کی خلافت کا پروانہ، قصاص عثمانؓ کو فتنہ قرار دے (العیاذ باللہ) لہذا یہ کیسے ممکن تھا۔ کہ نیش عقرب مصنف اپنی نیش زنی سے چوک جاتے چنانچہ اس کے ثبوت میں انھوں نے مزید زہر یوں اگلا۔

"سیاست معاویہ کا منتہائے نظر کچھ اور تھا بیعت و خلافت تو دل بہلاوے کی چیزیں تھیں۔"

مصنف نے یہاں بھی اپنی فطری بدطینتی، خیانت اور بددیانتی سے کام لیا ہے۔

بدطینتی تو یہ کہ رسولؐ کے معتبر صحابی اور کاتب وحی کو رتبہ صحابہ سے گرا کر اپنا جیسا انسان سمجھتے ہوئے عامیانہ اور دلسوز لہجہ اختیار کیا۔

اور خیانت و بددیانتی یہ کہ ان کی ذات کے ساتھ ساتھ ان کی نیت اور نفس کو بھی سب وشتم کا نشانہ بنایا ہے۔ اور کیسی دیدہ دلیری سے تحریر فرما دیا کہ "بیعت خلافت تو دل بہلاوے کی چیزیں تھیں" گویا ان کے نزدیک حضرت سیدنا عمرؓ نے ملک شام کی اعلیٰ منصبی پر ان کو دل بہلانے کے لئے فائض کیا تھا اور بعد

میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پیروی کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اسی منصب پر دوبارہ قائم رکھا۔ گویا ان دونوں بزرگوں نے بقول آپ کے ان کے دل بہلانے کا پورا پورا خیال رکھا۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام گورنروں سے سب سے زیادہ تنخواہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مقرر فرمائی اور آخر وقت تک ان کے مداح رہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کے لئے تو آپ نے فرمایا تھا کہ

"ابھی عباؤں کے نیچے تلواریں موجود ہیں"

اور — جن کے متعلق حضور اکرم صلعم نے اللہ سے دعا فرمائی کہ "یا اللہ معاویہ کو ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والا فرما"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے بعد ہی سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے۔

مسلم رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ حضور صلعم نے دعا کی کہ الٰہی! "معاویہ کو کتاب کا علم عطا فرما"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کو فقیہ قرار دیتے ہیں۔

علامہ زرکلی فرماتے ہیں کہ حضور صلعم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مقام حضر موت کی طرف بھیجا کہ یہ وہاں کے لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیں اور اسلام سے روشناس کرائیں مگر آج چودھویں صدی کے داعی حق ظفر صاحب، معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف گز بھر کی زبان دراز کرتے ہیں اور ان کے کردار و اعمال کو غلط قرار دے کر انھیں مسلمانوں کی اخلاقی قیادت اور دینی رہنمائی کے لئے ناموزوں سمجھ رہے ہیں اور امت مسلم کی دینی سربراہی کے لئے روشن دلیل سمجھنے سے اعتراض برت رہے ہیں حالانکہ رسول صلعم اور صحابہ کرام آپ کو اہل سمجھتے ہوئے اپنی زبان مبارک سے تائید کر رہے ہیں، لیکن ظفر صاحب ان اقوال کے خلاف ان کو سیاسی اکھاڑے

کا ایک فرد اور ناحق طریقہ سے خلافت پر قابض ہونے کا راگ الاپ رہے ہیں
قربان جائیے ظفر صاحب کی دعوت حق کے ۔ شعر

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

عشرہ مبشرہ کے ایک فرد حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں:۔

"میں نے حضرت عثمانؓ کے بعد اس دروازہ والے (معاویہؓ) سے زیادہ حق فیصلہ کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا"

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:۔

"میں نے ملک پر حکومت و فرمانروائی کے لئے معاویہؓ سے زیادہ لائق اور موزوں کوئی نہ دیکھا۔"

صحابی جلیل حضرت ابو درداؓ اہل شام سے فرماتے ہیں:۔

"میں نے تمہارے اس امام (معاویہؓ) سے زیادہ حضور صلعم کی نماز سے مشابہ کسی کی نماز نہیں دیکھی۔"

گویا ان سادات کی نگاہ میں حضرت سیدنا معاویہؓ

۱۔ حضورؐ کی نماز کے ساتھ مشابہت میں بے نظیر ہیں۔
۲۔ عدل و انصاف میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔
۳۔ حضورؐ کے بعد حکومت و سیاست جہانبانی و فرمانروائی میں اپنی مثال آپ ہیں۔

مگر مؤلف ظفر صاحب کا نظریہ یہ ہے کہ

"معاویہؓ کو اپنی عافیت اسی میں نظر آئی کہ وہ حضرت علیؓ کو جن کی خلافت کو وہ تشویش کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے قدیم تاریخ "یعنی جہالت کی تاریخ" کی

پھر سے ورق گردانی کی جائے اور ایسے حالات روبکار لائے جائیں جس سے ان کی خلافت قائم ہوجائے۔"

چنانچہ آگے لکھتے ہیں کہ ان کو اس کا پورا پورا موقع ملا۔"

یہ تحقیق، تحقیق نہیں بلکہ خلاف و شقاق ہے اور صرف اصحاب رسولؐ ہی سے نہیں بلکہ خود آنحضور صلعم سے خلاف و شقاق ہے کیونکہ حضورؐ نے آپ کو ہادی و مہدی ہونے کی دعا فرمائی اور حضور صلعم جس کے لئے جیسی دعا فرمادیں وہ بارگاہ ذوالجلال میں شرف قبولیت نہ حاصل کرے۔

پھر یہ اصحاب رسول صلعم اور جماعت مسلمین اہل سنت والجماعت سے بھی مخالف ہے اور اتباع غیر سبیل المومنین بھی ہے کیونکہ اجلہ صحابہ کرام نے حضرت معاویہؓ کو امت کی قیادت و امامت، مسلمانوں کی حکومت و سرداری اور ریاست کی رہنمائی و کارفرمائی کے لئے سب سے زیادہ موزوں و مناسب قرار دیا ہے۔

ظفر صاحب اپنی تحقیق کی صحت پر لاکھ مصر ہوں مگر ہم انھیں ازراہ خیراندیشی یہ دعوت دیتے ہیں کہ وہ کتاب اللہ کی وعید شدید کے پیش نظر اپنے اس موقف پر نظر ثانی فرمائیں اور آخرت کے عذاب سے بچنے کی کوشش کریں۔

شعر

مانیں نہ مانیں آپ کو یہ اختیار ہے
ہم نیک و بد جناب کو سمجھائے جاتے ہیں

اس مختصر سی تالیف کی تنگ دامانی کے پیش نظر جس کا مقصد خاص طور پر صرف ناموس صحابہ کی حفاظت اور ان کے خلاف جارحیت کی مدافعت ہے اس سلسلہ کو مختصر کرنے کا ارادہ تھا مگر ضمیر کے مطالبہ اور دل کے تقاضہ سے مجبور ہوکر حضرت معاویہ رضؓ سے متعلق حضور صلعم کے کچھ ارشادات اور حضرات صحابہ رضؓ

کے تاثرات پیش کر دیئے۔ اب ہم اپنے مضمون کی اصل ترتیب کی طرف آتے ہیں۔

جنگ صفین موضوع بحث ہے۔

جنگ جمل کا سورج اپنے خونی اثرات تاریخ کے صفحات پر قائم کر کے اپنے خون آلود چہرے کے ساتھ بصرہ میں ڈوباہی تھا کہ صفین کے میدان میں بڑے بھیانک انداز کے ساتھ پھر طلوع ہوا۔ پھر مسلمانوں کی تلواریں آپس میں بے نیام ہوئیں۔ پھر خون کے دریا بہے، پھر کشتوں کے پشتے لگے۔ لیکن مظلوم خلیفہ کا بیگناہ بہایا ہوا خون اب بھی اپنا قصاص طلب کر رہا تھا، اور شائد قیامت تک یہ قصاص اسی طرح لیا جاتا رہے اسی طرح مسلمانوں کی تلواریں آپس میں بے نیام ہوتی رہیں اور لہو بہتا رہے۔

کاش! حضرت عثمان غنی رضؓ کے زبان مبارک سے نکلے ہوئے وہ الفاظ ہماری تقدیر نہ بنتے جب آپ نے فرمایا۔

"یاد رکھو! بخدا اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو پھر قیامت تک ایک ساتھ نماز پڑھو گے اور نہ ایک ساتھ جہاد کرو گے۔"

پس وہ دن ہے اور آج کا دن وحدت اسلامی میں جو رخنہ پیدا ہوا وہ آج تک نہ بند ہو سکا۔ بلکہ امت پر قتل وغارت کے دروازے کھل گئے۔ مت بھولو! یہ انتقام قدرت کا انتقام ہے، اور عرش کا فیصلہ تو اسی وقت ہو گیا تھا۔ جب خون مظلوم کے قطرے اس آیت پر پڑے۔

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

یہ زبردست پیشین گوئی تھی جو پوری ہوئی۔

حضرت عثمانؓ کا اصل قاتل سودان اسی وقت حضرت عثمان رضؓ کے ایک غلام کے

ہاتھوں مارا گیا۔ محمد بن ابی بکر مصر میں بڑے سخت عذاب کے ساتھ ہلاک ہوا۔ اور دیگر قاتلوں میں ایک بھی نہ بچ سکا، پھر اس کے بعد مظلوم عثمان کے انتقام میں جتنی تباہی امت پر آئی اور کتنے آدمی قتل ہوئے وہ شمار سے باہر ہے۔

۳۶ھ میں حضرت علیؓ کوفہ میں حضرت ابوایوبؓ انصاری کو اپنا قائم مقام بنا کر اسی ہزار کا لشکر لے کر شام کی طرف بڑھے۔ ادھر حضرت معاویہؓ کو جب معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ شام پر چڑھائی کے لئے آرہے ہیں تو یہ بھی ستر ہزار کی فوج کے ساتھ صفین کے مقام پر اترے۔ یہاں تک کہ دونوں فوجیں خیمہ زن ہوگئیں۔ کم بیش تین ماہ تک یہ لشکر ایک دوسرے کے سامنے صف آرا رہے۔ یہاں بھی صلح وامن کا سلسلہ برابر جاری رہا اور خط وکتابت کے ذریعہ گفتگوئے مصالحت شروع ہوئی اور حضرت علیؓ کے ایک خط کے جواب میں حضرت معاویہؓ نے لکھا کہ

"مجھے اس کا دعویٰ نہیں کہ میں فضیلت وبزرگی میں آپ کے برابر ہوں۔ میں تو صرف قاتلان عثمانؓ کے قصاص کا طالب ہوں"۔

خط وکتابت سے بات بنتے نظر نہ آئی تو بعض مخلصین میدانِ مصالحت میں اترے چنانچہ حضرت ابودرداؓ اور حضرت ابوامامہؓ حضرت معاویہؓ کے پاس گئے اور ان سے کہا علیؓ تم سے زیادہ خلافت کے مستحق ہیں پھر تم ان سے کیوں جنگ کرتے ہو انھوں نے کہا خونِ ناحق کیلئے ابوامامہ نے کہا۔

"کیا علیؓ نے عثمانؓ کو قتل کیا ہے؟"

امیر معاویہؓ نے جواب دیا۔

"اگر قتل نہیں کیا ہے تو قاتلوں کو پناہ دی ہے اگر وہ انھیں ہمارے حوالہ کردیں تو میں سب سے پہلے ان کے ہاتھ پر بیعت کرلوں گا۔ اور جو یہ تم نے کہا کہ تم جنگ حضرت علیؓ سے کیوں کرتے ہو تو تم مجھے

یہ بتاؤ کہ کوفہ سے صفین تک ..... فوج لے کر شام پر حملہ آور ہونے کے لئے پہلے کون آیا؟ علیؓ یا معاویہؓ؟

اب ہم یہ خبر سن کر جب اپنی دفاع کے لئے صفین تک پہونچے تو تم ہم پر جنگ کرنے کا الزام لگاتے ہو۔ کیا میں اپنی دفاع نہ کرتا کیا علیؓ اور ان کی فوج شام میں قتل عام شروع کر دیتی اور میں وہاں خون کی ندیاں بہتے دیکھتا رہتا۔"

ایک دوسری روایت میں ہے کہ

وہ خود قصاص لے لیں ہم ان کی بیعت کر لیں گے ان دونوں بزرگوں نے واپس آکر حضرت علیؓ کو حضرت معاویہؓ کا مطالبہ سنایا اسے سن کر حضرت علیؓ کی فوج سے بیس ہزار آدمی نکل آئے اور نعرہ لگایا۔

"ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہیں۔"

اس پر حضرت علیؓ نے دونوں صحابیوں سے فرمایا۔ دیکھا تم نے ایسی حالت میں میں کیا کر سکتا ہوں یہ رنگ دیکھ کر یہ دونوں بزرگ حضرت ابو درداءؓ اور حضرت امامہؓ ساحلی علاقہ کی طرف نکل گئے اور اس جنگ میں کوئی حصہ نہیں لیا ایک دوسرے موقع پر قاتلان عثمانؓ کو سزا دینے کے سلسلہ میں فرمایا۔

بھائیو! میں اس معاملہ سے بے خبر نہیں ہوں۔ لیکن قاتلین کو سزا دینے کی طاقت کہاں سے لاؤں۔ یہ سب تمہارے درمیان موجود ہیں اور جو کچھ چاہتے ہیں تم سے کرا لیتے ہیں کیا ان سے انتقام لینے کی تم میں ہمت ہے۔

(نہج البلاغہ ج ۱ ص ۱۳۰)

تقریباً تین ماہ تک خیر خواہ امت علماء و صلحا کی کوشش سے جنگ بند رہی۔

صلح کی تمام کوششیں ناکام ہوگئیں تو جنگ شروع ہوئی۔ مگر نہایت سرد۔ کیونکہ دونوں علیؓ اور معاویہؓ ڈرتے تھے کہ کہیں قتل وقتال سے بہت سے مسلمان نہ مارے جائیں علامہ ابن کثیر اس موقع پر ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ صفین کے مقام پر جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں تو قیصر روم نے چاہا کہ مسلمانوں پر حملہ کر دیں۔ یہ خبر جب حضرت معاویہؓ نے سنی تو اس کو لکھا۔

اے لعین! ہم اور ہمارے چچیرے بھائی علی مرتضٰی تیرے خلاف صلح کر لیں گے اور تجھ کو تیرے ملک سے باہر نکال دیں گے۔ یاد رکھ اگر تو نے مسلمانوں کی طرف رخ کیا تو میں علیؓ کی فوج کا پہلا سپاہی ہوں گا جو تیرے مقابلہ کو نکلوں گا۔ یہ خط پڑھتے ہی قیصر نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ (البدایہ ج صفحہ ۱۱۹)

کیا یہ واقعہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم کی صحیح تفسیر نہیں ہے؟ کیا اس پوری تقریر سے حضرت معاویہؓ کے دلی جذبات کا اندازہ نہیں ہوتا جو حضرت علیؓ کی طرف سے تھے۔ یہ خلوص نیت کی صحیح کیفیت نہیں معلوم ہوتی؟ یہ دشمنوں کی جنگ نہ تھی بلکہ دو دوستوں کی لڑائی تھی۔ حق و باطل کی لڑائی نہ تھی بلکہ بھائی بھائی کی جنگ تھی۔ جو خود نہیں لڑی گئی۔ بلکہ منافقوں نے لڑوائی تھی۔ جان بوجھ کر تلواریں نہیں نکالی گئی تھیں بلکہ غلط فہمیوں نے نیام سے باہر کر دیا تھا۔ جس کا احساس دونوں برگزیدہ حضرات علیؓ اور معاویہؓ کو ہوا لیکن لڑائی ختم ہونے کے کچھ عرصہ بعد۔

یہاں پر ان فتنہ پردازوں کے لئے جنہوں نے حضرت امیر معاویہؓ کے خلاف غلط روایات گڑھ لی ہیں اور ان کو ہوا دیکر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کا مطالبہ قصاص محض سیاسی نوعیت کا تھا۔ اخلاص پر مبنی نہیں یا حضرت معاویہؓ

کا منتہائے نظر صرف حکومت حاصل کرنا تھا۔ وہ اس تاریخی دستاویز کو اپنے پیش نظر رکھیں جو حضرت علیؓ نے ۳۷ھ میں جاری کیا تھا۔ اور بعد میں گشتی مراسلہ کے نام سے مشہور ہوا۔ جس کا مقصد مذکورہ سیاسی پروپیگنڈہ کا استیصال تھا۔ تاکہ لوگ ان وسوسوں کو دل سے نکال دیں۔ جب حضرت علیؓ خود صفائی پیش کر رہے ہیں تو فتنہ پردازوں کو اس میں مین میخ نکالنے کا کیا حق ہے۔

یہ گشتی مراسلہ تمام شہروں میں بھیجا گیا۔ جس میں تحریر تھا۔

اور ہمارے معاملہ کی ابتدا یوں ہوئی کہ ہمارا اور اہل شام (حضرت معاویہؓ) سے مقابلہ ہوا۔ اور ظاہر ہے کہ ہمارا اور ان کا خدا ایک، ہمارا اور ان کا نبی ایک، ہماری اور ان کی دعوت اسلام ایک، اللہ اور اس کے رسولؐ کی تصدیق کرتے ہیں نہ ہم ان سے زیادہ اور نہ وہ ہم سے زیادہ پس معاملہ واحد ہے، سوائے اس کے کہ ہم میں اور ان میں خون عثمانؓ کی بابت اختلاف ہوا۔ حالانکہ ہم اس سے بری تھے۔

(نہج البلاغہ ج۲ صفحہ ۱۲۵)

حضرت علیؓ نے کس وضاحت کے ساتھ اہل شام کو اپنا جیسا مومن بتا کر ان سے اپنے اختلاف کی وجہ قصاص عثمانؓ کا معاملہ بیان کیا ہے۔ اللہ حضرت علیؓ کی قبر کو اپنے نور سے بھر دے۔ جنہوں نے قیامت تک کے لئے افترا پردازوں کی زبانیں کاٹ کر رکھ دی ہیں اور اپنے اور حضرت معاویہؓ کے باہمی تعلقات کی اتنی صحیح تصویر کھینچی ہے کہ اندھے بھی دیکھ کر سمجھ لیں اور کوڑ مغزوں کے ذہن میں یہ حقیقت ذہن نشین ہو جائے۔

لیکن اس کو کیا کہیں کہ وہ مفسد اور باغی جنہوں نے ہمیشہ دوست بن کر دغا دی، اب ان کی روح پاک کو بے چین کر رہے ہیں۔

شعر:۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

اور سُنیئے ایک اور موقع پر حضرت علیؓ نے فرمایا۔
کہ ہمارے اور معاویہؓ کے مقتولین جنتی ہیں۔ قتلٰنا وقتلاھم فی الجنۃ۔

مورخین کا بیان ہے کہ دونوں لشکروں میں ایسے لوگ بھی تھے۔ جو یہ سوچنے لگے تھے کہ اپنے ہی دینی بھائیوں کی گردنیں کاٹنے اور اپنی کٹوانے کے بجائے اس تنازعہ کا کوئی پُرامن اور معقول حل تلاش کیا جائے۔ لیکن سبائی پارٹی کے ایسے لوگ بھی حضرت علیؓ کے لشکر میں شامل تھے مثلاً سالار جنگ مالک اشتر جنھوں نے پہلے بھی جنگ جمل میں حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کے مابین صلح و مصالحت کو ناکام بنا کر جنگ چھیڑ دی تھی۔ وہ بھلا صفین میں اپنی اشتعال انگیزی سے کب چوکنے والے تھے۔

چنانچہ خونریز جھڑپوں کے درمیان گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی۔ ۲۴ گھنٹے مسلسل تلواریں چلتی رہیں۔ رات کی تاریکی بھی جنگ نہ روک سکی۔ اسی وجہ سے اس جنگ کو لیلۃ الحریر بھی کہتے ہیں۔ مولی گاجر کی طرح لوگوں کے سر کٹ کٹ کر گرنے لگے۔

اس جنگ میں امیر معاویہؓ کے امیر لشکر حضرت عمرو بن العاصؓ تھے اور حضرت علیؓ کا سالار جنگ مالک اشتر تھا۔ فریقین کے درمیان کم و بیش بیس ہزار شامی اور چالیس ہزار عراقی مقتول ہوئے۔ درمیان درمیان مردوں کی تجہیز و تکفین کیلئے ایک ایک دو دو دن جنگ ملتوی ہوتی رہتی تھی۔ بڑے بڑے سورما خاک و خون میں لوٹ گئے۔

بڑے بڑے جلیل القدر حافظ قرآن صحابی کام آئے۔ ان صحابیوں کا یوں فنا ہو جانا ایک المیہ تھا۔ اس بھیانک خوں ریزی کا منظر سخت سے سخت دل کو بھی خوں کے آنسو رلا رہا تھا۔ پھر آخر حضرت معاویہؓ اس خونریزی کے خیال سے کیوں نہ تڑپتے ان کو نظر آرہا تھا کہ اگر یہ خونریز جنگ قائم رہی تو مسلمانوں کی قوت تباہ ہو جائے گی اور ان میں غیر مسلموں کے مقابلہ میں طاقت باقی نہ رہ جائے گی۔ اس کے پیش نظر حضرت معاویہؓ نے یہ اعلان کیا۔

"اے لوگو! اگر یہ جنگ قائم رہی اور لوگ یوں ہی آپس میں لڑ بھڑ کر فنا ہو گئے تو سرحدوں کی حفاظت کون کرے گا۔ اور کون مشرکین وکفار سے جہاد کرے گا۔" (البدایہ ج۷ صہ۲۷۲)

انھوں نے قرآن شریف بلند کرا کے اعلان فرمایا۔

ھذا بیننا وبینکم (یہ ہمارے اور تمہارے درمیان حکم ہے)

ہوسکتا ہے کہ قرآن کا نیزوں پر اٹھانا ظفر صاحب کے نزدیک جنگی چال ہو اور عصبیت کی نگاہ سے اس کو محض فریب پر محمول سمجھ رہے ہوں تو پھر وہ حضرت علیؓ کی ایسی ہی کارروائی کو کیا کہیں گے؟ جب جنگ جمل میں خود حضرت علیؓ نے قرآن شریف بلند کرا کے اسے حکم بنانے کی دعوت دی تھی[1]

(طبری جلد۵ صہ۱۱۹)

---

[1] راقم ظفر صاحب کی اس گفتگو کا حوالہ دینا ضروری سمجھتا ہے جو انھوں نے ناظم آباد کی ایک نجی گفتگو میں جس میں اظہار احمد صاحب صدیقی موجود تھے۔ اس امر کی تردید فرمائی تھی کہ جنگ جمل میں حضرت علیؓ کی طرف سے نیزوں پر قرآن بلند کئے گئے تھے جس کی تقلید بعد میں حضرت معاویہؓ نے صفین میں کی۔ لہٰذا وہ اصلاح فرمالیں۔

ان دونوں بزرگوں اور کاتبان وحی کے طرز عمل کے بارے میں جو مزید خونریزی کو بند کرانے کے سلسلہ میں تھا یہ فرق و امتیاز پیدا کرنا کہ حضرت علیؓ کا قرآن اٹھوانا تو خلوص نیت پر مبنی تھا اور یہی عمل حمل قرآن حضرت معاویہؓ کی محض جنگی چال تھی۔ کیا ظفر صاحب کے بغض معاویہؓ کا کھلا ثبوت نہیں ہے؟

حضرت معاویہؓ کا یہ اعلان کرانا تھا کہ حضرت علیؓ کے دست راست اور عراقی فوج کے سالار اعظم اشعث بن قیسؓ نے بھی للکارا۔

"اے معاویہؓ! اگر مسلمانوں کی باہمی لڑائی اسی طرح قائم رہی تو سارا عرب ویران ہو جائیگا۔ اور مسلمانوں کی عزت و حرمت ختم ہو جائے گی۔"

اشعثؓ کے اعلان سے حضرت معاویہؓ بہت متاثر ہوئے چنانچہ انھوں نے حضرت علیؓ کو لکھا۔

"ابن عم! اس خونریزی کا مواخذہ مرے اور آپ کے سر ہے اب میں آپ کو اس کے بند کرنے اور الفت و محبت قائم کرنے اور بغض و عناد کو بھلا دینے کی دعوت دیتا ہوں۔"

لیکن مالک اشتر نے اس موقع پر بھی مخالفت کی اور جنگ جاری رکھنے کا مشورہ دیا۔ اس پر حضرت علیؓ نے جنگ بند کرنے کی مخالفت کی یہاں تک کہ ایک پر جوش تقریر بھی کی وہ یہ

"اے لوگو! اب جنگ آخری حد کو پہونچ چکی ہے تمہارا حریف آخری سانسیں لے رہا ہے اس لئے فیصلہ کن جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

اِس پر کوفی بولے ہم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی کتاب اللہ کی طرف بلائے اور

ہم انکار کردیں لہذا آپ کتاب اللہ کا فیصلہ منظور کیجئے۔ ورنہ ہم ساتھ چھوڑ دیں گے اور کوفیوں نے حضرت علیؓ سے مالک اشتر کی واپسی کا حکم دینے کیلئے کہا جو شامیوں سے ابھی تک مصروف جنگ تھا۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے کہلا بھیجا۔ لیکن اشتر نے پھر انکار کر دیا اور کہا کہ فتح قریب ہے۔ جب اشتر کا جنگ نہ بند کرنے کا جواب حضرت علیؓ کو پہونچا۔ تو کوفیوں نے حضرت علیؓ سے کہا۔

• شائد آپ نے در پردہ لڑائی کا حکم دے رکھا ہے ورنہ اس کی دوسری وجہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ خلیفہ وقت کمانڈر کو جنگ بند کرنے کا حکم دے اور وہ انکار کرے۔

اے علی! سن لو، اگر اشتر کو واپس نہیں بلاتے تو ہم آپ کے ساتھ بھی وہی معاملہ کریں گے۔ جو ہم نے عثمانؓ کے ساتھ کیا۔"

حضرت علیؓ نے پھر اشتر کے پاس حکم بھیجا کہ جلد آؤ۔ ادھر ایک دوسرا فتنہ برپا ہوگیا ہے۔ مجبوراً اشتر کو واپس آنا پڑا۔

آج شیر خدا علیؓ پھر کوفیوں کے نرغہ میں تھے ان بے مروت غداروں کے ہاتھوں مجبور تھے جنہوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کرنے کے بعد جنگ جمل برپا کی اور بعد میں انھیں بے مروت کوفیوں نے حضرت علی شیر خدا کے لخت جگر حضرت حسینؓ کو دھوکے سے بلا کر میدان کربلا میں شہید کرایا۔

انہی کے متعلق حضرت علیؓ نے فرمایا تھا۔

• کیا یہ بات تعجب خیز نہیں کہ معاویہ اکھڑ جاہلوں کو بلاتے ہیں تو وہ بغیر عطیہ اور انعام و اکرام کے ان کی اطاعت کرتے ہیں اور میں تمہیں بلاتا ہوں۔ حالانکہ تم عقلمند ہو اور عطیات و انعام پاتے رہتے ہو۔ مگر پھر بھی میری نافرمانی کرتے ہو۔ میرے خلاف

کھڑے ہو جاتے ہو اور میری مخالفت کرنے لگتے ہو۔

(طبری ج ۶ صفحہ ۳۴)

غرض جنگ ختم ہو گئی۔ تقریباً نوے ہزار مسلمان قتل ہوئے۔ یہ وہ تعداد ہے کہ عہد نبویؐ سے لیکر اس واقعہ تک جس قدر فتوحات ہوئیں ان سب کو ملا کر بھی اتنے مسلمان کام نہ آئے تھے اور پھر فیصلہ صفر کا صفر رہا اور معاملہ خلافت ثالثوں کے سپرد کر دیا گیا۔

حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت عبداللہ بن قیسؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ [1] اور حضرت معاویہؓ کی طرف سے حضرت عمروؓ بن العاص حکم منتخب ہوئے اور طے پایا کہ فیصلہ کتاب و سنت کی روشنی میں کیا جائے۔

یہاں بھی فتنہ پردازوں اور فسادیوں نے حضرت علیؓ سے دغا کی۔ ثالث مقرر کرنے میں حضرت علیؓ سے اختلاف پیدا ہو گیا۔ حضرت علیؓ اپنی جانب سے اپنے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو مقرر کرنا چاہتے تھے اور بہت اصرار کے ساتھ کہا کہ تم لوگوں نے پہلے میری خلاف ورزی کی اور

---

[1] حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بڑے عالم و زاہد بزرگ حضور صلعم کے زمانہ میں فتویٰ دیتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بصرہ کے عہدہ قضا پر مامور ہوئے بعد میں صوبہ کی حکومت سپرد ہوئی۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بصرہ ہی میں تھے۔ پھر کوفہ کے گورنر مقرر ہوئے۔ خلیفہ مظلوم کی شہادت تک وہیں رہے۔ مالک الاشتر کی ریشہ دوانیوں سے حضرت علیؓ کے ابتدائی ایام خلافت میں عہدے سے برطرف کر دیئے گئے۔ حضرت علیؓ کے بھتیجے داماد تھے یعنی حضرت فضل بن العباس کی دختر سیدہ ام کلثوم ان کے حبالہ عقد میں تھیں ۵۳ھ میں وفات پائی۔

جنگ بند کر دی مگر اس میں مخالفت نہ کرو۔ لیکن عراقیوں نے کہا کہ ابن عباسؓ تو آپ کے بھائی کے مثل ہیں۔ اس پر حضرت علیؓ نے اپنے معتمد خاص مالک الاشتر کا نام پیش کیا اور کہا کہ یہ تو میرا عزیز نہیں ہے۔ اس پر عبیداللہ کوار، حصین اور حضرت اشعثؓ وغیرہ نے کہا یہ ساری آگ تو اسی کی بھڑکائی ہوئی ہے۔ مجبوراً حضرت ابوموسیٰؓ کی ثالثی اپنی طرف سے حضرت علیؓ نے منظور کر لی، اور بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اس موقع پر علیؓ نے یہ کہا۔

"اگر مجھے یہ خبر ہوتی کہ صفین کا فیصلہ اس طرح ہوگا تو میں معاویہؓ سے آمادہ جنگ نہ ہوتا۔ اے ابوموسیٰؓ اب تم فیصلہ کر دو چاہے میری گردن کاٹنے ہی کے بارے میں ہو۔"

یہاں سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت علیؓ کے لشکر کو فتح حاصل ہو رہی تھی تو عین فتح کے قریب جنگ روک دینے اور ثالثی پر اظہار رضامندی کیا معنی۔ جب حضرت علیؓ خلیفہ برحق تھے (اور واقعی تھے) تو پھر ثالثی کے ذریعہ اپنے متعلق فیصلہ کروانے کی کیا ضرورت تھی۔ ایسے معاملہ میں ثالثی مقرر کرنے سے کیا فائدہ جو بالکل ظاہر اور یقینی تھا۔

یہ تو ایسا ہی ہوا کہ باغی اور سرکش لوگ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہتے کہ آؤ اس امر پر ثالث مقرر کریں کہ ہمیں زکوٰۃ دینی چاہیے یا نہیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ صدیق اکبرؓ نے کسی دباؤ کی پروا نہیں کی بلکہ اعلان کیا کہ اگر زکوٰۃ نہ دیں گے تو میں جہاد کروں گا۔

دراصل اس کی تمام تر وجہ فریقین کے لوگوں میں اس جذبہ اخوت کی وجہ سے تھی کہ خانہ جنگی بند ہو کر تنازعہ کا دوسرا حل تلاش کیا جائے۔ اگر فریقین میں یہ جذبہ نہ ہوتا تو لاکھ قرآن بلند کئے جاتے جنگ ملتوی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کے

برخلاف کذابین نے یہ روایت پیش کی کہ شکست ہوتے دیکھ کر معاویہؓ کی طرف سے قرآن نیزوں پر بلند کیے گئے تاکہ لڑائی بند ہو جائے بالکل افتراع نامعتبر اور غیر مستند روایت ہے جو حق پسند اور غیر متعصب دل و دماغ ذرا بھی نہیں سماتی۔

حالانکہ مالک الاشتر جو حضرت عثمانؓ پر یورش کرنے والی جماعت کا لیڈر تھا لڑائی بند کرنے اور ثالثی ہونے کا شدید مخالف تھا۔ کیونکہ جانتا تھا کہ اگر علیؓ اور معاویہؓ میں مصالحت ہوگئی اور قرآن و سنت کی رو سے فیصلہ ہوگیا تو قاتلین بغیر سزا کے نہ بچ سکیں گے۔

چنانچہ خاص طور سے حضرت اشعث بن قیسؓ برادر نسبتی حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دھمکی سے بالآخر وہ جنگ بند کرنے پر بادل ناخواستہ مجبور ہوگیا۔

اب رہا جناب امیرؓ سے فوج کی عدم اطاعت و نافرمانی و سرکشی کی وجہ یہ تھی کہ فوج کے تمام جوانوں میں کوئی بھی ایسا نہ تھا۔ جو سابق الایمان ہو سب کے سب نئے مسلمان تھے جن کے دلوں میں خدا اور رسول کی محبت و عظمت اور امیر المومنین حضرت علیؓ کی جو عزت ہونی چاہیے۔ بالکل نہ تھی نہ انھوں نے رسولؐ یا صحابہ کبار سے تربیت کا کوئی حصہ پایا تھا۔ نہ اسلام کی حقیقی روح سے باخبر تھے نہ ایمان حقیقی کی حلاوت ان کے دلوں میں تھی۔

اسی نافرمانی اور سرکشی کے باعث حضرت علیؓ نے فرمایا۔

"اے بدبختو! میں نے تم کو دن کے اوقات میں بھی اور رات کے لمحات میں بھی، خلوت میں بھی اور جلوت میں بھی، نرمی سے بھی اور سختی سے بھی غرض ہر ممکن طریقہ سے لڑنے پر ابھارا۔ میں نے تم سے نہ صرف ایک مرتبہ بلکہ بارہا کہا کہ قبل اس کے تمہارے دشمن تم پر حملہ آور ہوں تم

خود ان پر جا پڑو۔ مگر تم حق پر ہونے کے باوجود آپس ہی میں متحد اور متفق نہ ہو سکے تم خیر و فلاح سے دور اور ہلاکت کے قریب ہو۔ بس تم پر افسوس ہے۔ تم وہ ہو جن پر تیر برسائے جاتے ہیں مگر تم خود تیر چلانے کی صلاحیت و قابلیت نہیں رکھتے۔ تم پر فوج کشی کی جاتی ہے۔ مگر تم میں حملہ کرنے کی طاقت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تم تلوار سے بھاگتے ہو تمہیں کون مرد کہتا ہے؟ ہرگز تم میں کوئی مردانگی کی صفت نہیں مگر محض نام۔ تمہارے افعال تمہارے کردار کی بدولت مجھے تم سے اتنی سخت نفرت ہو گئی ہے۔ کہ میں دل سے یہ بات چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے دور ہو جاؤ اور میں تم سے دور ہو جاؤں۔ نہ میں تمہاری شکل دیکھوں نہ تم میری شکل دیکھو۔ خدا مجھے موت دے کر تم سے علیحدہ کر دے۔ کاش تم مرے ساتھی نہ ہوتے اور کاش! میں تمہیں نہ جانتا کہ تم کون ہو؟ تم نے اپنی نافرمانیوں اور اپنی سرکشی سے مرے سینہ کو غیظ و غضب اور رنج و الم سے بھر دیا ہے۔ میں اور میرا خدا دونوں تم سے سخت ناراض ہیں۔

(نہج البلاغہ)

الغرض ۳۷ھ ثالثوں کی کانفرنس شروع ہوئی۔ اس سے پہلے ثالثوں کو چار ماہ کی مدت تحقیقات کرنے کے لئے دی گئی تھی۔ ثالثی نامہ ۱۳ صفر ۳۷ھ کو لکھا گیا اور چھ ماہ بعد ثالثوں کا اجتماع ہوا اور تمام شرائط ضبط تحریر میں لانے کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ میں کچھ اس قسم کی گفتگو ہوئی۔

حضرت عمرو بن العاصؓ = حضرت عثمانؓ مظلوم قتل کئے گئے یا ظالم؟

ابو موسیٰ رضؓ = مظلوم

عمرو بن العاصؓ = معاویہؓ عثمانؓ کے ولی اور وارث ہیں یا نہیں؟

ابو موسیٰ رضؓ = بے شک وہ وارث ہیں۔

عمرو بن العاصؓ = جسے مظلوم قتل کیا جائے اس کے ورثا کو قصاص لینے کا حق ہے یا نہیں؟

ابو موسیٰ رضؓ = بے شک ورثار کو حق ہے۔

عمرو بن العاصؓ = اس صورت میں تو معاویہؓ کو حق ہے کہ قاتلین عثمان کے قصاص کا مطالبہ کریں۔

ابو موسیٰؓ = بے شک

بہرحال دونوں محترم ثالثوں نے تمام حالات وواقعات کا ذمہ دارانہ جائزہ لے کر یہ طے کیا کہ قرآن وسنت کی رو سے قصاص خون عثمانؓ لینا واجب تھا جو حضرت علیؓ نہ لے سکے بلکہ مانع آئے۔ قاتلین اور ان کے ساتھی ان لشکر کے ساتھ ساتھ ہیں اور امت خانہ جنگی میں مبتلا ہے اس لئے وہ خلافت سے معزول ہوں از سر نو انتخاب ہو نیز جس وقت تک دوسرا کوئی شخص منتخب نہ ہو لڑائی موقوف رہے۔ اور فریقین اپنے مقبوضات پر قابض رہیں۔

لیکن وضعی روایتوں کے تحت شیعہ مورخ جو ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں کچھ اس طرح سے ہے کہ

"حضرت علیؓ کے ثالث ابو موسیٰ اشعریؓ نے اعلان کیا کہ میں علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کرتا ہوں۔ آپ لوگ جسے اہل سمجھیں اپنا امیر بنالیں۔ اس کے بعد عمرو بن العاصؓ نے اٹھ کر کہا کہ ابو موسیٰ نے علیؓ کو معزول کردیا ہے میں بھی انھیں معزول کرتا ہوں اور

اپنے آدمی معاویہؓ کو قائم رکھتا ہوں۔ اس پر تلواریں نکل آئیں لوگوں نے ان کو گالیاں دیں اور ان پر لعنت ملامت کی بوچھار شروع ہو گئی (معاذ اللہ)

تحقیق کے نزدیک یہ روایت ناقابل اعتبار اور شیعیت کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔

کیا یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ ایک ایسا مجمع جس میں چار سو سے زیادہ نمائندے شریک تھے۔ غیر جانب حضرات جیسی اعلیٰ منزلت ہستیاں شامل تھیں، صحابہ اور تابعین شریک تھے۔ جو دور دراز سفر کر کے وہاں آئے تھے اور اللہ اور رسول کے حکم کے مطابق جو فیصلہ ہونے والا تھا، اس کو سننے کے لئے بیتاب تھے۔

اگر واقعہ اس طرح کا ہوتا جیسا کاذب راوی ابو مخنف نے بیان کیا ہے تو وہیں اسی وقت جنگ چھڑ جاتی اور اگر نہ چھڑتی تو غیر جانب دار حضرات بد دل ہو جاتے لیکن معتبر تاریخ میں کسی جگہ کسی روایت میں اس کا اشارہ نہیں ملتا کہ ثالثوں نے کوئی غلط اور فتنہ انگیز بات کہی ہو۔ بلکہ اجلاس پر امن طریقہ سے برخاست ہوا۔

چنانچہ حضرت علیؓ نے خود اپنے گشتی مراسلہ میں وضاحت کر دی تھی کہ اہل شام سے جو مقابلہ ہوا وہ خون عثمانؓ کے بارے میں تھا۔ ثالثی کی نوبت تو محض قتال وجدال سے روکنے کے لئے پیش آئی۔

یہ کیا ظلم ہے کہ ابو موسیٰؓ کو سادہ لوح اور عمرو بن العاصؓ کو چالباز ثابت کر کے ثالثی کی کارروائی کو فریب قرار دیا جائے۔ حالانکہ فریقین سے ثالثوں نے جو عہد و اقرار لیا اس کے الفاظ یہ ہیں۔

عبداللہ بن قیسؓ۔ ابو موسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن العاص نے علیؓ اور معاویہؓ سے اللہ کے نام پر موثق عہد و اقرار لیا ہے کہ یہ دونوں ثالثوں کی

فیصلہ پر راضی ہوں گے جو کتاب اللہ اور اس کے نبیؐ کی سنت کی بنیاد پر کیا جائے اور علیؓ اور معاویہؓ کو اس کی اجازت نہ ہوگی کہ وہ دونوں ثالثوں کے فیصلہ کو توڑدیں، اور اس کے برخلاف کسی اور طرف مائل ہوں۔"

دونوں طرف کے ثالثی کتاب وسنت کے مطابق فیصلہ کرنے کا عہد کریں، اور لوگ ان اصحاب کے صدق و دیانت، تہذیب و اخلاق کو محض اس وجہ سے عامیانہ قرار دیں کہ انھوں نے کافی عرصہ تک تحقیقات کرنے کے بعد حضرت علیؓ کے خلاف فیصلہ صادر کردیا تھا۔

اگر یہ سبائی روایت ادنیٰ درجہ میں بھی مان لی جائے تو اس کا صرف ایک ہی مطلب ہے کہ یہ سب اکابر صحابہ جن میں سے بعض کو خود آنحضرت صلعم نے ذمہ دار مناسب پر فائز کیا تھا محض صفر و بے حیثیت تھے۔ جن پر تعلیمات نبویہؐ کا کچھ اثر نہ تھا۔

ان روایات پر وہی شخص تکیہ کرسکتا ہے جو قصداً و عمداً سبائیہ کا ہمنوا ہوکر اسلامی تاریخ پر خطِ نسخ کھینچ دینے پر تلا ہو۔ حالانکہ صورت حال کا صحیح جائزہ لیتے ہوئے فیصلہ دالشورا نہ تھا۔

آپ نے دیکھا کہ قاتلین حضرت علیؓ کے لشکر میں موجود ہیں اور خون ناحق کا قصاص جو شرعاً واجب تھا نہیں لیا گیا ہے اور نہ قصاص لئے جانے کا کوئی امکان ہے۔ کیونکہ بعض مفسدین و قاتلین سیاست پر پورے طور پر حاوی ہیں امت فتنہ و انتشار میں مبتلا ہے لہذا حضرت علیؓ کے معزول ہونے کا فیصلہ کردیا۔ چونکہ اس وقت تک حضرت معاویہؓ نے خلافت کا دعویٰ کیا تھا اور نہ وہ خلیفہ تھے۔ لہذا حضرت معاویہؓ کے معزول کرنے یا ان کو برقرار رکھنے کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔

اذرح کانفرنس کے اس فیصلہ کو حضرت علیؓ نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور خارجی لیڈروں سے شام پر دوبارہ حملہ کی غرض سے مراسلت شروع کی لیکن خارجیوں نے صاف انکار کر دیا اور جواب دیا کہ

اس تمام معاملہ میں اللہ کے دین کا تو کوئی مسئلہ نہیں ہے یہ تو تمہارا اب ذاتی معاملہ ہے اور تم نے اسی وجہ سے ثالثوں کے فیصلہ کو ماننے سے انکار کر دیا ہے کہ وہ تمہارے مفاد کے خلاف ہے ،،

یہ وہی قاتلان عثمانؓ ہیں جو بعد میں خارجی کہلائے اور حضرت علیؓ کے لئے ایک مصیبت بن گئے۔ اگر حضرت علیؓ ان فتنہ پردازوں کو شروع میں قتل کر ڈالتے تو جنگ نہروان کا وجود تاریخ کے صفحات میں نہ ملتا۔ چنانچہ خارجیوں کے خلاف جنگ لڑی گئی۔ جو جنگ نہروان کے نام سے مشہور ہوئی۔

نہروان کی فتح کے بعد شام کی روانگی کا حکم دیا۔ مگر لوگوں نے کہا کہ ہمارے تیر اس لڑائی میں ختم ہو چکے ہیں۔ تلواریں کند ہو گئیں نیزے خراب ہو گئے چند روز قیام کرنے پر زور دیا۔ چنانچہ حضرت علیؓ واپس آکر مقام نخیلہ میں قیام کی غرض سے ٹھہر گئے۔ لیکن افسوس اہل عراق چھپ چھپ کر اپنے اپنے گھروں کو بھاگ گئے اور تعداد اتنی کم رہ گئی کہ واپس کوفہ آنا پڑا۔ کوفہ میں آپ دراز پرجوش تقریریں کر کے اہل کوفہ کو جنگ کیلئے ابھارتے لیکن وہ زبان سے تو چلنے کا اقرار کرتے اور وقت پر گھروں میں بیٹھ جاتے۔ آخر جب حضرت علیؓ نے دیکھا کہ لوگ تیار نہیں ہوتے تو مایوس ہو کر شام پر لشکر کشی کا ارادہ ترک کر دیا۔

اس دوران مصر میں فتنہ کی آگ بھڑک اٹھی۔ وہاں سبائیوں کے ہاتھوں عثمانؓ کے طرفداروں کو بڑی اذیتوں کا سامنا تھا۔ عثمانی گروہ کے سربراہ۔ دو انصاری بزرگ حضرت سلمہ بن مخلدؓ اور حضرت معاویہ بن خدیجؓ تھے ان کے ساتھ دس ہزار



طرفداران عثمانؓ تھے جو حضرت علیؓ کی بیعت پر راضی نہ تھے۔ لیکن جب قیس بن سعد کی جگہ محمد بن ابوبکر کو حضرت علیؓ کی طرف سے منتخب کیا گیا۔ اور اس نے بزور شمشیر بیعت لینا چاہی تو انھوں نے حضرت معاویہؓ سے امداد طلب کی۔ حضرت معاویہؓ نے بجائے لشکر کشی کے محمد بن ابوبکر کے نام ایک خط لکھا کہ وہ طرفداران عثمانؓ کے ساتھ سختی سے پیش نہ آئیں۔ لیکن اس کی زیادتی بڑھتی گئی۔ مجبوراً چھ ہزار کا لشکر عمرو بن العاصؓ کی کمان میں روانہ کیا۔ جب یہ مصر پہونچے تو حضرت ابن خدیجؓ بھی اپنے دس ہزار لشکر سمیت ان کے ساتھ ہو گئے۔

یہاں بھی جنگ شروع ہونے سے قبل حضرت عمرو بن العاصؓ نے محمد بن ابوبکر کو جو قاتلان عثمانؓ میں سے تھا لکھا

"بھتیجے! میدان سے ہٹ جاؤ ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے ہاتھوں تمہیں کسی طرح کی تکلیف پہونچے،،

اس انتباہ کا کچھ اثر نہ ہونے پر جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ میں عمروؓ بن العاص کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بڑے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن بھی تھے۔ عجب اتفاق ہے کہ بڑا بھائی حضرت معاویہؓ کا طرفدار اور چھوٹا بھائی حضرت علیؓ کا طرفدار۔ یہ بھائی بھائی کی جنگ نہیں تو کیا حق و باطل کی جنگ ہے؟ نظروں کا اختلاف نہیں تو کیا کفر و اسلام کا اختلاف ہے۔ غرضیکہ محمد بن ابوبکر حضرت معاویہ بن خدیجؓ انصاری کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس جنگ میں حضرت عثمانؓ کا مشہور قاتل کنانہ بن بشر بھی ہلاک ہوا۔ اس کے بعد مصر پر حضرت معاویہؓ کا قبضہ ہو گیا۔

مصر کی طرح بصرہ میں بھی ایک بڑی جماعت قصاص عثمانؓ کا مطالبہ

کر رہی تھی حضرت معاویہؓ نے عبداللہ بن حضرمیؓ کو ایک جمعیت کے ساتھ بصرہ روانہ کیا حضرت علیؓ کو خبر ہوئی تو آپ نے جاریہ بن قدامہ کو ایک لشکر کے ساتھ روانہ کیا انھوں نے عبداللہ بن حضرمیؓ کی قیامگاہ کا محاصرہ کر کے آگ لگادی۔ ستر آدمی اس مکان میں تھے سب جل کر راکھ ہو گئے۔ جاریہ کے اس سنگدلانہ فعل سے تمام فارس میں آگ لگ گئی۔ لوگوں نے خراج دینے سے انکار کر دیا۔ آخر حضرت علیؓ نے زیاد بن ابیہ کو سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ بڑی سخت خونریزی کے بعد بمشکل لوگوں کو دوبارہ مطیع کر پائے۔

غرضیکہ خانہ جنگی اور خونریزی کا سلسلہ تین سال تک جاری رہا۔ آخر حضرت معاویہؓ نے خود حضرت علیؓ کو لکھا۔

"خونریزی بہت ہو چکی آیئے اس سے بہتر ہے کہ صلح کریں میرے پاس شام اور مصر رہے۔ آپ کے پاس حجاز، یمن، عراق، فارس اور کرمان رہیں۔ نہ آپ مجھ پر حملہ کریں نہ میں آپ پر چڑھائی کروں"

بات معقول تھی حضرت علیؓ نے خوشی خوشی قبول کر لیا۔ معاہدہ صلح لکھا گیا اور دونوں فریق اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ گئے۔ رنجش کا دور ختم ہو کر محبت کا دور شروع ہوا۔

سنہ ۴۰ھ میں ابن ملجم خارجی کے ہاتھوں شدید زخمی ہو کر انتقال فرمایا موت سے پہلے ابن ملجم حضرت علیؓ کے سامنے پیش ہوا۔ آپ نے وصیت کی

"اگر میں جانبر نہ ہو سکوں تو خدا کے حکم کے مطابق اس کو قصاص میں قتل کر ڈالنا اور اگر بچ گیا تو اس کے معاملہ میں غور کروں گا۔" قصاص کا کتنا واضح حکم اپنے قاتل کے لئے فرمارہے ہیں اور وہ بھی جناب امیرالمومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی زبان مبارک سے فرمارہے ہیں۔

لیکن ظفر صاحب کو اگر کسی کے طلب قصاص پر فتنہ نظر آتا ہے تو وہ امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ سوم رضی اللہ عنہ کا قصاص ہے دوسری قصاص کی نظیر ہم جنگ نہروان میں دیکھتے ہیں جو محض، قصاص لینے کے لئے حضرت علیؓ اور خارجیوں سے لڑی گئی۔

خارجیوں نے ایک صحابی عبداللہ بن جنابؓ کو شہید کر دیا اور ان کی حاملہ بیوی کا پیٹ چاک کر کے بیدردی سے قتل کر دیا۔ قبیلۂ طے کی کئی عورتوں کو مار ڈالا۔ اس پر حضرت علیؓ نے خارجیوں کو ایک پیغام روانہ کیا۔ وہ اس قسم کا تھا۔

" تمہارے جن آدمیوں نے ہمارے آدمیوں کو قتل کیا ہے ان کو قصد کے لئے ہمارے حوالے کر دو تو ہم تم کو چھوڑ دیں گے۔ لیکن ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم سب نے قتل کیا ہے۔ اس پر حضرت علیؓ نے ان پر فوج کشی کی۔ تو پھر کیا عثمان غنیؓ کے قصاص کا مطالبہ درست نہیں ہو سکتا۔ حضرت عثمانؓ کا قصاص تو حضرت علیؓ نے بھی تسلیم کیا تھا۔ لیکن باغیوں کے پیدا کردہ حالات سے مجبور ہو کر جناب امیرؓ نے معذوری ظاہر کی تھی جب حضرت علیؓ قصاص کو تسلیم کر رہے ہیں تو ظفر صاحب فتنہ کہنے والے کون ؟

مقتول کے قصاص کا مطالبہ مقتول کے اعزا ہی کر سکتے ہیں۔ سب سے پہلے مقتول کے والدین کا حق ہے اس کے بعد بھائی وغیرہ، چنانچہ سب سے پہلے مقتول خلیفہ مظلوم کی ماں بلکہ سارے مسلمانوں کی ماں حضرت عائشہ صدیقہؓ نے مطالبہ قصاص کیا اور وہ اس معاملہ میں عنداللہ حق بجانب تھیں

مگر ظفر صاحب کو تو ذات عائشہؓ سے کد اس بنا پر ہے کہ وہ رسولؐ برحق کی محبوب زوجہ اور صدیق اکبرؓ کی لاڈلی بیٹی تھیں۔ اور چونکہ بقول ظفر صاحب علیؓ کی خلافت کا حق غصب کر نیوالے سب سے پہلے صدیق اکبرؓ ہیں۔ لہذا ابو بکرؓ سے بغض دکینہ کی

وجہ سے ان کی بیٹی سے بھی بغض وعناد ہے۔

اور چونکہ کھلے لفظوں مجمع عام خاص کر حجۃ الوداع میں رسول برحق نے علیؓ کی

خلافت کا اعلان کیوں نہیں کیا۔ اس لئے رسولؐ برحق سے بھی کد ہے۔

گویا کہ رسول خدا صلعم، آپ کی رفیقہ حیات اور آپ کے یار غار تینوں سے

بغض وعناد ہے اور اس پر "دعوہ اسلام" فاروقؓ اعظم سے نسبت نسبی مزید

براں ندویت کی مہر بھی ثبت ہے۔

آپ ذرا غور تو فرمائیں اگر یہی رجحانات اور عقائد آپ کے یا کسی اور کے ہیں تو نجات

اخروی تو درکنار وہاں محمد صلعم کے ادنیٰ امتی کی حیثیت سے بھی پیش نہ ہوسکیں گے

دوم۔ عثمانؓ مظلوم کے خاندانی۔ بنو امیہ کے فرد۔ حضرت معاویہؓ برادر مظلوم

نے قصاص کا مطالبہ کیا وہ بھی بھائی ہونے کی حیثیت سے عند اللہ مطالبہ قصاص

کیلئے حق بجانب تھے۔ وہ چونکہ خلیفہ نہ تھے۔ اس لئے خود قصاص کا حکم نافذ نہیں

کرسکتے تھے اس لئے خلیفہ وقت حضرت علیؓ سے قصاص عثمانؓ کا مسئلہ پیش کیا

اور اپنی بیعت کی شرط بھی قصاص عثمانؓ پر منحصر رکھی۔ جو خلیفہ وقت کا اولین فریضہ

ہے۔ جب رسولؐ برحق اور دیگر دو عظیم ہستیاں ظفر صاحب کی زد میں ہیں تو بچارے

معاویہؓ ان تینوں کے مقابلہ میں کیا وقعت رکھتے ہیں۔ ان سے عناد و بغض کی صاف

اور صریح جھلکیاں صفحہ قرطاس پر بین طور پر ظاہر ہوتی ہیں۔

انسان کی تحریر اس کے دل کا آئینہ ہوتی ہے۔ معاویہؓ سے عناد کی وجہ یہ

کہ وہ حضرت علیؓ کے حریف تھے۔ اور معاویہؓ کی کوششوں سے طرفین میں جنگ

بند ہوئی۔ جو آپ کے خیال میں بند نہ ہونا چاہیئے۔ قتل عام کا سلسلہ جب تک

سارے مسلمان ختم نہ ہو جاتے قائم رہنا چاہیئے تھا۔ ثالث کا تقرر ہوا یہ بھی

آپ کو ناپسند ہے۔ حالانکہ وقت کی نزاکت سے دونوں فریق نے ان تمام باتوں

کو پسند فرما کر تسلیم کیا۔ مگر مخالفین معاویہؓ کو معاویہؓ کی یہ امن سلامتی کی پیش قدمی فتنہ نظر آتی ہے۔

حضرت علیؓ کا پونے پانچ برس کا زمانہ لڑائیوں جھگڑوں اور خانہ جنگی میں گذر گیا۔ ان کو پریشانیوں سے کبھی نجات نہ ملی نہ ان کے زمانہ میں کوئی جدید ملک فتح ہوا۔ دشمنان دین سے جذبہ جہاد کا جوش سرد پڑ گیا۔ صلح معاویہؓ کے بعد جو ملک آپ کے قبضہ میں آگئے تھے ان میں بھی برابر بغاوتیں ہوتی رہیں۔ خود علیؓ کے بھائی نے ساتھ چھوڑ دیا اور معاویہؓ سے منسلک ہو گئے۔

آہ کتنا مظلوم اور بے بس تھا۔ حضرت رسولِ کریم کا چچازاد بھائی۔ علیؓ نے اسی مجبوری اور بے کسی کے عالم میں فرمایا تھا۔

▪ اے لوگو! معاویہؓ کی امارت سے تم کراہت ہرگز نہ کرنا۔ قسم بخدا اگر تم نے ان کو بھی گنوا دیا تو تم دیکھو گے کہ مونڈھوں پر سے سر کٹ کٹ کر اس طرح گریں گے جیسے حنظل گرتے ہیں۔"

(واللہ اعلم بالصواب)

باب ہشتم

اموی وعباسی خلفاء کے خلاف اولادِ حسنین رض اور علویوں کے خروج

اس باب کو قائم کرنے کی ضرورت یوں محسوس ہوئی کہ حاکم وقت کے خلاف علویوں کے خروج نے کسی خلیفہ کو چین سے نہ بیٹھنے دیا اور ہمیشہ ہر جگہ خانہ جنگی کی آگ بھڑکتی ہی رہی۔ خلافت بنو امیہ اور خلافت عباسیہ ہر دو خلافتوں میں انہی علویوں کے جگہ جگہ شورشوں نے جو ہمیشہ بیعت لینے اور خلافت کو اپنا موروثی حق سمجھتے ہوئے بلند ہوئیں۔ کشت و خون کے وہ دریا بہلئے کہ تاریخ اسلام بھی اس لہو سے اپنا دامن نہ بچا سکی۔

دمشق میں بنو امیہ کا تقریباً ۹۱ سالہ دور اور بغداد میں بنو عباس کا تقریباً پانچ سو سالہ دور انہیں بغاوتوں کو فرد کرنے میں گذرا۔ بلکہ اسلامی حکومت کی وہ حدود جو خاندان بنو امیہ کے عہد خلافت میں قائم ہوئی تھیں۔ عباسیوں کے پانچسو سالہ دور میں بھی اس سے تجاوز نہ کر سکیں اور جہاد من المشرکین کی وہ تڑپ جو ایمان کا جزو تھی پست ہو کر رہ گئی۔ مگر شاذ و نادر۔

اندرونی خلفشار اور خانہ جنگیوں نے اسلام اور ملت مسلمہ کو اتنے فرقوں میں تقسیم کر دیا کہ آج تک فرقہ وارانہ عصبیت ختم نہ ہو سکی ایسے بھی فرقے پیدا ہوئے کہ ایک مسلمان نے دوسرے مسلمانوں کا لہو اپنے لئے جائز کر لیا۔ یہ سب علویوں کے اس نعرہ "خلافت ہمارا حق ہے" کی کوکھ سے جنم لے لے کر پھوٹتے رہے۔

نسبی اور قبائلی تفاخر کو مٹانے کے لئے ہی حضورؐ نے فتح مکہ کے روز خانہ کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر ایک عظیم اجتماع سے فرمایا تھا۔

اے گروہ قریش اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کے تکبر اور باپ دادا کے فخر کو دور کر دیا۔ تمام انسان آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ مٹی سے پیدا ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"اے لوگو۔ ہم نے تم کو نر و مادہ سے پیدا کیا اور تمہاری شاخیں اور قبائل بنائے تاکہ پہچانے جاسکو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں بزرگ وہ ہے جو متقی ہے قبیلہ اور شعبوں کا وجود ان کے امتیاز کا ذریعہ ضرور بنا۔ لیکن بزرگی اور فضیلت کو نسل و خاندان سے متعلق نہیں رکھا گیا۔ کیونکہ بزرگی اور برتری صرف خدا شناسی اور خدا ترسی سے ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اسامہؓ بن زید کی سپہ سالاری میں بڑے بڑے خاندان مہاجرین و انصار کو محکوم بنا کر روانہ کیا گیا تھا۔ جس میں یہی حکمت تھی کہ کسی ذہن میں یہ خیال نہ آسکے کہ محض قوم و نسل یا اعلیٰ خاندان کی وجہ سے ہی کوئی مکرم و برتر ہو سکتا ہے۔

حکومت و خلافت اگر خاندان کا حق ہوتا تو حضورؐ صوبوں اور مقبوضہ علاقوں میں بنی ہاشم کے سوا کسی دوسرے کو عامل نہ بناتے فوجوں کی سپہ سالاری بنی ہاشم کے سوا کسی اور کو عطا نہ فرماتے۔ لیکن آپؐ نے بہت ہی کم کسی ہاشمی کو سپہ سالاری

ولایت کی حکومت پر مامور فرمایا۔

اس کے برخلاف بنو امیہ کی قدردانی حضورؐ نے ضروری سمجھی۔ چنانچہ فتح مکہ کے دن ابوسفیانؓ کے گھر کو امان کے معاملہ میں کعبہ کا ہمسر ٹھہرا کر انھیں خوش کیا۔ عثمان غنیؓ کے لئے بیعت رضوان وجود میں آئی۔ ام المومنین ام حبیبہؓ بنت ابوسفیانؓ ہمشیرۂ حضرت معاویہؓ سے عقد فرمانے کے بعد نبی اکرم صلعم نے بنو امیہ کے خاندان میں اور چار چاند لگا دئیے۔

حضور اکرم صلعم نے جہاں جہاں جو عامل مقرر کئے اس میں بھی کوئی ہاشمی نہ تھا۔ اکثر و بیشتر بنی امیہ ہی کے افراد شامل تھے ملاحظہ ہو۔

۱۔ عتاب بن اسیدؓ	اموی	عامل مکہ	ابوسفیانؓ کے چچا ابوالعیص کے پوتے تھے حضورؐ کی وفات تک آپ برابر مکہ کے عامل رہے۔ ابوبکرؓ اور عمرؓ کی خلافت میں بھی عامل مکہ رہے ۸ھ سے ۲۲ھ تک پورے ۱۴ سال حاکم مکہ رہے۔
۲۔ ابوسفیان بن حربؓ	اموی	عامل نجران	
۳۔ یزیدؓ بن ابوسفیانؓ	"	" تیمار	
۴۔ معاویہؓ بن ابوسفیانؓ	"	کاتب رسول و مبلغ اسلام مقام حضرموت	
۵۔ عثمان بن ابوالعاصؓ	"	عامل طائف	حضرت عثمان غنیؓ کے چچا تھے فاروق اعظمؓ نے ان کو عمان و بحرین کا حاکم مقرر فرمایا۔
۶۔ خالدؓ بن سعید بن عاص	اموی	عامل یمن	ابوسفیانؓ کے چچا عاص کے پوتے تھے۔ جنگ یرموک میں شہید ہوئے

۷۔	عمرو بن سعید بن عاص	اموی	خیبر، تبوک و فدک	آبان کے بھائی } دونوں برادر حقیقی
۸۔	ابان بن سعید بن عاص	"	بحرین	عمرو بن سعید کے بھائی
۹۔	ولید بن عقبہ	"	عامل بنی المصطلق	حضورؐ کے بھانجے ہیں

حضرت ولید بن عقبہ حضرت اروی بنت
کریز کے صاحبزادے اور اروی بیضا بنت
عبدالمطلب کی صاحبزادی ہیں اور بیضا
حضور کی پھوپی ہیں۔

۱۰۔	الحکم	اموی	عامل وادی القرایٰ
۱۱۔	العلا	"	اعوال غنائم و محافظ۔

مندرجہ بالا عاملین کی فہرست میں تمام عمال کا تعلق خاندان بنو امیہ ہی سے ہے اگر حضورؐ کے دل میں بنی امیہ اور بنو ہاشم کی پرانی رقابت کا ریسے کہ ظفر صاحب نے تحریر فرمایا ہے) خیال ہوتا تو بنی امیہ کے افراد کو بنو ہاشم پر ترجیح نہ دیتے۔ نسبی اعتبار کو ذاتی قابلیت پر آپ نے کبھی ترجیح نہیں دی۔ بلکہ جس خاندان میں انتظامی قابلیت اور سرداری کی صلاحیت زیادہ پائی گئی۔ انہیں خاندان کے افراد سے آپؐ نے قابل آدمیوں کو منتخب کیا اور یقیناً سرداری اور فوجی صلاحیت میں بنی امیہ سے زیادہ اور کوئی قبیلہ اس کا ہمسر نہ تھا اور جاہلیت میں بھی فوجی نشانی عقاب کی علم برداری بنو امیہ ہی کے سپرد تھی۔ جبکہ بنو ہاشم عمارہ یعنی خانہ کعبہ کے انتظام پر متمکن تھے۔ یہی نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محض قابلیت ہی کی بنا پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو نمازوں کا امام بنا کر ان کی خلافت کے لئے اشارہ فرمایا۔ اور حضور صلعم کے اس فعل سے یہ بات بدیہی ہو جاتی ہے کہ نماز ایسی مہتم بالشان چیز جو دین کا اولین ستون ہے اس کے لئے جب ابوبکرؓ ہی پر نظر انتخاب پڑ سکتی ہے تو دنیاوی حیثیت

سے بھی خلافت کے معاملہ میں ابوبکرؓ سے زیادہ اور کون موزوں اور بہتر ہو سکتا ہے۔

اسی طرح صدیق اکبرؓ نے بھی اپنے بعد ایسا جانشین مقرر فرمایا۔ جو قابلیت کے اعتبار سے بلند ترین تھے۔ اسی طرح تیسرے خلیفہ کے چناؤ کے لئے چھ صحابہ کی مجلس شوریٰ کا قیام بھی اسی مقصد کے لئے تھا کہ ان میں جو بھی قابلیت کے لحاظ سے افضل ہو۔ خلیفہ منتخب کرلیا جائے حاصل یہ ہے کہ قابلیت ہی کو معیار بنایا گیا نہ کہ خاندانی اور نسلی برتری کو۔

لیکن خلیفہ چہارم حضرت علیؓ کے بعد علویوں اور اہلبیت کے ذہنوں میں خلافت کو وراثت میں تبدیل کرنے کی تحریک ایسی زور پکڑ گئی کہ کشت و خون کے دروازے کھل گئے اور مسلسل ناکامیوں اور مات کھانے کے باوجود وہ اس مسلک سے دست بردار نہ ہوئے۔

اس موقع پر حضرت حسنؓ کے وہ الفاظ جو موصوف نے حضرت حسینؓ کو اپنے فوت ہوتے وقت وصیت فرمائے تھے یاد رکھنے کے قابل ہیں۔

"آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علیؓ تک جب خلافت پہونچی تو تلواریں میانوں سے نکل آئیں اور یہ معاملے نہ ہوا اب میں اچھی طرح سمجھ گیا ہوں کہ نبوت اور خلافت ہمارے خاندان میں دونوں جمع نہیں ہو سکتی۔"

جناب حسنؓ کے یہ الفاظ پوری صداقت پر مبنی ہیں اور آج تک کسی ملک میں سادات کی کوئی قابل ذکر حکومت قائم نہ ہو سکی یہاں خیال رہے کہ بنو عباس ہاشمی ضرور ہیں لیکن حضور کے چچا کی اولاد ہیں۔ آنحضرتؐ کی بیٹی کی اولاد نہیں ہیں جن سے نسل سادات چلی لہذا عباسیوں میں خاص آنحضرتؐ کے خون کی آمیزش نہیں ہے اس لئے

ان کو خاندان نبوت کا فرد نہیں کہا جا سکتا۔

حضرت حسنؓ نے جو کچھ اپنے بھائی سے فرمایا یہ محض انہیں کا خیال نہ تھا بلکہ صحابہ کرام کی اس جماعت کا بھی یہی خیال تھا جنہیں آنحضرت صلعم کی صحبت میں زیادہ رہنے کا موقعہ ملا تھا یہی وجہ تھی کہ آپؐ نے کسی ہاشمی کو کسی عہدہ پر متقرر نہیں فرمایا جنگ موتہ کی مثال سامنے ہے آپ نے حضرت جعفرؓ بن ابو طالب کو سپہ سالار بنایا لیکن اپنے آزاد کردہ غلام زیدؓ بن حارث کو ان پر مقدم رکھا۔ حضرت علیؓ کو چند روز کے لئے یمن کے خراج کی وصولی کے لئے مامور فرمایا تو یمن کی حکومت اور افسری حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو تفویض فرمائی۔

اسی طرح صدیقؓ اکبر اور فاروقؓ اعظم نے بھی رسالت مآب صلعم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کسی ہاشمی کو کسی عہدہ پر مامور نہیں کیا یہ بات نہ تھی کہ بنو ہاشم کی تعظیم و تکریم نہ کی جاتی تھی بلکہ برابر مشوروں میں ان کو شریک کیا جاتا تھا۔

ایک موقع پر فاروق اعظمؓ نے فرمایا تھا۔ کہ اگر شرف نبوت کے ساتھ ہاشمیوں کو حکومت بھی مل گئی تو وہ لوگوں کو اپنا حد سے زیادہ محکوم و مغلوب پاکر غرور قومی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اور اس طرح اسلام کی قیمتی روح باقی نہ رہ سکے گی۔ دوسرے موقع پر خلیفہ دوم نے فرمایا۔

"جو شخص عہد جاہلیت کی عصبیت کی طرف ترغیب دلائے۔ وہ واجب القتل ہے۔"

غرضیکہ یہ عقیدہ کہ خاندان نبوت کیلئے شرف نبوت ہی کافی ہے۔ صرف حضرت حسنؓ کا عقیدہ نہ تھا۔ بلکہ یہی عقیدہ اکثر صحابہ کرام کا بھی تھا۔ اور حقیقت ہے کہ سادات جو حضورؐ کے نسل سے تعلق رکھتے ہیں ان کو دنیا کی حکومت اور مادی دولت کا خواہشمند بھی نہ ہونا چاہیئے تاکہ وہ فرزندی محمدؐ اور اپنے آل رسول

ہونے کا پورا ثبوت پیش کر سکیں۔

اگر آنحضور صلعم یہ نہ فرماتے کہ سادات عظام کے لئے صدقہ حرام ہے، تو ہم کو یہ توقع ہو بھی سکتی تھی کہ اہلبیت، حکومت اور خلافت کے حقدار ہیں۔ لیکن حضور کا خاندان نبوت کے لئے یہ اعلان فرمانا سب سے بڑی دلیل ہے کہ دنیاوی شان و شوکت اور خلافت حکومت سے اہلبیت کا کوئی تعلق نہیں۔ سادات کے لئے یہی دولت کیا کم ہے کہ وہ خاندان نبوت اور نسل محمدؐ سے تعلق اور فرد کہلائے جائیں۔ اس پر دنیا کی دوسری قومیں جو شریعت اسلام سے تعلق رکھتی ہیں جس قدر رشک کریں کم ہے

دنیاوی دولت اور حکومت تو وہ چیزیں ہیں جو انسان کو خدا سے دور کرتی ہیں تاریخ ہم کو بتاتی ہے کہ دولت و حکومت کی وجہ سے علم صحیح بھی اعمال صالحہ پر لوگوں کو آمادہ نہ کر سکا۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا تھا۔ کہ افراد نبوت کو مادیت کی طرف راغب کر کے اللہ سے دور کیا جاتا۔ شریعت کی حفاظت انہی لوگوں نے کی جو دولت و حکومت سے کچھ تعلق نہ رکھتے تھے۔

اب حضورؐ کے اس ارشاد پر غور کیجئے کہ میں تم میں قرآن اور اپنی آل چھوڑتا ہوں۔ کیا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ نبوت اور خلافت ایک خاندان میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ کیا یہ حدیث حضرت حسنؓ کے ارشاد پر دلالت نہیں کرتی۔ لیکن افسوس اہلبیت نے ارشاد گرامی پر اپنی راہ متعین نہیں کی وہ فضیلت و بزرگی جو اللہ تعالیٰ اور رسول اکرمؐ نے بخشی تھی اس کو قائم نہ رکھ سکے۔ بلکہ دنیاوی خلفشار اور شان و شوکت میں پڑ کر اس مقصد کو فوت کر دیا جس مقصد کے لئے اہلبیت کا تقرر کیا گیا تھا اور حضور صلعم نے اپنے عمل سے ثابت کیا تھا۔

میں پوچھتا ہوں کہ علویوں کی وہ بغاوتیں اور شورش کیا محض حکومت اور اقتدار حاصل کرنے کے لئے نہ تھیں؟ ان کی لوگوں تک دعوتیں محض سیاسی اور

اپنے آپ کو خلافت کا حقدار جتلانے کے لئے نہ تھیں؟ کونسی اسلام کی تبلیغ کی گئی اور آپس میں الفت و محبت قائم رکھنے اور دین کی طرف راغب کرنے مسلمانوں کو آپس کی خانہ جنگیوں سے روکنے اور قوت کو دشمن اسلام کے خلاف استعمال کرنے کے لئے وعظ اور تبلیغیں کی گئیں۔ بلکہ وہی علویان اور آل رسول تمام جھگڑوں کے باعث بنے رہے۔ حالانکہ ان کے سامنے حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسے عالم و زاہد کی زندہ مثال موجود تھی جو خلافت کے لائق ہونے صحابہ کرام اور عوام کے مجبور کرنے کے باوجود وہ برابر مسند خلافت سے انکار کرتے رہے اور ہمیشہ اس سے کنارہ کش رہے اور تا عمر خلافت و حکومت حاصل کرنے کی جدوجہد تو کجا خیال بھی نہ لائے۔ حالانکہ ابن عمرؓ اہلبیت میں سے نہ تھے۔ خلافت کی پیش کش کی گئی تو منہ موڑ لیا بس یہی نبویؐ تھی اور وہ۔

یہی وہ راستہ تھا جو اہلبیت کے لئے موزوں اور مکرم ہو سکتا تھا۔ اور جس کے لئے آنحضور صلعم نے اپنی زندگی میں ہی اس کا بندوبست فرما دیا تھا۔ پس اہلبیت مادی دنیا کی قیادت کے لئے نہ تھے۔ بلکہ ان کا وجود دین کی سیادت کے لئے تھا اور یہ دین کی سیادت رسول صلعم کی نسبت کی بنا پر فطری تھا۔ دنیا پر حکومت کرنا نہیں بلکہ دین اور مسلمانوں کے قلوب پر حکومت کرنا ان کا مقصد زندگی تھا۔ اس کے برخلاف جب جب انھوں نے دنیا کی قیادت کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا تو تاریخ بتاتی ہے کہ جن حالات سے وہ دوچار ہوئے اور مسلمانوں کے امن عامہ کو دوچار کیا کیونکہ ان مدعیان اہلبیت کی یہ غیر فطری حرکت تھی اس لئے ہمیشہ ناکامی اور ہلاکت کے سوا کچھ نہ حاصل کر سکے۔

ہم یہاں پر علویوں اور اولاد حسنینؓ کے انہی خروج پر بحث کریں گے جن کا ظفر صاحب نے تذکرہ کیا ہے۔

آیئے سب سے پہلے شیعوں کے ان مشہور فرقوں کا جائزہ لیں جو اہلبیت کے بار بار خروج سے وجود میں آئے تاکہ ذہنوں میں ایک اجمالی خاکہ قائم رہے اور آگے پیش ہونے والی تفصیلات کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

شیعی فرقہ کا سب سے بڑا اصول مذہب یہ ہے کہ خلافت کے قیام کا معاملہ اجماع امت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ یعنی خلیفہ کا چننا امت کا کام نہیں بلکہ اللہ کے اختیار میں ہے۔ چنانچہ آنحضور صلعم کو خود اللہ تعالےٰ نے اپنا رسول بنایا۔ آپ نے خدا کے حکم سے حضرت علیؓ کو اپنا خلیفہ مقرر کیا۔

فرقہ کیسانیہ

سب سے پہلا فرقہ ہے جو حضرت حسینؑ کی شہادت کے بعد محمد بن الحنفیہ کو چوتھا امام مانتا ہے یہ حضرت علیؑ کی دوسری بیوی حنفیہ کے لبطن سے تھے۔

اس فرقہ کا بانی حضرت علیؓ کا ایک آزاد کردہ غلام کیسان تھا۔

حیرت ہے کہ کبھی ابن حنفیہ نے امامت کا دعویٰ نہیں کیا۔ بلکہ ہمیشہ اپنے امام ہونے سے انکار کرتے رہے لیکن متبعین ہمیشہ امام ہی مانتے رہے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے فرزند ابو ہاشم عبداللہ کو پانچواں امام بنا لیا۔ چونکہ ابو ہاشم لاولد تھے۔ لہٰذا انھوں نے اپنا حق امامت اپنے علوی خاندان کے افراد کو چھوڑ کر خاندان عباسی کے ایک شخص محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب کو بخش دیا۔ ابو ہاشم کے متبعین ہاشمیہ کہلانے لگے۔

ابو ہاشم کے انتقال کے بعد ان کے متبعین پانچ فرقوں میں تقسیم ہو گئے ایک نے تو محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کی امامت تسلیم کرلی۔

دوسرے نے ان کی امامت سے انکار کیا اور کہا کہ ابو ہاشم کے بعد ان کے بھتیجے

حسن بن علی بن محمد الحنفیہ امام ہیں۔ محمد بن علی کے بعد حق امامت کا وارث اس کا بیٹا ابراہیم ہوا جو امام ابراہیم کہلاتا ہے اس کے بعد اس کا بھائی ابو العباس عبداللہ اس کا جانشین ہوا جو سفاح کے لقب سے مشہور ہوا۔ اور بنو عباس کا پہلا خلیفہ ہوا۔ خلافت بنو عباس کا قیام ۱۳۲ھ میں ہوا۔

اسی حق کے ملنے سے بنو عباس اپنے کو خلافت کا مستحق سمجھتے تھے۔ یہ ظاہر ہے کہ محمد بن علی کو خاندان حضرت علیؓ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ابو ہاشم کی وجہ سے اس فرقہ کا نام کیسانیہ سے ہاشمیہ ہو گیا۔

فرقہ زیدیہ

یہ فرقہ زید بن علی (زین العابدین) کی امامت کا قائل ہے زید نے ہشام بن عبدالملک کے عہد میں عراق پر لشکر کشی کی اور مارے گئے۔ ان کے بعد ان کے متبعین شمالی فارس میں جا بسے۔ شیعی فرقوں میں یہ پہلا فرقہ ہے۔ جو حضرت علیؓ کو جملہ صحابہ سے افضل ماننے کے اصول سے الگ ہو گیا۔ کیونکہ ان کے نزدیک مفضول کی امامت باوجود فاضل کے جائز ہے۔

فرقہ اسمٰعیلیہ

تیسرا فرقہ اسمٰعیلیہ ہے جو حضرت جعفر صادق کے بعد ان کے بڑے فرزند اسمٰعیل کو امام مانتا ہے۔ جعفر صادق کے سات فرزند تھے۔

جعفر صادق

اسماعیل — عبداللہ افطح — موسیٰ کاظم — محمد معروف بہ دیباج — اسحٰق — عباس — علی عریضی

ان میں پہلے چار نے امامت کا دعویٰ کیا جس کی وجہ سے متعدد فرقے پیدا ہو گئے ان میں مشہور فرقے اسمٰعیلیہ اور فرقہ موسیہ ہے۔ یہ فرقے اسمٰعیل اور موسیٰ کاظم کی خلافت کیوجہ سے پیدا ہوئے۔

علامہ مجلسی نے روایت کیا ہے کہ جعفر صادق نے اسمٰعیل کو اپنا جانشین بنایا تھا۔ لیکن ایک موقع پر اسمٰعیل خلاف شرع عمل کے مرتکب ہوئے یہ دیکھ کر ان کے والد برا فروختہ ہو گئے اور امامت کا عہدہ موسیٰ کاظم کی طرف منتقل کر دیا۔ فرقہ اسمعیلیہ نے اسے نہ مانا۔ فرقہ اسمٰعیلیہ کا دعویٰ ہے کہ اسمٰعیل نے جن کی وفات ۱۳۳ھ میں ہوئی اپنے بیٹے محمد پر نص کی اور امامت کا سلسلہ اسمٰعیل کی نسل میں جاری رہا۔ لیکن فرقہ اثنا عشری کہتا ہے کہ جعفر صادق نے اسماعیل کے انتقال کے بعد اپنے تیسرے بیٹے موسیٰ کاظم پر نص کی اور ان کو اپنا جانشین بنایا۔ غرض یہاں بھی شیعوں کے دو گروہ پیدا ہو گئے۔ آگے چل کر یہی اسمٰعیلیہ گروہ سلطنت فاطمہ کا بانی ہوا۔

ہم نے جن فرقوں کا ذکر کیا ہے یہ سب حضرت حسینؓ کی اولاد سے ہیں سوائے فرقہ کیسانیہ کے جو محمد بن الحنفیہ کے امام ہونے کے قائل ہے

شیعوں کے چند مختلف فرقوں پر روشنی ڈالنے کے بعد اب ہم علویوں کی ان تحریکوں اور خروج کا ذکر کریں گے۔ جن کا اثر امویوں اور عباسیوں کی سیاست پر پڑا۔

سنہ۱۰۰ھ ہی میں جب کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ بنو عباس نے اپنی خلافت کے لئے خلافت بنو امیہ کے خلاف سازشوں کا جال پھیلانا شروع کر دیا تھا۔ اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے روایات اور احادیث کو مصلحتاً وضع کیا جاتا تھا۔ جس کا مقصد صرف یہی تھا کہ یہ اثر قائم کیا جائے کہ

خلافت بنوعباس میں ضرور آئے گی۔

بنوامیہ کا ناجائز طور سے برسرِحکومت آنا اور بنوہاشم کا حقدارِ خلافت ہونا یہ پروپیگنڈا بطور ہتھیار کے استعمال ہو رہا تھا۔ لیکن بنوامیہ نے اس قسم کی خفیہ سازشوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس طرف کوئی توجہ نہ دی۔

علویوں اور فاطمیوں نے بھی اس قسم کی کوششوں اور سازشوں کا سلسلہ پہلے ہی جاری کر رکھا تھا اور یہ تمام سلسلے خراسان ہی میں نشو ونما پا رہے تھے۔ خراسان ہی کی آب وہوا ان سازشوں کے لئے موزوں ہو سکتی تھی۔ خراسان میں ازد نامی قبیلہ کا سردار حرث بن شریح خاص طور سے علویوں اور فاطمیوں کا شیدائی تھا۔ چنانچہ سنہ ۱۱۶ھ میں سیاہ کپڑے پہنے اور بیعت امام رضا کی دعوت دی اور فاریاب پہونچ کر اس کام کو آگے بڑھایا۔ اور حاکم بلخ نصر بن سیار کو شکست دے کر بلخ پر قبضہ کر لیا۔ سلیمان بن عبداللہ بن حازم کو بلخ میں مامور کر کے جرجان کی طرف بڑھا اور جرجان پر بھی قابض ہو کر مَرو کی طرف متوجہ ہوا۔ مَرو میں عاصم بن عبداللہ سے مقابلہ ہوا۔ لیکن عین موقع پر شریح کی فوج سے چار ہزار آدمی علیحدہ ہو کر عاصم کی فوج میں شامل ہو گئے جس کے نتیجے میں حرث بن شریح شکست کھا کر پیچھے لوٹا۔ ان حالات سے مطلع ہو کر دمشق سے ہشام بن عبدالملک نے خراساں کو جس کا تعلق اب تک براہ راست دمشق سے تھا۔ عراق کے ماتحت کر دیا، اور اسد بن عبداللہ کو خراسان کا حاکم بنا کر روانہ کیا۔ اسد بن عبداللہ نے خراساں کی حکومت لیتے ہی شریح سے خراساں کے شہروں اور مقامات کو جن پر وہ قابض ہو گیا تھا، چھینا اور قبضہ کرنا شروع کیا، اور فتوحات کا سلسلہ ترکستان سے گذر کر مغربی چین تک پہونچ گیا۔

باب ۹ نہم

زید بن علی (زین العابدین) بن حسینؓ

جناب زید بن علی (زین العابدین) نے حضرت حسینؓ کے خروج کے ٹھیک ۶۲ باسٹھ برس بعد امیرالمومنین ہشام بن عبدالملک جیسے نیک خصال، حلیم الطبع اور عاقل خلیفہ کے خلاف خروج کیا۔ ہشام کا زمانہ تاریخ میں انتہائی خوشحالی کا زمانہ تھا۔ رعایا امن و سکون سے تھی، سرحدی غیر مسلم اقوام پر اسلامی قوت اور شوکت غالب تھی شمال میں رومیوں سے جنگ جاری تھی اور فتوحات کا سلسلہ جاری تھا۔ عبداللہ لبطال اور عبدالوہاب جیسے سرفروش اور جانباز جن کے تخت و تاراج سے رومی عاجز تھے اور ان کے نام سے لرزتے تھے۔ دوسری طرف عبدالرحمٰن بن معاویہ بن خدیج امیرالبحر کے ماتحت بحری فوج برسرپیکار تھی۔ عبداللہ بن عقبہ اندلس کی مہموں کو کامیابی بخش رہے تھے۔

غرض یہ کہ یہی دور تھا کہ ۱۲۲ھ میں یوسف ثقفی کے عہد امارت میں جو عراق کے گورنر تھے زید بن علی بن حسینؓ بن علیؓ بن ابوطالب نے مخفی طور پر بیعت لینی شروع کی اور حاکم وقت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ یہاں تک کہ کوفہ کے پندرہ ہزار آدمیوں

نے بیعت کرلی جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ بنو ہاشم نے کبھی بھی بنو امیہ کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا۔ لہذا نہ رہ کر ان کو بنو امیہ کی کامیابیوں اور اپنی بربادیوں کا خیال آتا تھا اور وہ تمام لوگ جو براہ راست حکومت وقت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا رہے تھے۔ اپنا ہمدرد دیکھتے تھے۔

ان حالات میں بنو ہاشم نے بنو امیہ کی حکومت مٹانے اور خود حکومت حاصل کرنے کا ارادہ کرلیا۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا دور ان کو معلوم تھا وہ جانتے تھے کہ حکومت کو مٹانے اور فنا کرنے کے لئے تلوار سے زیادہ اور کوئی شے بہتر نہیں ہے۔ لہذا یہ کام بنو ہاشم کے دونوں خاندانوں نے ایک ہی وقت میں شروع کیا۔

زید بن علی کو بھی ان لوگوں نے جو گذشتہ واقعات کو بہتر سمجھتے تھے خروج کرنے سے باز رکھنا چاہا۔ لیکن زید بن علی نے مشورہ قبول نہ کرتے ہوئے کوفہ پر خروج کردیا۔ یوسف بن عمر ثقفی نے بغاوت کو دبانے کی کوشش کی۔ کوفیوں نے جسطرح حسینؓ بن علیؓ اور مصعب بن زبیرؓ کو دھوکا دیا تھا اسی طرح زید بن علی کو بھی دھوکا دیا اور ان کے ساتھ شریک ہو کر جنگ کرنے کے بجائے بحث مباحثہ شروع کیا اور ان سے سوال کیا کہ پہلے آپ یہ فرمائیں کہ صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ کو آپ کیا سمجھتے ہیں۔ زید بن علیؒ نے فرمایا کہ میں نے اپنے خاندان میں کسی کو ان دونوں حضرات کی نسبت برا کہتے نہیں سنا۔[1]

---

[1] ظفر صاحب ملاحظہ فرمائیں کہ جناب شیعہ بھی اعلان فرما رہے ہیں کہ صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ کے متعلق ان کے خاندان یعنی اہلبیت کے کسی فرد نے ان کو برا نہیں کہا۔ بلکہ ان کی خلافت کو اہل بیت نے دل سے قبول کیا۔ یقیناً وہ متبرک ہستیاں بغض و کینہ سے پاک تھیں۔ ان کا باطن ان کے ظاہر سے اچھا تھا۔

کوفیوں نے کہا جب خلافت کے حقدار آپ ہی کے خاندان والے تھے اور ان دونوں کی خلافت پر قابض ہو جانے سے وہ ناراض نہ ہوئے تو اب اگر بنو امیہ نے بجائے آپ کے خلافت پر قبضہ کر لیا ہے تو اب ان کو برا کیوں کہتے ہو اور کیوں لڑائی لڑ کر فتنہ برپا کرتے ہو۔ یہ کہہ کر بیعت فسخ کر کے چل دیئے۔ اس پر زید بن علی نے ان کو رافضی فرمایا۔

صرف دو سو آدمی زید بن علی کیساتھ رہ گئے کوفہ کی گلیوں میں ایک ایک شخص کے گھر پہونچ کر بلاتے ان کو عہد بیعت یاد دلاتے اور ان کو اپنی جماعت کی طرف بلاتے لیکن حسین ؓ کے پوتے کیلئے کوئی نہ نکلا اور انہی کوفیوں کی غداری کے صدمہ سے فوت ہو گئے۔ جنگ لڑی گئی اور لڑائی کے دوران پیشانی پر ایک تیر آ کر لگا جس سے جانبر نہ ہو سکے۔ زید بن علی کے صاحبزادے یحییٰ بن زید اپنے باپ کے فوت ہونیکے بعد نینوا کی طرف جا کر روپوش ہو گئے۔ بعد میں خراسان کی طرف چلے گئے۔

طبری کی روایت کے مطابق جناب زید کا خروج کبیدگی خاطر کی بنا پر تھا۔ یہ تنازعہ زید بن علی اور ان کے چچیرے بھائیوں کے درمیان حضرت علی ؓ کے اوقاف کے بارے میں تھا جس سے عبداللہ المحض بن حسن مثنیٰ بن حسن ؓ سے جھگڑا تھا جس کے تصفیہ کے لئے خلیفہ ہشام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

یہ بھی روایت ہے کہ حسنی اور حسینی دو پارٹیاں اس سلسلہ میں بن گئی تھیں حسنی پارٹی کے سرکردہ جعفر بن حسن مثنیٰ اور حسینی پارٹی کے سرکردہ جناب زید مذکور تھے۔ (طبری جلد صـ۲۶۶)

غرضیکہ متعدد روایات اس سلسلہ میں پیش کی جاتی ہیں۔

حکومت بنو امیہ سے دیگر افراد بنو ہاشم کی طرح زید بن علی کو بھی معقول رقم وظیفہ کی ملتی تھی۔ انھوں نے مقررہ رقم سے زائد کئی لاکھ درہم ادائیگی قرض کے لئے

طلب کئے تھے۔ امیر المومنین ہشام جو طبعاً کفایت شعار تھے زید کا یہ مطالبہ نامنظور کر دیا حصول مقصد میں ناکامی کے بعد مزاج میں برہمی پیدا ہوگئی اور کوفیوں کو جنہوں نے بیعت کرکے خلافت کا سبز باغ دکھلایا تھا۔ خروج پر آمادہ کر لیا۔ داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ نے جو ابن عم ہونیکے علاوہ گہرے دوست بھی تھے کوفیوں کی غداری کی مثالیں پیش کیں جن کو طبری نے نقل کیا ہے۔ (طبری جلد ۸ ص ۲۶۵)

لیکن انھوں نے مخلص عزیزوں اور دوستوں کی بات نہ مانی۔ جب جنگ کی نوبت آئی تو ہشام نے خاص طور سے بغاوت کو ختم کرنے کے لئے یہ حکم نامہ عراق روانہ کیا۔

"ان پر یعنی (زید بن علی اور ان کے ساتھیوں پر) اتنا بوجھ اور تکلیف دینا کہ وہ لوگ وہاں سے اس طرح نکل جائیں کہ سب سلامت رہیں خون نہ بہنے پائے اور عوام الناس کو امن اور چین ہو، یہ باتیں مجھے اس بات سے زیادہ محبوب ہیں کہ ان کا خون بہے یا ان کی بات بگڑ جائے اور ان کی نسل مٹ جائے۔ جماعت اللہ کی مضبوط رسی ہوتی ہے۔ اس حکم خاص میں ہدایت یہ بھی تھی کہ سپاہیوں کو ممانعت کردو۔ کہ باغیوں کے گھروں اور احاطوں کے اندر داخل نہ ہوں۔ (طبری جلد ۸ ص ۲۶۶)

جناب زید کے لاشہ کو سولی پر چڑھانے یا سر کاٹ کر امیر المومنین ہشام کے پاس بھیجنے کی روایات وضعی ہیں۔ کبھی تو یہ کہا جاتا ہے کہ زید کا سر خلیفہ کے پاس دمشق بھیجا گیا۔ پھر کہا گیا مدینہ روانہ کیا گیا جہاں دفن ہوا کبھی مصر روانہ کرنے کی بابت تحریر کیا گیا۔ روایتوں میں اتنا تضاد ہی ان کے وضعی ہونے کی صاف دلیل ہے۔

باب دہم

عباسیوں کی سازش

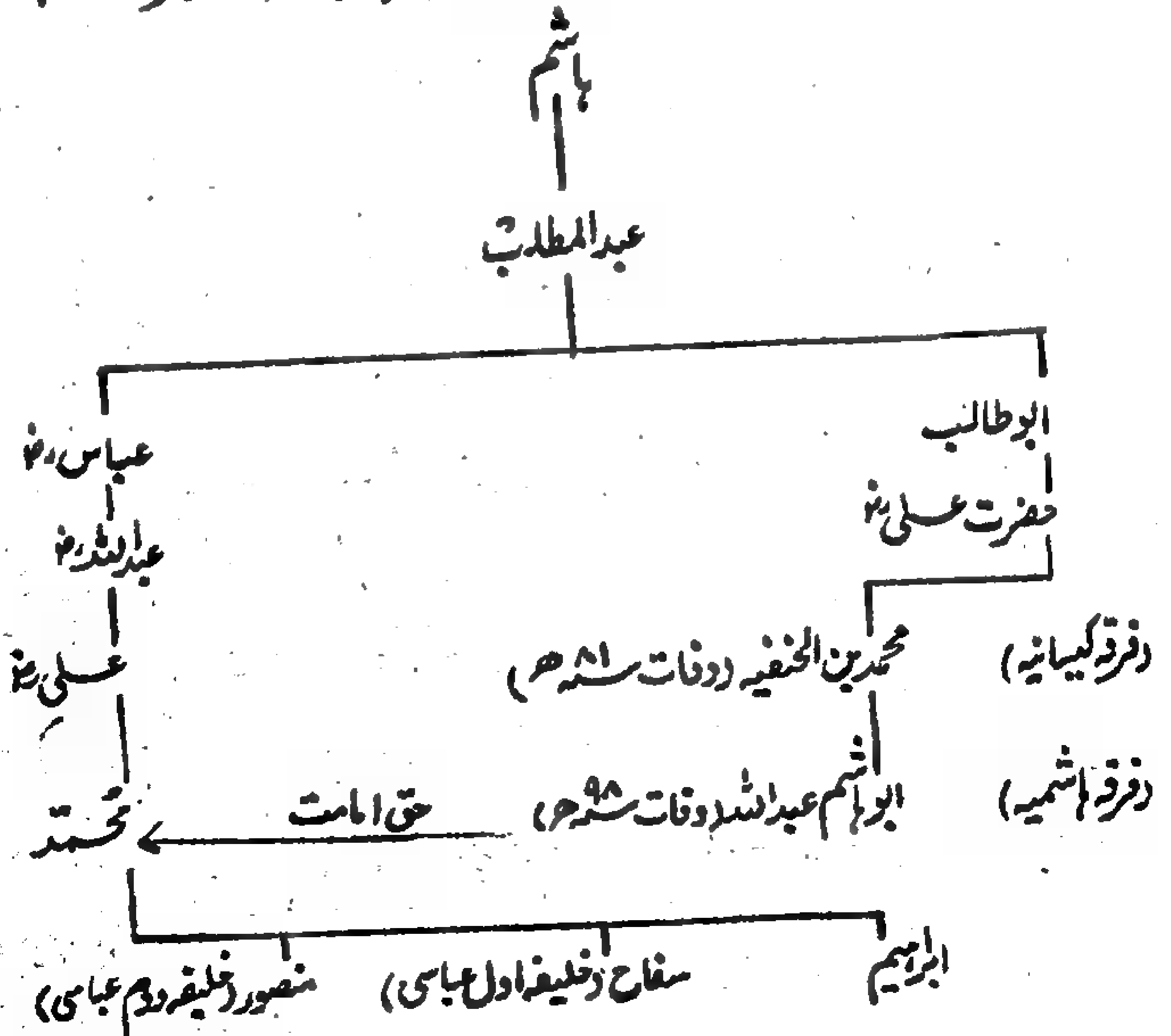
حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد کوفیوں کو اپنی بدعہدی پر بڑی ندامت ہوئی کہ انھوں نے حسینؓ کو ناحق کوفہ بلایا اور عین موقع پر آپ کی رفاقت سے منہ موڑ لیا۔ ان لوگوں نے اپنے اس فعل بد سے توبہ کی جس کی وجہ سے وہ توابین کہلانے لگے۔ انھوں نے متفق ہو کر ایک صحابی سلیمان بن صرد کو سردار بنالیا اور بنوامیہ کے مقابلہ کے لئے تیاریاں شروع کردیں۔

۶۵ھ میں عبدالملک بن مروان کے عہد خلافت میں مختار بن ابی عبید نے اسی ارادہ سے خروج کیا اور کوفہ کے والی کو قتل کر کے قابض ہو گیا۔ فرقہ کیسانیہ کے لوگ اسی کے ساتھی تھے۔ محمد بن الحنفیہ کی وفات کے بعد ان لوگوں نے ان کے لڑکے ابو ہاشم عبداللہ سے بیعت کرلی۔ انھوں نے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا کر اموی خلافت سے لوگوں کو بھڑکانا شروع کیا۔

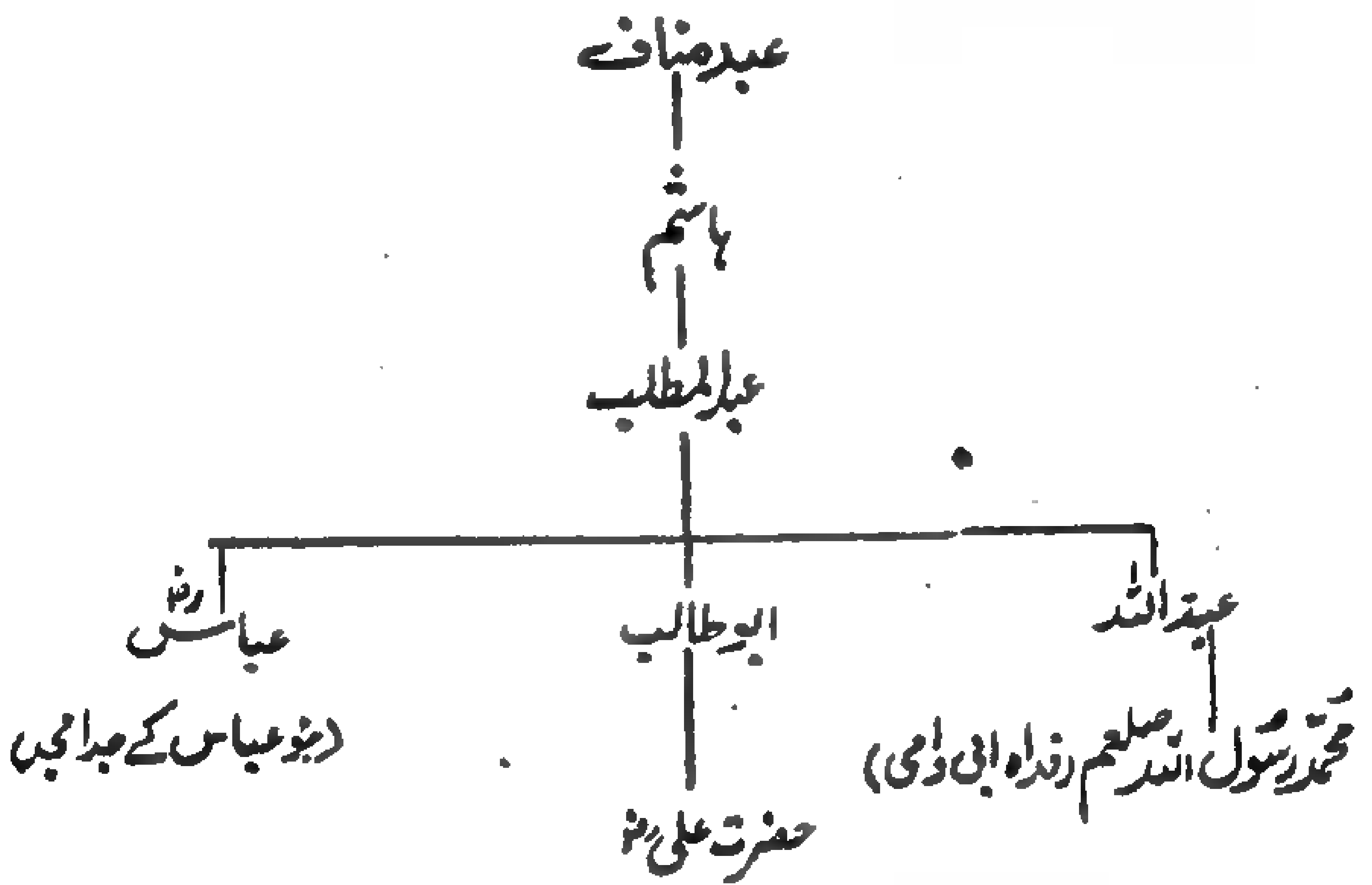
(ابو ہاشم عبداللہ بن محمد بن الحنفیہ بن علی بن ابی طالب کی سلیمان بن عبدالملک وغیرہ خلفاء بنوامیہ بڑی عزت اور مدارات کرتے تھے لیکن بنوامیہ سے ان کو بھی للّہی بغض تھا اور ہاشمی نہ ہونے کی وجہ سے تعصب تھا۔)

ایک مرتبہ سلیمان بن عبدالملک نے انھیں اپنے پاس دمشق بلایا اور بہت احترام کے ساتھ اپنا مہمان رکھ کر مدینہ واپس کیا واپسی میں وہ مقام حمیمہ علاقہ بلقاء میں محمدؒ بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ کے پاس ٹھہرے اتفاقاً بیمار ہو کر فوت ہو گئے ابو ہاشم عبداللہ نے فوت ہونے سے پیشتر اپنا حق امامت اپنے خاندانی علوی کو چھوڑ کر عباسی بزرگ محمد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ کو دے دیا اسی دن سے خلافت حضرت علیؓ کے خاندان سے نکل کر عباس بن عبدالمطلب کے خاندان میں منتقل ہوئی۔

یہ امامت کیوں عباسی خاندان میں علوی خاندان سے منتقل ہوئی اس کی بہت سی روایات ہیں۔ لیکن احق یہی ہے کہ ابو ہاشم عبداللہ جانتے تھے کہ کیسانیہ اور امامیہ کے اصولوں میں بہت اختلاف ہے جس کی وجہ سے خاندان علوی کبھی کامیاب نہ ہو سکے گا۔ اس لئے انھوں نے خاندان عباسی کو اپنے علوی خاندان پر ترجیح دی اور محمد بن علی کو خلافت سپرد کر دی۔ شجرہ ملاحظہ ہو۔



ابو ہاشم عبداللہ کی وصیت سے محمد بن علی کو بہت فائدہ پہونچا۔ عباسیوں کی بیعت خلافت کی تحریک مخفی طور سے شروع ہو گئی۔ محمد بن علی نے ہوشیاری یہ کی کہ اپنی دعوت بنو فاطمہ کی طرح اہلبیت کے لئے شروع کی کیونکہ عجمی مسلمان اہلبیت کی طرف زیادہ مائل تھے۔ ویسے بھی اہلبیت میں بنو فاطمہ کے ساتھ عباسی بھی شامل ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ شجرہ سے واضح ہے۔



عباسیوں نے بھی باور کرایا کہ وہ اہلبیت ہی کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اپنی دعوت کا نام ہاشمیہ رکھا جس سے ان کی مراد ابو ہاشم عبداللہ سے تھی مگر لوگ یہ سمجھتے رہے کہ ان کی مراد ہاشم بن عبدمناف سے ہے جن میں فاطمی بھی شامل ہیں۔ لوگ اس دھوکے میں آگئے اور عباسیوں نے اپنی قوت بڑھالی۔ محمد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ بڑا مدبر اور سیاست داں تھا۔ اس نے دیکھا کہ کوفہ میں علیؓ کے شیعہ ہیں بصرہ میں عثمانیہ ہیں۔ الجزائر میں جاہل بدوی عرب ہیں۔ اہل شام سوائے حضرت معاویہؓ کے کسی کو نہیں جانتے۔ اہالیان مکہ و مدینہ پر ابو بکرؓ و عمرؓ کی محبت غالب ہے۔ اس لئے اس نے خراسان کی طرف جاکر دعوت دی۔ خراسانیوں کے دلوں میں

بنو فاطمہ کے داعیوں نے اہلبیت کی ایسی محبت پیدا کر دی تھی کہ وہ بنو امیہ سے مقابلہ کیلئے موقعہ تلاش کر رہے تھے۔ عباسیوں نے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور اہلبیت کے مبہم الفاظ سے اپنی تحریک مضبوط کرنے لگے۔ چنانچہ سنہ ۱۰۰ھ بہ عہد خلافت حضرت عمر بن عبد العزیزؒ جنہوں نے بنو امیہ کی نسبت نفرت و عداوت کو کسی حد تک ختم کر دیا تھا۔ لیکن پھر بھی محمد بن علی کی تحریک برابر سرگرم عمل رہی۔

عباسی داعی بھی علوی داعیوں کی بظاہر بنو ہاشم اور اہلبیت کی طرف دعوت دیتے تھے لیکن بعض اوقات عباسیوں کا راز فاش ہو جاتا تھا اور علویوں کو گمان ہوتا تھا کہ بنو ہاشم سے ان کی مراد ابو ہاشم عبداللہ بن محمد حنفیہ نہیں ہے بلکہ عباس بن عبد المطلب بن ہاشم ہے اس گمان کی بنا پر عباسیوں اور علویوں میں جھڑپ ہو جایا کرتی تھی۔ چنانچہ ایک علوی داعی غالب نے عباسی داعیوں کو مغلوب کرنے کی کوشش کی، جس سے عباسی دعوت خطرہ میں پڑ گئی۔ یہ بات جب محمد بن علی کو معلوم ہوئی تو انھوں نے ابو محمد زیاد کو خراسان کی طرف روانہ کیا۔ جس کا غالب کے ساتھ مناظرہ ہوا۔ دونوں نے اپنے اپنے خاندان کا حق ثابت کرنے کی کوشش کی۔ غرضیکہ ایک ہی خاندان کے یہ افراد ایک دوسرے سے سبقت لیجانے اور خلافت کو حاصل کرنے کے لئے آپس میں دست و گریباں رہے۔

کیا ایسی صورت کے پیش نظر کوئی بھی حق و انصاف سے یہ کہہ سکتا ہے کہ شروع سے خلافت اگر ان دو خاندانوں میں سے کسی ایک کے پاس آجاتی تو کار خلافت بحسن و خوبی چل سکتا تھا۔ صاف ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں کشت و خون کے وہ دریا بہتے۔ جس سے خلافت ہی کیا اسلامی حکومت کی بنیادیں بھی بہہ جاتیں۔ مانا کہ اہلبیت نبویؐ میں دو گھرانے اعلیٰ تھے ایک حضرت علیؓ کی اولاد دوسرے حضرت عباسؓ بن عبد المطلب کی اولاد۔ لیکن علویوں میں دو گروہ

ہو گئے، ایک وہ جو حضرت حسینؓ کی اولاد کو مستحق خلافت سمجھتا تھا۔ دوسرا گروہ محمد بن حنفیہ کو سب سے زیادہ خلافت کا حق دار سمجھتا تھا۔ تیسرا گروہ عباسیوں کا تھا۔ سب سے طاقتور گروہ فاطمیوں یا حسینیوں کا تھا۔ بعد میں فاطمیوں میں بھی دو گروہ پیدا ہو گئے۔ ایک وہ جو زید بن علی بن حسین کے طرفدار تھے۔ وہ زیدی کہلائے دوسرے وہ جنہوں نے اسمٰعیل بن جعفر صادق کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، وہ اسمٰعیلی کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان تمام گروہوں سے علویوں کی کارروائیوں اوران کے انجام سے عباسی نصیحت لیتے رہتے۔ چونکہ ان تینوں گروہوں کی راہ عمل ایک ہی تھی یعنی خلافت کا حاصل کرنا اس لئے تبلیغ کے لئے عباسیوں کو ایسے الفاظ استعمال کرنے کی تاکید کی گئی تھی جس سے گروہ کے ساتھ تصادم لازم نہ آنے پائے۔ مثلاً

> بجائے حضرت عباس یا محمد بن الحنفیہ یا حضرت زین العابدین کی فضیلت بیان کی جائے صرف اہلبیت کا ایک عام لفظ استعمال کیا جاتا تھا۔

یہی نہیں بلکہ ان لوگوں نے بنوامیہ کی مخالفت کے جوش میں خارجیوں سے بھی ہمدردی کا برتاؤ جائز کر لیا۔ کیونکہ خارجی بنوامیہ کو کافر کہتے تھے اور ان کے خلاف کوششوں میں رہتے تھے۔ حالانکہ خارجی جس طرح بنوامیہ کے دشمن تھے۔ اسی طرح حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کے بھی مخالف تھے۔ مگر یہاں تو ہر اس تحریک کا خیر مقدم کرنا تھا جو بنوامیہ کی مخالفت کے درپے ہو۔ لہذا اس خفیہ اشاعت میں علویوں نے اپنی جلد بازی کی وجہ سے کوئی مقام حاصل نہ کیا اور ہر ہر موقع پر ان کی سازشوں کا علم ہوتا رہا۔ اس کے برخلاف عباسیوں کی سازش سے بنوامیہ آخر تک بے خبر رہے۔ اور بعد میں جب عباسی تحریک میں محمد بن

علی کے ساتھ علویوں کا ایک بڑا گروہ شامل ہو گیا تو تمام طاقت عباسیوں کے ہاتھ آگئی اور محمد بن علی عباسی اس زبردست سازشی جماعت کے پیشوا بنے۔

۱۲۴ھ میں وصیت کے مطابق محمد بن علی عباسی کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے ابراہیم جانشین ہوئے۔ ابراہیم نے اس سازش کو پہلے سے زیادہ وسیع کیا اور نہایت نظم کے ساتھ۔ عراق۔ خراسان۔ فارس، شام حجاز وغیرہ ممالک میں اپنی تحریک کا ایک جال بچھا دیا۔ اتفاق سے ابراہیم کو ابومسلم خراسانی جیسا مدبر شخص مل گیا جس نے بہت جلد اس سازش کو کامیاب بنا دیا۔

ابراہیم نے ابومسلم خراسانی کو اپنی طرف ملا کر اور اچھی طرح اس کی فطرت کا جائزہ لے کر اپنے ایک مشہور نقیب ابونجم عمران بن اسمٰعیل کی لڑکی سے اس کا عقد کر دیا ابونجم ان لوگوں میں سے تھا جو خلافت اسلامیہ کو اولاد علیؓ میں لانا چاہتا تھا۔ اس عقد سے یہ فائدہ حاصل کرنا مقصود تھا۔ کہ ابومسلم کو شیعان علی کی حمایت حاصل رہے اس انتظام کے بعد ابراہیم نے ابومسلم کو خراسان کی طرف تمام علاقہ کا مہتمم بنا کر روانہ کیا۔ ابومسلم نے اپنے آدمیوں کو ہر طرف پھیلا دیا۔ اور تمام صوبہ خراسان میں اس تحریک کو ترقی دینے لگا۔

۱۲۹ھ میں ابراہیم نے ابومسلم کو موسم حج میں ملاقات کرنے کے لئے خط لکھا۔ تاکہ اس دعوت کی اشاعت کے لئے احکامات دیئے جائیں۔ ان خفیہ سازشوں کے لئے حج کا زمانہ نہایت موزوں تھا۔ بغیر کسی شک وشبہ کے باسانی سازشی لوگ ہر قسم کی گفتگو کا یہ بہترین موقع سمجھتے تھے۔ لہٰذا ابومسلم مکہ کی جانب روانہ ہوا مقام قومس پر ابراہیم کا خط ملا۔ کہ تم فوراً خراسان واپس ہو جاؤ۔ اور اگر خراسان سے روانہ ہو ئے ہو تو وہیں مقیم رہو اور اپنی دعوت کو پوشیدہ رکھو

بلکہ اب اعلانیہ دعوت دینی شروع کرد۔ جو لوگ بیعت کر چکے ہیں ان کو جمع کر کے قوت استعمال کرو۔

۱۳۰ھ میں ابومسلم خراسانی نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی پیروی اور اہلبیت کی اطاعت وفرمانبرداری پر بیعت لینی شروع کی جس میں شیعان علی بھی کثرت سے ابومسلم کے شریک ہو گئے۔

یہ مروان بن محمد اموی کا زمانہ تھا۔ عباسیوں اور علویوں کی سازشیں عروج پر تھیں۔ اہلبیت کی آپس ہی میں کشمکش جاری تھی۔ عباسی علوی اور فاطمی تینوں فریق خلافت حاصل کرنے کی جدوجہد میں تگ و دو کر رہے تھے۔

جیسا کہ بیان ہوا کہ علویوں کی سازشیں ان کی عجلت پسندی کی بنا پر کبھی کامیاب نہ ہوسکیں اور ہمیشہ زک اٹھائی اور قتل کیے گئے اس کے برخلاف عباسیوں نے خفیہ طریقوں اور منظم طور سے بڑے سکون کے ساتھ اپنی سازشوں کو اندر ہی اندر پروان چڑھایا، اور اپنے مفاد اور خلافت کو حاصل کرنے کے لیے علویوں سے بھی رعایت نہیں کی بلکہ ہمیشہ اپنا تیر انھیں کی کمان سے چھوڑتے رہے۔ گو کہ یہ ان کی آپس کی اور ایک ہی خاندان کی رسہ کشی ہے دونوں ابوطالب اور حضرت عباسؓ سگے بھائیوں کی اولاد ہیں۔ ہمیں ان کے آپس کے مسئلوں پر بحث کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ جیسا کہ ظفر صاحب نے علویوں کے حق میں عباسیوں پر انگلی اٹھائی ہے۔ لیکن چونکہ امیہ خاندان کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے میں علوی اور عباسی دونوں کا ہاتھ ہے اور عباسی دور خلافت میں بھی علویوں کی سازشیں اور خروج برابر جاری رہے۔ اس لئے ان دونوں خاندانوں کا تذکرہ میرے لئے ضروری تھا۔

مروان بن محمد بن مروان بنو امیہ کا آخری خلیفہ ہے۔ ان کو مروان الحمار بھی کہتے ہیں۔ حمار صابر ہونے کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ صعوبت کش کو بھی حمار کہتے ہیں۔ اس کی خلافت کا زمانہ سازشوں کو دبانے ہی میں گذرا اور اس نے اپنی صعوبت کشی اور صابر ہونے کا ثبوت دیا۔ اسی کے زمانہ میں بلاد خزر پر پورا تسلط ہوا۔ مروان نے دمشق کے بجائے حران میں اقامت اختیار کی۔

اس کے زمانے میں اہل حمص کی بغاوت، اہل غوطہ کی دمشق میں بغاوت، اہل فلسطین کی طبریہ میں بغاوت، کوفہ میں ضحاک خارجی کی بغاوت۔ خراسان میں حرث بن شریح کی بغاوت، ادھر ابومسلم خراسانی کی شورشیں عروج پر تھیں اور اس نے اپنی تقریباً چھ سالہ قلیل دور خلافت میں ان سب کو مغلوب کیا جس وقت مروان ضحاک خارجی سے موصل کے قریب جنگ میں مصروف تھا اس وقت ایک خط امام ابراہیم کا لکھا ہوا جو ابومسلم کے نام تھا، پکڑا گیا۔ اس خط میں ابراہیم نے ابومسلم کو ہدایت کی تھی کہ

"خراسان میں کسی عربی النسل یا عربی اللسان کو زندہ نہ چھوڑنا خراسان کے اصلی باشندے جو مسلمان ہوگئے ہیں۔ وہ ہمارے بہت کام آئیں گے، اور انھیں پر زیادہ اعتماد رکھنا چاہیئے۔"

(یہ وہ سازشیں ہیں جو ظاہر کرتی ہیں کہ عباسیوں نے بنو امیہ کے خلاف سازشوں کا ایک جال پھیلا رکھا تھا) اور اب امام ابراہیم بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب اس سازش کے موجودہ امام تھے۔ جو مقام حمیمہ علاقہ بلقاع میں سکونت پذیر تھے۔ مروان نے ابراہیم بن محمد اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کرکے حران میں قید کر دیا۔ چند روز کے بعد حران میں وبائی بیماری پھیلی اور امام ابراہیم فوت ہوگئے۔

باب یازدہم

عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر کا خروج

ادھر عباسیوں کی سازشیں عروج پر تھیں ادھر علویوں نے بھی علم بغاوت بلند کیا۔ چنانچہ عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب نے کوفہ میں خروج کیا اور لوگوں سے بیعت خلافت لینا شروع کی مگر عمر بن عبدالعزیز کے صاحبزادے عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز جو عراق کے گورنر تھے اور رعایا ان سے بہت خوش تھی، عبداللہ بن معاویہ علوی کی سازشوں کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ بلکہ تمام سازشی لوگوں کو جن جن کا علم انھیں ہوا عراق سے نکال دیا[1]۔ عبداللہ بن معاویہ علوی مع اپنے کوفی ساتھیوں کے مدائن کی طرف چلے گئے پھر وہاں سے پہاڑی علاقہ کا رخ کیا اور اس پر قابض ہوکر حلوان، قومس، اصفہان اور رے پر قابض ہو گئے۔ اصفہان کو

---

[1] ظفر صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ حکومت کے حالات سازگار نہ تھے اس لئے گذری تاریخ دوہرائی جا سکی بلکہ حکومت نے ناکامی کے اندیشہ کے تحت صلح کی بات چھیڑی جس سے جنگ رک گئی اور یوں صلح ہو گئی کہ عبداللہ بن معاویہ علوی کوفہ سے چلے جائیں یہ سب محض طبعزاد ہے کوئی صلح کی بات چیت نہیں ہوئی اور نہ حکومت مغلوب ہوئی یہ محض آل علی کی بے جا مدح سرائی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ یزید بن عمر والی عراق کی جنگ کا تذکرہ جو عبداللہ بن معاویہ سے ہوئی حذف کر گئے ہیں

اپنی قیام گاہ بنایا اور ۱۲۸ھ میں شیراز پر قبضہ کر لیا۔ عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز کے بعد جب یزید بن عمر عراق کا گورنر مقرر ہو کر آیا تو اس نے عبداللہ بن معاویہ کو اصطخر کے قریب جنگ میں شکست دی اور عبداللہ علوی کے بہت سے ہمراہی قتل کے گھاٹ اترے عبداللہ بن معاویہ فرار ہو کر ابو مسلم کی طرف چلے۔ کیونکہ اس سے ان کو اہلبیت کا بہی خواہ ہونے کی وجہ سے امداد کی توقع تھی۔ چنانچہ وہ شیراز سے کرمان اور وہاں سے ہرات پہونچے۔ ہرات میں ابو مسلم کے عامل نصر بن نعیم نے ان کو مقید کر کے ابو مسلم کو ان کے آنے کی خبر دی۔ ابو مسلم نے لکھ کر بھیجا کہ عبداللہ بن معاویہ کو قتل کر دو اور ان کے دونوں بھائیوں حسن و یزید کو رہا کر دو۔ لہذا نصر بن نعیم نے حکم کی تعمیل کی اور عبداللہ بن معاویہ علوی قتل کر دیئے گئے۔ عبداللہ بن معاویہ کے خروج کو بھی شیعوں نے جہاد سے تعبیر کیا ہے۔

علامہ ابن حزم نے عبداللہ بن معاویہ علوی کے متعلق لکھا ہے کہ یہ بڑے فاسق تھے اور یحییٰ بن مطیع و عمارہ بن حمزہ جیسے دہریوں سے ان کا تعلق تھا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۳۳، جمہرۃ الانساب ابن حزم ص ۶۱)

باب ۱۲ دوازدہم

خلافت عباسیہ

ابراہیم نے اپنی گرفتاری اور قید کے وقت وصیت کر دی تھی کہ میرے بعد میرا جانشین میرے بھائی عبداللہ سفاح کو بنایا جائے اور بلقاء میں سکونت کے بجائے کوفہ میں قیام کیا جائے۔ نیز ابومسلم خراسانی کے ہر حکم کی تعمیل کی جائے۔ چنانچہ عبداللہ سفاح معہ اپنے خاندان کوفہ میں اقامت پذیر ہوا۔ ابومسلم نے ۱۳۰ھ تک پورے خراسان پر قبضہ کرنے کے بعد کوفہ پر قبضہ کیا۔ اور ۱۳۲ھ میں عبداللہ بن سفاح کے ہاتھ پر بیعت خلافت کرائی۔ مروان نے یہ خبر سن کر کوفہ پر فوج کشی کی۔ دریائے زاب کے کنارے سفاح کی فوج سے جس کا سردار سفاح کا چچا عبداللہ بن علی تھا مقابلہ ہوا۔ لیکن عین موقع پر جب مروان عبداللہ بن علی کے لشکر کو شکست دے کر بھگا چکا تھا۔ اس کی فوج کے اکثر حصہ نے لڑنے سے انکار کر دیا فتح شکست میں بدل گئی اور مروان حران ہوتا ہوا حمص کی طرف روانہ ہوا۔ ادھر عبداللہ بن علی نے دمشق میں داخل ہو کر کشت وخون کے دریا بہا دیئے

اور ولید بن معاویہ حاکم دمشق کو بھی قتل کردیا۔ مروان کے تعاقب میں سفاح نے عبداللہ بن علی کے بھائی صالح بن علی کو روانہ کیا۔ صالح نے مصر کے ایک گاؤں بوحیر میں جہاں مروان مقیم تھا۔ شبخون مار کر قتل کر ڈالا اور سر کاٹ کر سفاح کے پاس روانہ کیا۔

یہ واقعہ ۲۸ ذالحجہ سنہ ۱۳۲ھ مطابق ۵ اگست سنہ ۷۵۰ء کا ہے۔ مروان کے قتل کے بعد خلافت بنو امیہ کا خاتمہ ہو گیا۔ اور خلافت عباسیہ کی ابتدا ہوئی۔

جیسا کہ معلوم ہے کہ بنو فاطمہ، بنو امیہ اور بنو عباس دونوں کو غاصب سمجھتے تھے۔ کیونکہ ان کے اعتقاد کے مطابق امامت بغیر نص اور توقیف کے جائز نہیں اسی بنا پر انھوں نے عباسیوں کی بھی مخالفت کی تھی اور اسی وجہ سے عباسیوں کو ہمیشہ ان سے خطرہ لگا رہتا تھا۔ عباسیوں نے اسی خطرہ کے تحت سیاسی مصلحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے بنو امیہ کے آخری زمانہ میں علویوں کے ساتھ ذی الحجہ سنہ ۱۳۰ھ میں بتقریب حج بیت اللہ مکہ میں ایک مجلس منعقد کی تھی۔ عباسی جانتے تھے کہ بنو امیہ کی حکومت کا چراغ ٹمٹما رہا ہے اور اب حکومت انھی کو ملنا چاہیئے۔ جس کیلئے وہ شروع سے کوشش میں تھے۔ ویسے بھی اگر خلافت کو موروثی تسلیم بھی کر لیا جائے تو حضور کے بعد عباسؓ ہی کو شرعی طور سے جانشین ہونا چاہیئے تھا کیوں کہ آپ حضور کے چچا تھے۔ اس کے علاوہ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے کہ ابو ہاشم عبداللہ بن محمد حنفیہ نے خلافت بجائے علوی خاندان کے عباسی خاندان کے ایک فرد محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کو منتقل کر دی تھی۔ اس بنا پر بھی عباسی ہی خلافت کے مستحق تھے نہ کہ علوی۔

غرضیکہ اس مجلس میں علویوں کی طرف سے حضرت جعفر صادق، عبداللہ المحض

بن حسن بن حسنؓ بن حضرت علیؓ اور عبداللہ المحض کے دونوں فرزند محمد بن عبداللہ بن حسن (نفس ذکیہ[1]) اور ابراہیم (قتیل باخمریٰ)

اور عباسیوں کی جانب سے سفاح اور اس کا بھائی منصور شریک ہوئے۔

منصور نے بلا توقف اولاد علی میں محمد بن عبداللہ (نفس ذکیہ) کا نام پیش کیا۔ لیکن حضرت جعفر صادق[2] نے اس کو قبول نہیں کیا۔ بلکہ نفس ذکیہ کے والد عبداللہ المحض سے فرمایا کہ یہ تجویز ہرگز کامیاب نہ ہوگی بلکہ خلافت صرف پیلی قبا والے (منصور) کے سوا کسی کو نہیں ملے گی۔ یہ پیش گوئی آگے چل کر صحیح ثابت ہوئی۔ خلافت منصور ہی کو ملی اور نفس ذکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم[3] دونوں مارے گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

عبداللہ سفاح جب کوفہ اپنے بھائی ابراہیم کی وصیت کے مطابق پہونچے تو ابوسلمہ کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ ابوسلمہ امام ابراہیم کی طرف سے کوفی تحریک کا مہتمم تھا لیکن اب اس کی تمام تر کوششیں اولاد علی کو خلیفہ بنانے پر صرف ہو رہی تھیں اور ممکن تھا کہ اگر سفاح کوفہ میں نہ آگیا ہوتا تو ابوسلمہ آل ابی طالب کو خلیفہ بنانے میں کامیاب ہو گیا ہوتا۔ ابوسلمہ نہیں چاہتا تھا کہ لوگوں کو سفاح کے آنے کی خبر ہو اور لوگ اس کی طرف متوجہ ہونے لگیں۔ چنانچہ ابوسلمہ نے امام جعفر صادق بن امام

---

[1] نفس ذکیہ کا شجرہ ظفر صاحب نے غلط پیش کیا ہے۔ یعنی اس طرح نفس ذکیہ بن عبداللہ بن حسن بن علی بن ابی طالب حالانکہ شجرہ یوں ہے۔ نفس ذکیہ بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب (یعنی درمیان سے ایک نسل ہی ختم کر دی)

[2] ظفر صاحب نے جعفر صادق کی مخالفت جو انھوں نے نفس ذکیہ کے بارے میں کی تھی۔ اس کا تذکرہ نہیں کیا بلکہ اس موقع پر ان کا نام ہی حذف کر گئے

[3] نفس ذکیہ کے بھائی کا نام ابراہیم ہے۔ لیکن ظفر صاحب نے اسمٰعیل تحریر کیا ہے اور یہ ظفر صاحب کی معلومات اور تاریخ دانی کا کمال ہے۔

باقر بن زین العابدین بن حسینؑ بن علیؑ کو کوفہ آنے کی دعوت دی لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔ اس عرصہ میں لوگوں کو سفاح کے کوفہ میں آنے کی خبر ہو چکی تھی کوفہ میں اب دو قسم کے گروہ تھے۔ ایک وہ جو آل عباس کی حکومت کا خواہاں تھا دوسرا وہ جو آل ابی طالب کی خلافت کا خواہاں تھا۔ لیکن عباسی تحریک کامیاب ہوئی۔

عبداللہ سفاح کے خلیفہ ہوتے ہی علویوں میں جو اب تک شریک کار تھے ہلچل پیدا ہو گئی۔ کیونکہ وہ اپنی خلافت کی توقع رکھتے تھے۔ عباسیوں کی کامیابیوں میں سب سے بڑا دخل ابو ہاشم عبداللہ کی وہ وصیت تھی جو انھوں نے محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کے حق میں کی تھی۔ اسی وصیت کی وجہ سے شیعوں کے فرقہ کیسانیہ کا یہ عقیدہ قائم ہوا۔ کہ حضرت علی کے بعد محمد بن حنفیہ امام تھے۔ ان کے بعد ان کے بیٹے ابو ہاشم عبداللہ امام ہوئے ان کے بعد محمد بن علی عباسی جانشین ہوئے ان کے بعد ان کے بیٹے ابراہیم امام ہوئے، اور ابراہیم کے بعد عبداللہ سفاح امام ہیں۔ اس طرح شیعوں کی ایک بڑی جماعت شیعوں سے کٹ کر عباسیوں میں شامل ہو گئی اور علویوں اور فاطمیوں کو کوئی موقع عباسیوں کے خلاف کھڑے ہونے کا نہ ملا، اور علوی اندر ہی اندر سلگتے رہے۔

باب ۱۳ سیزدہم

"بنوامیہ کا قتل عباسیوں کی خلافت میں"

علویوں اور عباسیوں کو جب تک خلافت نہیں ملی تھی وہ اس بنا پر بنوامیہ کی پرزور مخالفت اور ان کے خلاف خفیہ سازشیں کرتے رہے تھے کہ امویوں نے خلافت کو موروثی بنا دیا ہے لہٰذا کسی صورت سے ان سے اقتدار چھین کر اپنے خاندان میں خلافت منتقل کر دی جائے کیونکہ ان کے اپنے عقیدے کے تحت تو خلافت کا موروثی ہونا جائز تھا۔ ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ حضور صلعم کے وصال کے بعد صرف اہلبیت[1] ہی کو خلافت کے لئے احق سمجھتے

---

[1] وہ بھی صرف اولاد فاطمہ زہرہؓ باقی اور بیٹی بیوی اور ان کی اولاد اور چچا بھتیجے۔ کوئی اہلبیت میں نہیں شمار ہوتے۔ سبحان اللہ اہلبیت پر ایسا خط کھینچ دیا گیا ہے کہ فاطمہؓ علیؓ، حسنؓ، حسینؓ کے علاوہ حضور کی اور بیٹیاں ان کی اولاد بیویاں۔ چچا بھتیجے کیا مجال کہ اہلبیت کے دائرے میں آجائیں۔ ظفر صاحب شیعوں کے یہاں تو فاطمہ ہی فاطمہ حضور صلعم کی اولاد ہیں۔ باقی اولاد کو تو کوئی جانتا بھی نہیں۔ مجھ کو اکثر شیعوں دوستوں سے گفتگو کا اتفاق ہوا ہے۔ میں نے جب بھی حضور کی اولاد (باقی اگلے صفحہ پر)

بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بنو امیہ کے پورے دور میں علویوں اور عباسیوں کی خلافت

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ سے آگے)۔ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے صرف حضرت فاطمہ کو بتایا باقی جانتے ہی نہیں۔ جب میں نے ان سے حضورؐ کی اور بیٹیوں کا ذکر کیا تو جواب دیا کہ مجھے آج تم سے معلوم ہوا کہ حضور کی چار بیٹیاں تھیں اور پہلی بیٹی حضرت زینب سے اولاد کا سلسلہ چلا گویا کہ تعصب اور بغض کی انتہا ہو گئی کہ حضور کی دو بیٹیاں کلثوم۔ رقیہؓ حضرت عثمان کے عقد میں آنے کی وجہ سے حضور سے ان کا سلسلہ نسل ختم کر دیا اور بڑی بیٹی حضرت زینبؓ کا حضورؐ سے سلسلہ یوں شیعوں کو منقطع کرنا پڑا کہ ان کی اولاد کا سلسلہ اب تک چلا آرہا ہے زینبؓ کا نام نسل محمد کے شجرہ میں اگر شیعوں کے بچوں کو ان کے والدین بتلاتے تو اہلبیت میں زینب کی اولاد کو بھی شامل ہونے کا خطرہ تھا۔ لہذا حضور صلعم کی تین بیٹیوں زینب کلثوم، رقیہ جو حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بطن سے حضور صلعم کی اولاد ہیں قصہ ہی ختم کر دیا۔ اب شیعوں سے کوئی پوچھے کہ یہ تینوں لڑکیاں کس کی تھیں تو شیعوں کے مجوزہ اہلبیت کی تاریخ میں کہیں نہ دکھائی دیں گی کہ یہ بھی حضور کی اولاد ہیں اور حضرت فاطمہؓ کی طرح ان تینوں کو بھی رسالتمآب صلعم کی بنات کا فخر حاصل ہے۔ یایھا النبی قل لازواجک وبناتک۔

قرآن کہتا ہے بنات اور شیعہ کہتا ہے بنت، قرآن جمع یعنی کم از کم تین یا زیادہ بیٹیاں بتاتا ہے اور شیعہ واحد صرف ایک بیٹی فاطمہ کا وظیفہ پڑھتا ہے اور تینوں صاحبزادیوں کو اس طرح اہل بیت سے خارج کر دیا ہے کہ آج شیعہ تو شیعہ ۹۰ فیصدی سنی حضرات بھی سوائے فاطمہؓ کے زینبؓ، کلثومؓ اور رقیہؓ کو حضور صلعم کی اولاد جانتے ہی نہیں۔

ظفر صاحب سمجھا آپ نے شیعوں کے مخصوص اہلبیت فاطمہؓ۔ علیؓ۔ حسنؓ۔ حسینؓ کا نتیجہ کہ حضور صلعم کی اولاد سوائے فاطمہ کے اگر تلاش کی جائے تو تاریخی صفحوں پر نظر تو آئے گی لیکن دلوں کے اوراق سے محو نظر آئے گی، اور اگر تینوں بیٹیوں کے والد ماجد کو تلاش کیا جائے تو تاریخ تو بتا دے گی مگر ہمارے شیعہ اور بعض سنی حضرات بھی بغلیں جھانکتے پھریں گے، اور والد محترم کو نہ بتا سکیں گے۔ لطف یہ ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور صاحب اسلام صلعم کی اولاد اور ازواج سے بے خبر۔

اور امامت کا سلسلہ خفیہ طور سے ان کے خاندان ہی میں برابر چلتا رہا۔ اور یکے بعد دیگرے بیعتیں ہوتی رہیں۔ اگر واقعی یہ تسلیم کر لیا جائے کہ خلافت موروثی ہی ہونی چاہیئے جیسا کہ ایک فرقہ کا مذہب ہے تو پھر بنو امیہ کے دور میں اگر خلافت وراثت میں بدل گئی تو کونسا جرم ہو گیا اور معترضین کو اعتراض کی کیا گنجائش ہے۔ حالانکہ خلافت اسلامیہ کو جو قوم یا خاندان وراثتاً اپنا حق سمجھتے ہیں وہ فاش غلطی پر ہیں۔ اسی وجہ سے اس نظریہ کے تحت جو فرد کسی غاصب سلطنت سے اپنا حق یعنی سلطنت واپس چھینتا ہے وہ قتل و تشدد سے ضرور کام لیتا ہے۔ لیکن اس قتل و تشدد کو بنو عباس نے بنو امیہ کے حق میں جس طرح روا رکھا اس کی مثال مشکل ہی سے کہیں مل سکے گی۔

خاندان بنو امیہ سے حکومت چھیننا کوئی جرم نہ تھا۔ لیکن خاندان بنو امیہ سے خلافت اسلامیہ کو نکال کر ایک دوسرے خاندان کو اسی طرح خلافت اسلامیہ کا سپرد کر دینا کوئی خوبی کی بات نہ تھی۔ اسلام اور عالم اسلام کو اس سے کوئی فائدہ نہ پہونچ سکتا تھا۔ لہذا بنو عباس کو نہایت قابل شرم خونریزی اور قتل و غارت کا ارتکاب کرنا پڑا۔ چنانچہ امام ابراہیم کا ابو مسلم کے نام یہ تاکیدی خط کہ خراسان میں کسی عربی بولنے والے کو زندہ نہ رکھنا اس بات کا ثبوت ہے کہ خراسان میں وہ عربی قبائل جو بنو امیہ کے طرفدار تھے سب قتل کر دیئے جائیں۔ چنانچہ ابو مسلم نے ایسا ہی کیا اور خراسان کے نو مسلم باشندگان کو دعوت عباسیہ کا مطیع بنایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عربی قبائل جو تمدن اور معاشرت کو عربی رنگ میں ڈھالنا چاہتے تھے سب کے سب قتل ہوئے اور عربی عنصر ختم ہو کر پھر ایرانی معاشرت زندہ ہو گئی۔

عبداللہ سفاح کا چچا عبداللہ بن علی جب دمشق میں داخل ہوا تو اس نے قتل عام کا حکم دیا۔ اور عباسیوں نے چن چن کر بنو امیہ کو قتل کیا۔ سفاح

نے سلیمان بن ہشام بن عبدالملک کو بھرے دربار قتل کرا دیا۔ حالانکہ سلیمان بن ہشام عبداللہ سفاح کا بہت ہمدرد تھا۔

ایک اور موقع پر عبداللہ بن علی دسترخوان پر بیٹھا کھانا کھا رہا تھا، اور اسّی۔ نوّے حضرات بنی امیہ اس کے ساتھ کھانے میں شریک تھے اسی اثنا میں ایک شاعر[۱] نے بنوامیہ کے خلاف اور امام ابراہیم کے قید ہونے کا ذکر کر کے قتل کی ترغیب دلائی۔ عبداللہ بن علی (عبداللہ سفاح کا چچا) نے اسی وقت قتل کا حکم دیدیا اس کے خادموں نے فوراً قتل کرنا شروع کیا انمیں بہت سے اسی وقت مر گئے بہت سے زخمی ہو کر گر پڑے۔ عبداللہ بن علی نے ان سب مقتولوں اور زخمیوں کو برابر بٹا کر ان کے اوپر دسترخوان بچھوایا اور کھانا کھایا گیا۔ یہ لوگ کھانا کھا رہے تھے اور ان کے نیچے وہ زخمی کراہ رہے تھے۔

عبداللہ بن علی بن عبداللہ بن عباس نے خلفائے بنوامیہ کی قبروں کو کھدوایا عبدالملک کی قبر سے ان کی کھوپڑی برآمد ہوئی۔ حضرت معاویہؓ کی قبر کھودی گئی۔ لیکن کچھ نہ نکلا۔ ہشام بن عبدالملک کی قبر کھود کر ان کے جسم کو نکالا گیا۔ عبداللہ بن علی نے ان کی لاش کو کوڑے لگوائے پھر صلیب پر چڑھایا اور جلا کر اس کی راکھ ہوا میں اڑا دی۔

بصرہ میں بنوامیہ کے ایک گروہ کو قتل کر کے لاشوں میں راستوں میں پھنکوا دیا گیا، اور دفن کرنے کی ممانعت کر دی گئی ان لاشوں کو مدت تک کتے کھاتے رہے۔ حجاز و یمن میں چن چن کر ایک ایک اموی کو قتل کیا گیا اور حکم جاری

---

[۱] شاعروں کے انتظام ابو مسلم نے اس غرض سے کئے تھے کہ وہ عباسی دربارو میں ایسے اشعار پڑھیں جس سے بنوامیہ کی نسبت عباسیوں کا غصہ بھڑکے اور وہ ان کے قتل کی طرف آمادہ ہوں۔

کر دیا گیا کہ جہاں کوئی خاندان بنو امیہ کا نظر آئے بلا دریغ قتل کر دیا جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ گھروں سے درندوں کی طرح شکار کے لئے نکلتے گاؤں، گاؤں قریہ قریہ برسوں ان کو تلاش کر کر کے قتل کرتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ بھی جنہوں نے کبھی بنی امیہ کی خدمت یا حمایت کی تھی قتل کئے گئے۔ خراسان کے صوبہ میں یہ قتل عام بہت سخت تھا۔ لہذا یہاں جو بنو امیہ اور ان کے ہمدرد قبائل تھے سندھ اور کشمیر کی طرف بھاگ نکلے۔

عبداللہ سفاح کی خلافت کا شاندار کارنامہ اہل موصل کا جو بنو عباس سے منحرف تھے قتل عام ہے۔ اہل موصل کی سرکوبی کے لئے اس نے اپنے بھائی یحییٰ بن محمد بن علی کو بارہ ہزار کا لشکر دیکر روانہ کیا جس نے پہلے تو سربرآوردہ لوگوں کو اپنے محل میں بلا کر قتل کیا پھر منادی کرا دی کہ جو شخص جامع مسجد چلا آئے گا اس کو امان ہے یہ سن کر لوگ دوڑ پڑے لیکن جامع مسجد کے دروازہ پر یحییٰ کے آدمی کھڑے ہوئے تھے۔ جو بھی مسجد کے اندر داخل ہوتا قتل کر دیا جاتا اس طرح گیارہ ہزار آدمی موصل میں قتل ہوئے۔ رات ہوئی تو مقتولوں کے گھروں سے آہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں۔ یحییٰ نے عورتوں اور بچوں کو بھی قتل کرا دیا، اور تین دن تک فوج کو اہل شہر کا خون مباح کر دیا۔

عورتوں کی عصمت دری ہوئی۔ ہزاروں عورتوں کو پکڑا گیا۔ چوتھے روز یحییٰ شہر کا جائزہ لینے گھوڑے پر نکلا ایک عورت نے گھوڑے کی لگام تھام کر پوچھا کیا تم بنو ہاشم نہیں ہو؟ کیا تم رسول اللہ کے چچا کے لڑکے نہیں ہو؟ دیکھتے نہیں کہ مومنات اور مسلمات سے جبراً نکاح کیا جا رہا ہے۔

یہ تھی وہ درندگی جس کے لئے اہل بیت شروع سے سازشیں کرتے رہے تھے اور خلافت پر اپنا حق جتا کر عوام کو دھوکے میں مبتلا کئے ہوئے تھے بنو امیہ کے

۹۱ سالہ دورِ خلافت میں ان ہی لوگوں کی بغاوت اور سازشوں کی وجہ سے کشت و خون ہوئے تھے ورنہ بنوامیہ کا دورِ خلافت شیخین رضی اللہ عنہما کے دورِ خلافت کے بعد ایک زریں دور تھا۔ بنوامیہ نے کسی علوی کو محض شبہ میں گرفتار کر کے اس طرح قتل نہیں کیا تھا۔ بلکہ ان کے ہاتھوں وہی علوی قتل ہوئے جو میدانِ جنگ میں باغیانہ انداز میں آئے اور لڑتے ہوئے مارے گئے۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ عباسیوں کے عہدِ خلافت میں بھی علویوں کا جو حشر ہوا اور جس جس طریقہ سے ان کو قتل کیا گیا ہے اس کا عشرِ عشیر بھی بنوامیہ کے زمانہ میں نہ ہوا تھا۔ حالانکہ بنوامیہ اگر ایسا کرتے تو تعجب کی بات نہ تھی، کیونکہ علوی بنوامیہ کے مخالف اور دشمن تھے۔ لیکن عباسی تو علویوں کے قریبی رشتہ دار ایک جنے کی دو والیں تھے اور اب تک دونوں شیر و شکر چلے آ رہے تھے دونوں نے ملکر جس میں زیادہ حصہ علویوں کا تھا۔ امیہ خاندان کو ختم کیا تھا اور بارہا دونوں کی تلواریں بنوامیہ کے خلاف ایک ساتھ نکلی تھیں۔

اس کے برخلاف علویوں نے ابھی تک بنوعباس کے خلاف کوئی جنگی مظاہرہ بھی نہ کیا تھا۔ پھر بھی بے گناہ اولادِ حسنؓ کے کتنے افراد کس بے دردی سے قتل کئے گئے۔

عباسیوں کا یہ قتلِ سادات یزید بن معاویہ کے عہد میں قتلِ حسینؓ سے بھی بڑھ کر نظر آتا ہے۔ لیکن ظفر صاحب کی نگاہ اہلبیت کی اس ظلم و درندگی کی طرف نہیں اٹھتی۔ تاریخ کے ساتھ کتنا بڑا ظلم ہے کہ بنوامیہ کے دور کے ایک ایک ظلم انھوں نے انگلیوں پر گنا دیے۔ لیکن جہاں انہیں اپنا ضمیر پشیمان نظر آیا اسکو ایسا چھپا گئے جیسے بنوعباس کا دور امن و سکون کا دور تھا۔ حالانکہ انہی کے علوی حضرات عباسی دور میں زیادہ تہہ تیغ کئے گئے تھے لہذا مناسب تو یہی تھا

کہ عباسی دور کی بھی اسی وضاحت سے تصویر کشی کر دی جاتی جس طرح انھوں نے بنو امیہ کی تصویر کھینچی ہے۔ پھر میں سمجھتا کہ بے شک اس کتاب کا مقصد تعمیری ہے تخریبی نہیں۔ لیکن ایسا نہیں ہے بنو عباس کی پوری خلافت کا ذکر تو انھوں نے صرف دو جملوں میں ختم کر دیا کہ

" مدینہ میں رہ کر بنو ہاشم محفوظ تھے نہ علوی۔ عباسیوں نے بھی ان کی دل آزاری میں امویہ حکومت سے ہی سبقت لے جانی چاہی"

گویا یہاں بھی امویوں کو ہی بنیاد بنا کر تبرہ بازی کی گئی ہے۔ ویسے بیچارے ظفر صاحب عباسیوں کے ظلم پر کیسے منھ کھول سکتے تھے کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ رسول اکرم صلعم کی وفات کے وقت سے مروان اموی کی حکومت ختم کرنے تک دونوں علوی اور عباسی خاندان ایک ہی مقصد اور نصب العین کی طرف شانہ بشانہ کام کرتے رہے تھے پھر آپس کی قرابتداری نے بھی ان کو اپنی مقصد براری کے لئے ایک کر دیا تھا۔ خفیہ سازشوں، بغاوتوں اور شورشوں غرضیکہ ہر اس تحریک میں دونوں نے وہی پارٹ ادا کیا تھا جو ہر حکومت کے خلاف خروج سے شروع ہوتا۔ اور قتل وخون بربریت اور غارت گری پر ختم ہوتا تھا۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ علویوں کا اپنی خلافت کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا اور انہی کے بھائی اور اہلبیت ان کو ہٹا کر خود خلافت پر قابض ہو گئے۔ شاید اسی کا نام دنیا ہے۔ جس کے جوش میں انسان اندھا ہو کر ہر ایک قابل شرم' اور ناشدنی کام کر گزرتا ہے۔

باب ۱۴ چہار دہم

حضرت حسنؓ کی اولاد جن کے خروج کا ذکر آگے آرہا ہے اس کو سمجھنے کے لئے ذیل کا شجرہ پیش کیا جاتا ہے :۔

حضرت حسنؓ بن حضرت علیؓ
|
حسن (مثنیٰ)
|
عبداللہ المحض
|
محمد (نفس ذکیہ) — ابراہیم (قتیل باخمریٰ) — یحییٰ — ادریس[1]

---

[1] ادریس کی حکومت ادریسیہ ۱۷۲ھ میں قائم ہوئی اور ۳۱۹ھ میں خاتمہ ہوگیا۔

محمد نفس ذکیہ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علیؓ کا خروج

جیسا کہ اوپر بیان گزر چکا ہے کہ بنو امیہ کے آخری ایام میں مکہ میں علویوں اور عباسیوں کی مجلس منعقد ہوئی تھی۔ جس میں محمد (نفس ذکیہ) کے ہاتھ پر بیعت کر کے خلیفہ تسلیم کیا جا چکا تھا۔ اس بیعت میں سفاح اور منصور بھی شریک تھے لیکن اس کے برخلاف جب سفاح کو کوفہ میں خلیفہ بنایا گیا تو عبداللہ بن حسن (مثنیٰ) بن حسن بن علی اور دوسرے علوی لوگ کوفہ میں آئے اور کہا یہ کیا بات ہے کہ خلافت جو ہمارا حق تھا اس پر تم نے قبضہ کر لیا۔ علوی حضرات چونکہ شروع ہی سے دعویدار خلافت تھے انھوں نے عباسیوں کے ساتھ مل کر بنو امیہ کی حکومت کو ختم کیا تھا۔ اب عباسیہ خاندان میں خلافت چلے جانے سے عباسیوں سے ناراض ہو گئے جیسا کہ خلافت خاندان امیہ میں جانے سے خاندان امیہ سے ناراض تھے۔ لیکن حضرت معاویہؓ نے اپنی سخاوت کے ذریعہ سے علویوں کے منھ بند کر دیئے تھے۔ یہی اصول بعد میں سفاح نے اختیار کیا اور علویوں کو بے دریغ مال و دولت دیکر خاموش کر دیا۔ عبداللہ بن حسن مثنیٰ کی خدمت میں دس لاکھ درہم پیش کئے اسی طرح ہر ایک علوی کو انعام و اکرام سے مالا مال کیا عبداللہ سفاح کا سب سے بڑا کارنامہ یہی ہے کہ اس نے تمام علویوں کو مال و دولت دے کر خاموش رکھا اور کسی کو مقابلہ پر کھڑا نہ ہونے دیا۔ اگر اس داد و دہش میں ذرا بھی کوتاہی ہوتی تو یقیناً علوی بغاوت پر آمادہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوتے جیسا کہ آگے چل کر یہی ہوا کہ سفاح کی وفات کے بعد منصور جب خلیفہ ہوا اور اس نے سفاح کے وثیقوں کو قائم نہ رکھا تو علوی خروج پر آمادہ ہو گئے۔ انہی خروج کی وجہ سے منصور کی نگاہیں محمد (نفس ذکیہ) پر اٹھنے لگیں اسی ڈر سے عبداللہ المحض

نے اپنے دو بیٹوں نفس ذکیہ اور ابراہیم کو روپوش کر دیا کہ کہیں منصور انھیں قتل نہ کر ڈالے۔ منصور نے عبداللہ المحض کو بلا کر حکم دیا کہ محمد نفس ذکیہ اور ابراہیم کو فوراً حاضر کرو۔ لیکن عبدالمحض نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ ادھر یہ دونوں بھائی حجاز سے بصرہ بصرہ سے عدن اور عدن سے سندھ چلے گئے کچھ دن سندھ میں رہ کر کوفہ واپس آئے اور روپوش رہے پھر کوفہ سے مدینہ میں مقیم رہے۔ اس تمام عرصہ میں منصور کو ان دونوں بھائیوں کا پتہ نہ چل سکا۔ تنگ آکر اس نے عامل مدینہ رباح کی مدد سے مدینہ میں کچھ علویوں کو گرفتار کر لیا جن میں چند کے نام درج ہیں۔

۱۔ عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حسنؓ بن علیؓ

(نفس ذکیہ اور ابراہیم کے والد)

۲۔ ابراہیم بن حسن مثنیٰ بن حسنؓ بن علیؓ

(نفس ذکیہ کے چچا)

۳۔ محمد بن ابراہیم بن حسن مثنیٰ بن حسنؓ بن علیؓ

(نفس ذکیہ کے چچازاد بھائی)

۴۔ اسمٰعیل بن ابراہیم بن حسن مثنیٰ بن حسنؓ بن علیؓ

(نفس ذکیہ کے چچازاد بھائی)

ان سب کو گرفتار کر کے رباح نے منصور کے پاس عراق روانہ کر دیا۔ راستہ میں نفس ذکیہ اور ابراہیم بدوؤں کے لباس میں اپنے والد عبداللہ المحض بن حسن مثنیٰ سے ملے اور خروج کی اجازت چاہی مگر عبداللہ نے عجلت سے کام نہ لینے کی نصیحت کی۔ اسی اثنا نفس ذکیہ نے اپنے بھائی ابراہیم کو خراسان روانہ کیا تاکہ وہ لوگوں کو عباسیوں کی مخالفت پر آمادہ کریں اور وہ خود حجاز میں خفیہ طور پر رہے۔

ابراہیم نے۔ بصرہ۔ کرمان۔ اصفہان۔ خراسان۔ موصل اور شام وغیرہ کا

سفر کر کے اپنے داعی اور ہمدرد پیدا کر لئے۔ آخر ۱۴۵ھ میں ابوعون عامل خراسان نے منصور کو خراسان کی خفیہ سازش سے مطلع کیا کہ لوگ نفس زکیہ کے خروج کا انتظار کر رہے ہیں۔

منصور کی بارہا کوششوں کے باوجود جب عبداللہ بن حسن مثنی نے اپنے دونوں لڑکوں محمد نفس زکیہ اور ابراہیم کا پتہ نہ بتایا تو منصور نے عبداللہ المحض بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علیؑ اور علی بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علی کو قتل کرا دیا۔ پھر ابراہیم بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علیؓ اور ان کے چند ساتھیوں کے سخت اذیتیں دے کر قتل کر دیا۔ پھر منصور نے محمد بن ابراہیم بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علی کو زندہ ایک ستون میں چنوا دیا۔[1]

جب عبداللہ بن حسن مثنیٰ اور آلِ حسن کے دیگر افراد کو قتل کر دیا گیا تو محمد (نفس زکیہ) بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ نے ۱۴۵ھ میں مدینہ میں خروج کیا اور عامل مدینہ رباح اور اس کے بھائی عباس اور ابن مسلم بن عقبہ کو گرفتار کر لیا اور امیر المومنین کا لقب اختیار کیا۔ منصور کو نفس زکیہ کے خروج کی اطلاع نو دن بعد

---

[1] ظفر صاحب نے محمد بن ابراہیم کے قتل کا عجیب واقعہ تحریر فرمایا ہے کہ ایک شخص خلیفہ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ آنے والا بڑا صاحب جمال تھا۔ منصور نے اس سے پوچھا تو کون ہے اور کیوں آیا ہے۔ آنیوالے نے بتایا کہ میں محمد بن ابراہیم بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علی (یعنی نفس زکیہ کا چچا زاد بھائی) ہوں اور اس لئے تیرے پاس آیا ہوں کہ تو نے جہاں میرے سارے خاندان کو رکھ چھوڑا ہے وہاں مجھے بھی پہونچا دے۔ ظفر صاحب نے تاریخ سے کیا مذاق فرمایا ہے محمد بن ابراہیم اور ان کے خاندان کو گرفتار کر کے عراق لایا گیا۔ جہاں ان کو قید کیا گیا ان کے اہل خاندان کو قتل اور ان کو ستون میں چنوایا گیا۔ نہ جانے ظفر صاحب نے کہاں ان کی ملاقات ہو گئی کہ پکڑ کے منصور کے سامنے کھڑا کر دیا اور اس پر خوبی یہ کہ منصور ان کے پہچان بھی نہ سکا اور پوچھتا ہے تم کون ہو۔ تعجب ہے ایک خاندان کے تمام اصحاب اور ایک دوسرے سے ناواقف ہوں کیا یہ سمجھ میں آنیوالی بات ہے۔

ہوئی وہ کوفہ آیا اور ایک خط لبطور امان نامہ نفس ذکیہ کو روانہ کیا خطوط کے دونوں طرف کے مضامین طویل ہیں۔ دوسرے انداز تحریر بھی نامناسب معلوم ہوا اس لئے میں اپنا دامن بچاتے ہوئے اس کو چھوڑتا ہوں، اور دوسرے واقعات پر بحث کرتا ہوں۔

(نفس ذکیہ) محمد بن عبداللہ المحض کا لقب الارقط تھا یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے سیاسی مقاصد کے لئے اپنے کو مہدی کہا اور کہلوایا۔ سبائیوں نے وضعی حدیثوں اور روایتوں کے ذریعہ "النفس ذکیہ" ان کا لقب رکھا اور اب تک اسی لقب سے مشہور ہیں۔

امیر منصور نے بہت کوشش کی محمد باغیانہ سرگرمیوں سے باز آجائیں بالآخر اس بغاوت کے استیصال کے لئے جو لشکر بھیجا اس کے امیر لشکر عیسٰی بن موسٰی عباسی کو خاص ہدایت کی تھی۔ کہ اہل مدینہ کو جو محمد الارقط کے ساتھ ہو گئے ہوں نصیحت کرنا کہ جنگ۔ وجدل سے باز آئیں۔ چنانچہ سرکاری لشکر کے سردار نے اعلان کیا۔

اے اہالیان مدینہ تمہارا خون بہانا ہمارے لئے حرام ہے جو لوگ تم میں سے ہمارے پاس چلے آئیں ان کو امان ہے۔ جو مدینہ سے باہر چلے جائیں ان کو امان ہے جو اپنے گھروں میں بیٹھ رہیں ان کو امان ہے جو ہتھیار رکھ دیں۔ ان کو امان ہے ہم تو صرف محمد الارقط بن عبداللہ المحض کو گرفتار کر کے امیر المومنین کے حضور پیش کرنا چاہتے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۵ صـ ۹۸)

عیسیٰ بن موسیٰ امیر لشکر نے مقام اعوص میں پہونچ کر پڑاؤ کیا۔ پھر کوچ کر کے مدینہ منورہ سے چار میل کے فاصلہ پر قیام کیا اور محمد الارقط کو پھر پیغام بھیجا کہ خلیفہ منصور تم کو امان دیتے ہیں اور کتاب وسنت کے فیصلہ کی طرف بلاتے ہیں۔ اور بغاوت کے انجام سے ڈراتے ہیں۔ لیکن یہ تمام تدبیریں بے سود ثابت ہوئیں

دوسرے دن محمد الارقط مقابلہ کے لئے میدان میں نکل آئے ان کے ہمراہ کل تین سو آدمی رہ گئے تھے۔ اس وقت ان کے ہمراہیوں میں عیسیٰ بن خضیر نے وہ رجسٹر جس میں بیعت کرنے والوں کے نام درج تھے جلا دیا، اور قید خانہ میں ریاح بن عثمان عامل مدینہ اور اس کے بھائیوں کو قتل کر کے لڑائی میں شریک ہو گیا۔

محمدؐ نفس زکیہ بڑی بہادری سے لڑے اور ساتھیوں کے مارے جانے کے باوجود مقابلہ پر ڈٹے رہے اس حالت میں ان کے ایک زبیری ساتھی نے شکست ہوتے دیکھ کر بھاگ چلنے کا انھیں مشورہ دیا۔ مگر وہ میدان سے نہ ہٹے اور قتل کر دیئے گئے۔

خلیفہ منصور سے جب کسی نے یہ غلط بات کہی کہ محمد معرکہ قتال سے بھاگ گئے تھے تو انھوں نے اس پہ فرمایا۔ کہ

"یہ ہرگز نہیں ہو سکتا ہم اہل بیت میدان سے بھاگا نہیں کرتے"

محمد الارقط (نفس زکیہ) کے خروج کی بالکل یہی کیفیت ہے جو اس قسم کی بغاوتوں کی عام طور سے رہی ہے ان کے اپنے گھرانے کا بھی یہی حال تھا کہ بعض عزیز ان کے ساتھ تھے اور بعض ان کے خلاف حکومت منصور کے طرفدار تھے۔ اس طرح بہت سے ہاشمی اور علوی ایسے تھے کہ باپ ایک طرف مصروف جنگ ہے تو بیٹا دوسری طرف سے لڑ رہا ہے اکثر علویوں کے بااثر افراد بنو عباس کی مخالفت کو موجب تباہی جاننے لگے تھے۔ محمد الارقط کی شکست و ناکامی محض اس وجہ سے ہوئی کہ خود ان کے خاندان والوں نے ان کا ساتھ نہ دیا یہاں تک کہ لوگوں نے بیعت کر کے توڑ دیا۔

جناب علی بن الحسین کے پوتے عبداللہ بن حسین الاصغر بن علی بن الحسین بھی ان کے خلاف رہے۔ انھی جناب علی بن الحسین کو بعد میں عباسی خلیفہ نے مدائن

میں اتنی بڑی جاگیر عطا کی تھی جس کی سالانہ آمدنی اسی ہزار دینار تھی۔

کیا مندرجہ بالا واقعات اس بات کا ثبوت نہیں ہیں کہ یہ تمام خروج محض سیاسی اور طلب حصول حکومت کی وجہ سے تھے۔ جس میں کوئی دینی بات ایسی نہ تھی جس کو جہاد قرار دیا جاتا اور خلیفہ منصور کو ظالم و جابر کہا جاتا اور چونکہ اس قسم کے خروج میں جہاد فی سبیل اللہ اور اعلائے کلمہ دین رسول اللہ کی جھلک نہیں ہے اسی لئے سمجھدار اور ذی علم طبقہ نے اپنے خروج کرنیوالے عزیزوں کا ساتھ نہ دیا اور ہمیشہ ان فتنوں سے الگ رہے۔ جیسا کہ محمد الارقط کے عزیزوں نے ساتھ چھوڑ دیا۔ حالانکہ منصور بڑا علم دوست، عالم، فقیہ اور محدث تھا۔ جب حج کرنے آتا تو امام مالک سے ان کی برابر ملاقاتیں ہوتیں اور علمی مسائل پر گفتگو ہوتیں۔ یہاں تک کہ انھوں نے ہی امام مالک کو حدیث کی کتاب الموطا کی تدوین پر آمادہ کیا۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ خلیفہ منصور کی باتوں نے مجھے تصنیف سکھادی۔

محمد الارقط (نفس ذکیہ) کے چھ بیٹے اور دو بیٹیاں فاطمہ اور زینب تھیں۔ زینب تو پہلے عباسی خلیفہ عبداللہ السفاح کے فرزند محمد کے عقد میں آئیں اور ان کے بعد بھی اسی عباسی خاندان میں عیسیٰ بن علی بن عبداللہؓ بن عباسؓ سے ان کا نکاح ہوا۔ بیٹوں میں صرف عبداللہ الاشتر سے نسل چلی۔ بصرہ میں جب ان کے چچا ابراہیم نے خروج کیا تو ناکامی کے بعد یہ بھی ان کے ہمراہ سندھ آگئے۔ سندھ میں انھوں نے ایک سندھی خاتون سے شادی کی اس سے ایک بیٹا پیدا ہوا۔ جس کا نام محمد رکھا چونکہ عبداللہ الاشتر ایک جنگ میں مارے گئے تھے اس لئے گورنر سندھ نے اس بچہ اور اس کی ماں کو دربار خلافت میں روانہ کر دیا۔ امیرالمومنین نے بچہ اور بیوہ کے لئے وظیفہ مقرر کرکے اہل خاندان کے پاس مدینہ بھیج دیا۔

اسی اکلوتے بیٹے سے عبداللہ الاشتر کی نسل چلی۔ انہیں ایک مشہور شخص

امیر قطب الدین محمد تباہی بغداد کے بعد ہندوستان آئے اور ان کا خاندان کڑہ مانکپور۔ رائے بریلی وغیرہ میں آباد ہوا۔ مجاہد ہندی حضرت احمد شہید اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ سب اہل سنت والجماعت رہے ہیں۔ محمد الارقط کے بھائی موسیٰ کی نسل سے جو خلافت عباسیہ سے وابستہ رہے۔ شریف مکہ وغیرہ کا خاندان ہے جن میں اردن کے شاہ حسین وغیرہ ہیں۔

ابراہیم بن عبداللہ المحض بن حسن مثنیٰ ابن حسنؓ بن علیؓ کا خروج

ابراہیم نے بھی اپنے بھائی محمد الارقط کے ساتھ بیک وقت خروج کا پروگرام بنایا تھا۔ لیکن اتفاق سے وہ بصرہ میں بیمار ہو گئے اور بوجہ علالت وقت پر خروج نہ کر سکے منصور کو جب معلوم ہوا کہ ابراہیم بصرہ میں ہیں تو اس نے زبردست تلاش شروع کر دی لیکن ابراہیم کوفہ میں شعبان بن حبان کے گھر میں مقیم تھے۔ شعبان کو جب گرفتاری کا ڈر ہوا تو سرکاری عملہ کو دھوکہ دیتا ہوا ابراہیم کو اہواز کی طرف روانہ کر کے خود بھی روپوش ہو گیا۔

بصرہ میں سفیان بن معاویہ امیر تھا اس کو جب یہ کیفیت معلوم ہوئی تو اس نے دونوں کی تلاش شروع کر دی۔ ادھر ابراہیم اہواز میں حسن بن حبیب کے مکان میں چھپے ہوئے لوگوں کو اپنی دعوت میں شریک کرتے رہے۔

بصرہ سے یحییٰ بن زیاد نے ابراہیم کو اہواز سے بصرہ میں بلوایا اور لوگوں

لہ ظفر صاحب نے ابراہیم کی جگہ اسمٰعیل بالحمری کو محمد بن عبداللہ المحض (نفس زکیہ) کا بھائی تحریر فرمایا ہے جو سراسر غلط ہے۔ لہٰذا قارئین جہاں جہاں اسمٰعیل باخمری تحریر ہے اس کو ابراہیم بالحمری پڑھیں (ملاحظہ ہو صفحہ ۲۷ تا ۲۹)

کو بیعت کی طرف بلانا شروع کیا ایک بڑی جماعت نے بیعت کی اسی عرصہ میں محمد الارقط نے مدینہ میں خروج کیا۔

خلیفہ منصور جب محمد الارقط کے مقابلہ میں مدینہ کی طرف لشکر روانہ کر چکا تو یکم رمضان ۱۴۵ھ کو ابراہیم نے بصرہ میں خروج کیا اور بصرہ کے حاکم سفیان بن معاویہ کو گرفتار کر کے قید کر دیا۔ ابراہیم نے تمام بصرہ پر قابض ہو کر اپنی بیعت عام کی اور بیت المال سے بیس لاکھ درہم نکال کر پچاس پچاس درہم اپنے ساتھیوں کو تقسیم کر دیا پھر بڑی تیزی سے دیگر علاقوں کی طرف فوج روانہ کر کے ان پر قبضہ کرنا شروع کیا مثلاً مغیرہ نے اہواز پر قبضہ کیا۔ عمر بن شداد نے فارس پر قبضہ کیا۔ ہارون نے واسط پر قبضہ کیا۔ غرضیکہ بصرہ۔ فارس۔ واسط اور عراق کا بڑا حصہ منصور کے قبضہ سے نکل چکا تھا۔ اور فتوحات کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ کہ محمد الارقط کے قتل کی خبر پہونچی۔ بصرہ والوں نے یہ خبر سن کر ابراہیم کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔ اور کوفیوں کے مشورہ سے ابراہیم نے اپنے لڑکے حسن کو کوفہ میں اپنا نائب بنا کر کوفہ کی طرف روانہ کیا۔

منصور کو جب یہ اطلاع ملی کہ کوفہ کی طرف ابراہیم کی فوجیں بڑھ رہی ہیں بہت مضطرب ہوا اور عیسیٰ بن موسیٰ کی سرکردگی میں ایک لاکھ فوج کوفہ روانہ کی ابراہیم بن عبداللہ بھی ایک لاکھ فوج لئے ہوئے کوفہ سے ۳۰۔۴۰ میل کے فاصلہ پر پہونچ کر خیمہ زن ہو گئے۔ ابراہیم نے فوج کی صف بندی کی اور لڑائی کا حکم دیا حمید بن قحطبہ جو منصور کی فوج میں مقدمۃ الجیش تھا شکست کھا کر بھاگا۔ عیسیٰ نے روکنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ نہ رکا۔ عیسیٰ کا لشکر بھی مقابلہ کی تاب نہ لا سکا اور مغلوب ہونے میں کوئی کسر باقی نہ رہی تھی۔ کہ اچانک جعفر و محمد پسران سلیمان بن علی لشکر لئے ہوئے ابراہیم کی فوج پر عقب سے حملہ آور ہوئے۔ عیسیٰ

نے فوراً فوج کو سنبھالا اور ابراہیم کے لشکر کو درمیان میں لے کر میدان تنگ کرنا شروع کیا۔ ابراہیم کے فوجی مقابلہ نہ کر سکے بھاگنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ ایک لاکھ فوج میں سے صرف چار سو آدمی باقی رہ گئے بالکل آخیر وقت ابراہیم کے گلے میں ایک تیر آکر لگا اور مقتول ہو گئے۔

منصور کو جب ابراہیم کے قتل کی اطلاع پہونچی تو رونے لگا۔ بخدا

"میں اس امر سے متنفر تھا تم نے مجھ کو بھی مبتلا کیا اور خود بھی مبتلا ہوئے۔ (البدایہ والنہایہ ج۱۰ ص۹۴)

سبائیوں نے اس بغاوت کو بھی مذہبی رنگ دینے کی کوشش کی ہے اور جھوٹی روایتیں وضع کی گئی ہے یہاں تک کہ امام ابوحنیفہؒ سے یہ منسوب کر دیا گیا کہ انھوں نے ابراہیم کے خروج کو جہاد قرار دیا۔ لیکن امام اعظم کے فقہ کا یہ واضح اصول ہے کہ

"ہم حاکمان وقت کے خلاف بغاوت کو ناجائز سمجھتے ہیں۔ وہ اگرچہ ظلم بھی کریں۔

لیکن سبائیوں نے ان مہمل روایات کو اپنی کتابوں میں لکھ مارا ہے۔ ظفر صاحب نے بھی ابراہیم بن عبداللہ کے قتل کو "شہید" لکھا ہے اور ان کی وہ تمام سرگرمیاں پس پشت ڈالدیں جو جنگ کا باعث بنیں اور ہزاروں کا خون ہوا۔ ان تمام واقعات کو پڑھنے کے بعد کوئی بھی شخص ابراہیم بن عبداللہ پر مظلومیت کا لیبل نہیں لگا سکتا۔ بلکہ ایک کھلی شورش اور بغاوت قرار دیکر ان کو شرّی اور باغی قرار دے گا۔

حسین بن علی بن حسن بن حسن بن حسنؓ بن علیؓ کا خروج

حسین بن علی، حسن بن محمد بن عبداللہ بن حسن اور ان کے چچا یحییٰ بن عبداللہ المحض بن حسن مثنیٰ اور دوسرے آلِ ابی طالب نے مل کر حکومت عباسیہ کے خلاف خروج کی سازش کی اور یہ بات قرار پائی تھی سنہ ۱۶۹ھ کے زمانہ حج میں خروج کیا جائے حالانکہ امیرالمومنین مہدی کے دربار خلافت سے ان کو برابر عطیات اور وثیقے ملتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ مدینہ سے حاضر ہوئے تو چار ہزار دینار سے سرفراز کئے گئے مگر یہ سب رقم بوجہ فیاضی اپنے عزیزوں اور دوستوں میں تقسیم کر دی۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ ص ۱۵۰)

ظفر صاحب نے اول تو ہادی کے دور کو کشمکش کا دور ظاہر کیا ہے۔ دوسرے بنو ہاشم کے خاندان کا یہ فیصلہ کہ مدینہ سے ہجرت کر کے کسی ایسی جگہ آباد ہو جائیں۔ جہاں حکومت کی نظروں سے دور رہ کر سکون کی زندگی گزار سکیں محض لغو اور مبالغہ ہے۔ علوی حضرات کی سازشیں اور طلب خلافت کے لئے خروج کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ جس سے یہ رائے قائم کی جائے کہ بنو ہاشم تارک الدنیا رہ کر خاموش اور سکون کی زندگی گزارنا چاہتے تھے۔ اس کے برخلاف ہم دیکھتے ہیں کہ ہر دور میں جب بھی خروج اور بغاوت کا نعرہ بلند ہوا اس میں ہاشمی اور خاص طور سے علوی خاندان پیش پیش رہے۔

کیا زید بن علی، یحییٰ بن زید کا خروج، نفس ذکیہ کی مدینہ میں بغاوت، ابراہیم بن عبداللہ کا بصرہ میں علم بغاوت بلند کرنا۔ خاندان بنو ہاشم کی امن پسندی اور ان کی مظلومیت کا ثبوت ہے یا کھلی جارحیت اور نقض امن کا اعلیٰ نمونہ ہے پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہادی کے دور خلافت میں یہ حضرات موقع سے فائدہ

نہ اٹھاتے چنانچہ سیدنا عمر فاروق اعظمؓ کے احفاد میں سے عمر بن عبد العزیز بن عبداللہ بن عمر الفاروقؓ اس زمانہ میں خلافت عباسیہ کی جانب سے والی مدینہ تھے ان حسین بن علیؓ کے ساتھیوں میں محمد نفس ذکیہ کے صاحبزادے حسن تھے اور شراب نوشی کی سزا پاچکے تھے۔ ایک دن وہ اپنے دوستوں کی صحبت میں بیٹھے تھے نبیذ کا دور چل رہا تھا۔ والی مدینہ نے ان سب کو گرفتار کر لیا۔ اور سر بازار ان کو تشہیر کرائی اور نفس ذکیہ کے بھائی یحییٰ بن عبداللہ المحض کی ضمانت پر رہا کیے گئے۔ یہی وہ بہانہ تھا جس کی وجہ سے ایام حج سے پہلے ہی آل ابی طالب نے مدینہ میں خروج کیا اور عامل مدینہ کے مکان کا محاصرہ کر کے حسین بن علی کے ہاتھ پر بیعت کرنی شروع کی۔

ظفر صاحب نے اس واقعہ کو ایک حادثہ تحریر فرمایا ہے اور فرماتے ہیں کہ

" حاکم مدینہ نے ایک علوی بزرگ کے ساتھ کچھ ایسا ناروا سلوک کیا جو شورش کا سبب بن گیا۔ اور سارے ہاشمی، علوی، فاطمی حاکم مدینہ سے انتقام کے لئے تیار ہو گئے۔ ہادی خلیفہ وقت کو معلوم ہوا اس نے لشکر روانہ کیا جنگ کی گئی اور حسین بن علی کا سر کاٹ کر ہادی کے پاس بھیج دیا گیا۔"

سبحان اللہ واقعہ کی کیا حقیقت بیان فرمائی ہے جس کا سر نہ پیر۔ علوی بزرگ کے ساتھ جس ناروا سلوک کا بیان آپ نے تحریر فرمایا ہے ان بزرگ کا عمل پیش کرنے میں کیا قباحت محسوس ہو رہی تھی۔ کیا کوئی آپ کی اس تحریر کو باور کرے گا کہ بلا وجہ ان کے ساتھ ناروا سلوک کیا گیا، اور ناحق حسین بن علی کو قتل کر دیا گیا۔

کم از کم تاریخی واقعات میں کذب، افترا کی آمیزش اگر کرنی ہی ہے تو اسی قدر ہونی چاہیئے جس سے تاریخی واقعات بھی مسخ نہ ہوں اور حقیقت بھی مخفی نہ رہ سکے اور مطالعہ کرنے والا بھی روایت کو لغویات کی ٹوکری میں نہ ڈالدے

کیا شراب پینے کے عمل کو کوئی جائز قرار دے دیگا اور اس شراب نوشی پر ان کو گرفتار کرنا اور تشہیر کرانا کیا یہ ان کے ساتھ ناروا سلوک سمجھا جائیگا۔ اگر نہیں تو اس کی سزا کے خلاف اتنی برہمی کیوں اور ظفر صاحب کا بھی اس حقیقت کو چھپانے کا کیا مقصد اس کے ساتھ ساتھ ظفر صاحب یہ بھی فرما رہے ہیں۔ کہ

"اس سلسلہ میں تعصبی گفتگو کا محل نہیں ہے اور نہ اس موضوع پر کسی خاص نقطہ نظر سے اظہار خیال مقصود ہے"

ہم سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اس سے بڑھ کر بھی کوئی اور نقطہ نظر ہو سکتا ہے کہ دبی زبان میں آپ نے اپنے خیالات کا اظہار بھی کر دیا اصل واقعات پر لیپا پوتی کر کے اس کی اصل شکل کو بھی بدل ڈالا لیکن پھر بھی یہی عذر ہے کہ کسی خاص نقطہ نظر سے اظہار خیال مقصود نہیں جب آپ کو اپنے نقطہ نظر پیش ہی نہیں کرنا تھا تو کوئی بھی واقعہ غلط درج کیوں کیا۔ کیا یہ محض اپنے مکتبہ فکر کی بے جا مدح اور دوسرے کے خلاف عناد کا اظہار نہیں۔ اچھا اب واقعہ کی طرف آئیے۔

مدینہ میں بیعت لی جا رہی تھی۔ کہ اسی اثنا خالد یزیدی دو سو کی جمیعت کیساتھ پہنچ گیا۔ دوسری جانب عمر بن عبدالعزیز بھی محاصرہ سے نکل کر ایک جماعت لے کر اس مسجد کی طرف جہاں حسین بن علی کے ہاتھ پر بیعت ہو رہی تھی پہنچے۔ جو لوگ مسجد میں تھے مقابلہ کیا اور خالد یزیدی کو یحییٰ اور ادریس بن عبداللہ بن حسن نے قتل کر دیا۔ سرکاری لشکر کو شکست ہوئی۔

حسین بن علی کی قیادت میں دارالامارہ پر حملہ کیا گیا۔ مدینہ منورہ کے بیت المال کا دروازہ توڑ کر سرکاری خزانہ لوٹا گیا۔ اکیس روز مدینہ میں قیام کر کے مکہ کی طرف کوچ کیا۔ مکہ میں غلاموں کا ایک گروہ حسین بن علی کے گرد جمع ہو گیا۔ حج کا موقعہ تھا۔ عباسیہ خاندان کے چند افراد حج کے لئے

آئے ہوئے تھے جس میں سلیمان بن منصور۔ عباس بن محمد بن علی ۔ محمد بن سلیمان اور پسران عیسیٰ بن موسیٰ شریک تھے ۔ ہادی کے پاس جب حسین بن علی کے خروج کی خبر پہونچی تو محمد بن سلیمان کو مقابلہ کیلئے لکھا۔ محمد بن سلیمان نے مکہ پہونچکر عمرہ ادا کیا اور مختلف صوبوں سے آئے ہوئے سرداران عباسیہ کو جمع کر کے مقام فخ پر مقابلہ کیا۔ حسین بن علی کو شکست ہوئی۔ ان کے ہمراہی فرار ہوئے حسین بن علی کا سر قلم کیا گیا۔ ساتھ ہی ساتھ سلیمان برادر محمد مہدی کا بھی سر تن سے جدا کر دیا گیا۔

حسین بن علی کے بھائی بھتیجے بھی اس بغاوت میں شریک تھے ۔ مگر ان کے چچیرے بھائی حسن بن جعفر بن حسن بن حسن مثنیٰ بن حسنؑ بن علیؑ اس بغاوت کے مخالف اور امیر المومنین کے طرفدار رہے تھے۔ حسن بن جعفر کی حقیقی بہن امیر المومنین کے قریبی عزیز جعفر بن سلیمان بن علی بن عبداللہؓ بن عباسؓ کی زوجہ تھیں۔

جن لوگوں نے اپنے ایام بغاوت میں مدینہ کا بیت المال لوٹ لینے سے بھی دریغ نہ کیا ہو۔ اُن کو مظلوم اور حکومت کی جانب سے ان باغیوں کی تادیب کے لئے جو کارروائی کی گئی ۔ اس کو ظلم و ستم اور عداوت و دشمنی سے تعبیر کرنا کہاں کا انصاف ہے۔

اس لڑائی میں ادریس بن عبداللہ المحض بن حسین مثنیٰ بن حسن بن علی بن ابی طالب ۔ برادر محمد نفس زکیہ بھی بچکر نکل گیا تھا۔ اور بلاد مغرب میں ادریسیہ حکومت قائم کی تھی ۔اس کا ذکر آگے آتا ہے ۔ ادریس بن عبداللہ المحض کا دوسرا بھائی یحییٰ بن عبداللہ المحض مقام فخ سے فرار ہوکر دیلم پہونچا۔ اسکا بھی ذکر آئندہ آرہا ہے

واقعہ فخ ایک لحاظ سے عباسیوں کیلئے مضر ثابت ہوا کیونکہ اس کے بعد اکثر حسینی اور علوی منتشر ہوگئے ان میں سے یحییٰ بن عبداللہ المحض اور ادریس بن عبداللہ المحض ان دونوں بھائیوں نے دیلم اور شمالی افریقہ میں متواتر بغاوتیں کیں۔

ادریس بن عبداللہ المحض بن حسن مثنیٰ ابن حسنؑ کا خروج

ادریس بن عبداللہ کا ذکر اوپر آچکا ہے وہ ہادی کے زمانہ میں جنگ فخ سے فرار ہو کر اوّل مصر پہونچے۔ جہاں عباسی خلافت کے محکمہ ڈاک کا افسر ابن واضح تھا جو مورخ یعقوبی کا دادا اور علوی خاندان کا طرفدار تھا۔ اس کی مدد سے ادریس بن عبداللہ مغرب اقصیٰ (شمالی مغربی افریقہ) کے شہر ولیلہ پہونچے اور بربریوں میں اپنا اثر و رسوخ قائم کر کے ۱۷۲ھ[1] میں ولیلہ میں خروج کر کے ملک مراقش میں اپنی سلطنت قائم کی۔ یہ حسینوں کی سب سے پہلی حکومت تھی جو مراقش میں قائم ہوئی۔

ہارون رشید نے اس خبر کو سن کر اپنے غلام سلیمان بن جریر کو مراقش روانہ کیا۔ تاکہ وہ ادریس بن عبداللہ کا کام تمام کر سکے چنانچہ اس نے ادریس کے ہاتھ پر بیعت کی اور ۱۷۷ھ میں زہر کے ذریعہ ادریس بن عبداللہ کا کام تمام کر کے واپس چلا آیا۔ ادریس کی وفات کے بعد ان کے کسی کنیز کے

---

[1] ظفر صاحب نے حکومت ادریسیہ کا قیام ۱۶۸ھ میں ظاہر کیا ہے گویا ان کے حساب سے حسین بن علی کے مدینہ میں خروج ۱۶۹ھ سے قبل ہی ادریسیہ حکومت قائم ہو چکی تھی یہ سراسر غلط ہے حالانکہ ۱۶۹ھ میں جنگ فخ کے دوران جو حسین بن علی کے خروج کے سلسلہ میں مدینہ میں قائم ہوئی تھی ادریس اور ان کے بھائی یحییٰ بن عبداللہ شریک تھے پھر ۱۶۸ھ میں کیونکہ ادریسیہ حکومت قائم ہو سکتی تھی یقیناً مقام فخ سے فرار ہونے کے بعد ہی انھوں نے بلاد مغرب کے بربریوں میں اپنی امامت کی دعوت شروع کی اور ۱۷۲ھ میں خروج کر کے مراقش میں حکومت قائم کی ہو سکتا ہے سنہ ہجری صحیح نہ ہو۔ لیکن یہ امر مسلّم ہے کہ ادریسیہ حکومت جنگ فخ کے بعد قائم ہوئی ہے نہ کہ جنگ سے قبل۔

بیٹے سے لڑکا پیدا ہوا تھا جس کا نام بھی بربریوں نے ادریس رکھا اور اس کو اپنا امام بنا لیا۔ حکومت ادریسیہ تقریباً ڈیڑھ[1] سو برس قائم رہی۔ سوا سو برس تک تو ادریسی سلاطین خود مختار رہے۔ پھر عبیدیوں (دولت فاطمیہ) کی ابتدا افریقہ میں ہوئی تو انھوں نے ان کو اپنا باج گزار بنا لیا۔ اس کے بعد سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔

بالآخر عبیدیوں نے بربری قبیلہ کتامہ کی مدد سے ادریسیہ حکومت کو برباد کر کے ان حسینیوں کو اندلس میں امویوں کے پاس پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔

مراقش میں حکومت قائم ہونے کے بعد ادریس بن عبداللہ کے بھتیجے محمد بن سلیمان بن عبداللہ المحض بھی فخ کی بغاوت ناکام ہو جانے کے بعد اپنے چچا کے پاس مراقش چلے آئے تھے۔ ان دونوں کی نسل وہاں خوب چلی مگر ان دونوں کے اخلاف میں سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی کشمکش وقتاً فوقتاً جاری رہی اور ایک دوسرے کو قتل کرتے رہے۔

جنوں احمد بن ابی العیش عیسیٰ بن جنون بن احمد بن محمد بن قاسم بن ادریس نے اپنے بھائی محمد کو اس الزام میں قتل کر دیا۔ کہ ان کا میل ایک اموی حکمران اندلس عبدالرحمٰن بن محمد مروانی سے تھا۔ ان ہی میں سے ایک شخص حسن بن جنون اعور نے نبوت کا بھی دعویٰ کیا۔

---

[1] ظفر صاحب کی تحقیق سے حکومت ادریسیہ کا قیام ساٹھ سال ہے۔ جبکہ تمام تاریخی کتب ڈیڑھ سو سال کا حوالہ دے رہی ہیں۔ خدا جانے یہ کیسی تحقیق ہے اور کیسی تاریخ دانی ہے۔ نہ جانے کون سی تاریخ سے ۶۰ سالہ مدت ثابت کی جا رہی ہے۔ قارئین کرام خود تاریخ کا مطالعہ کر کے نام نہاد تحقیق کو پرکھ سکتے ہیں۔

یحییٰ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حسنؓ بن علیؓ کا خروج

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ ادریس اور یحییٰ برادران محمد مہدی نفس زکیہ جنگ فخ سے فرار ہو گئے تھے۔ ادریس نے مراقش پر قبضہ کیا اور یحییٰ بن عبداللہ نے دیلم میں خلافت عباسیہ کے خلاف خروج کیا اور لوگوں سے بیعت لینا شروع کی۔ ہارون الرشید نے یہ اطلاع پاکر فضل بن یحییٰ کو اس فتنہ کو فرد کرنے کے لئے روانہ کیا اور ساتھ ہی فضل بن یحییٰ کو جرجان۔ طبرستان اور رےّ وغیرہ کی سندگورنری بھی دیدی۔ فضل بن یحییٰ بغداد سے روانہ ہوا اور یحییٰ بن عبداللہ کے نام ایک خط روانہ کیا جس میں صلح کرنے اور انعام و جاگیر کی توقع دلائی۔ یحییٰ بن عبداللہ نے صلح منظور کر لی۔ لیکن اس شرط کیساتھ کہ وہ صلح نامہ ہارون الرشید کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہو اور اس پر فقہا اور سرداران بنوہاشم کے دستخط ثبت ہوں۔ فضل بن یحییٰ نے ان حالات سے ہارون الرشید کو مطلع کیا ہارون الرشید بہت خوش ہوا اور اپنے ہاتھ سے صلحنامہ لکھ کر اس پر شرط کے موافق دستخط کرا کر معہ تحفہ وانعام واکرام کے فضل کے پاس بھیجدیا۔ فضل نے یحییٰ کو صلح نامہ بھیجدیا۔ چنانچہ یحییٰ اور فضل دونوں بغداد روانہ ہوئے۔ وہاں پہونچکر ہارون الرشید نے نہایت عزت اور احترام کے ساتھ یحییٰ بن عبداللہ سے ملاقات کی۔ جاگیر مقرر کی انعامات دیئے اور فضل بن یحییٰ کو بھی اس کام کے صلہ میں مرتبہ وعہدہ میں اضافہ کیا، اور یحییٰ بن عبداللہ کو فضل بن یحییٰ کے سپرد کیا۔ چنانچہ یحییٰ بن عبداللہ آرام سے فضل کے ساتھ بغداد میں رہنے لگے کچھ عرصہ بعد انھیں دولاکھ دینار کا بیش بہا عطیہ دے کر ان کو ان کے وطن بھیجدیا گیا جہاں وہ بقیہ ایام فارغ البالی سے بسر کرتے رہے۔

یحییٰ بن عبداللہ اور ہارون الرشید کے مابین صلح نامہ کی اصلیت اور حقیقت یہ ہے۔ اس کے برخلاف ظفر صاحب اس صلحنامہ کو بالکل ہی حذف کر گئے ہیں اور کسی جگہ بھی اس تاریخی صلحنامہ کا ذکر نہیں کیا جسمیں فقہا اور سرداران قریش کے دستخط ثبت تھے۔ کیا یہ صریح فن تاریخ سے مذاق نہیں ہے؟ کیا یہ آلِ علی کی بے جا مدح اور طرفداری میں گمراہ کن زہریلا اور متعصبانہ اظہار خیال نہیں ہے؟ جو بھی منصف مزاج اور صحیح الدماغ انسان ظفر صاحب کی اس وامقانی کتاب کو پڑھے گا۔ وہ یہ کہنے پر ذرا بھی تامل نہ کرے گا۔ کہ ظفر صاحب کی یہ تحقیق اور ان کا یہ کارنامہ اکاذیب کا دفتر ہے۔ مثلاً ان کا یہ ارشاد کہ "یحییٰ خلیفہ ہارون الرشید کے پاس پہونچے تو ان کے استقبال کے لئے قیدخانہ کا دروازہ کھلا تھا ہارون الرشید نے آپ کو جیل میں ڈالدیا۔"

یہ ارشاد جناب کا صحیح نہیں یہ جلے دل کی بات ہے ٹھنڈے دل اور تعصبانہ روش سے ہٹ کر نہیں کی گئی۔ ظفر صاحب کی ایک اور منطق ملاحظہ ہو لکھتے ہیں۔

■ ساتھ ہی خلیفہ کی طرف سے بھی یہ یقین دلایا گیا کہ گذشتہ ناروا سلوک اور بے اعتدالیوں پر خلیفہ بہت شرمسار ہے"

ظفر صاحب تاریخی واقعات کو مردود افسانوں کی طرح نقل کرتے چلے جاتے ہیں اور نور بصیرت سے قطع نظر ایک ذخیرہ رطب ویابس اور فضولیات اور خرافات کا مرتب کرکے لوگوں کو فریب کاری میں مبتلا کرتے جا رہے ہیں۔

افسوس! ظفر صاحب بغض و عناد میں اس طرح پُر فریب اور گمراہ کن راہ اختیار کریں گے ہم کو ایسی امید نہ تھی۔ دراصل صحیح روایات قبول کرنا صحیح دل، صحیح دماغ۔ صحیح ذوق اور صحیح عقائد و تصورات کا مظہر ہوتا ہے

اور اس حق کو نظر انداز کر کے ان کے مقابلہ میں مجروح و معلول اور متروک روایات کو قبول کرنا اس حقیقت کی غمازی کرتا ہے کہ ایسا کرنے والے کا دل دماغ مفلوج و معلول اور عقیدہ و تصور ہی فاسد ہے۔

ظفر صاحب کے اس لطف و کرم کے بعد بھی اگر کوئی ان کے موقف کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکا۔ تو وہ اپنے فہم اور اپنی سمجھ کا علاج کرے ورنہ اس کے بعد انھیں سمجھنے میں کسی کو کوئی دقت پیش نہ آنی چاہیئے۔ اور لوگوں کی آنکھیں کھل جانی چاہیئیں۔

حسنؒ[1] بن زید بن محمد بن اسمعیل بن حسن بن زید بن حسنؓ بن علیؑ کا خروج

حضرت حسنؑ بن علیؑ کے ایک صاحبزادے زید تھے جو اپنے چچا حضرت حسینؑ کے ساتھ واقعہ کربلا میں شریک تھے۔ لیکن اپنے بھائی حسن مثنیٰ کی طرح صحیح سلامت واپس آ گئے تھے۔ ان زید کے ایک بیٹے کا نام حسن تھا۔ اور یہ حسن بن زید بن الحسنؓ امیر المومنین ابوجعفر منصور عباسی کے عہد خلافت میں پانچ سال تک امیر مدینہ رہے تھے۔ حسن مذکور کی ایک بیٹی اور آٹھ بیٹے تھے۔ بیٹی

---

[1] ظفر صاحب نے یہاں بھی حسب سابقہ حسن بن زید کا بھی شجرہ غلط تحریر کیا ہے۔ یعنی یوں لکھا ہے۔ حسن بن زید بن محمد بن اسمٰعیل بن زید بن حسن یعنی اسمٰعیل بن زید لکھا ہے۔ حالانکہ اسمٰعیل بن حسن اور ان کے بعد میں زید ہے۔ یعنی اسمٰعیل کے والد حسن کے بجائے زید کو اسمٰعیل کا باپ بنا دیا۔

کا نام ام کلثوم تھا۔ وہ پہلے خلیفہ عباسی ابوالعباس عبداللہ کی زوجہ تھیں

حسن بن زید بن الحسن رضہ کے آٹھ بیٹوں میں سے چار بیٹوں کی اولاد میں سے متعدد اشخاص نے نقل مکانی کر کے مقامات رے، طبرستان جرجان۔ بلخ اور دیلم میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ انمیں سے حسن بن زید و محمد بن زید ابنائے زید بن محمد بن اسمٰعیل بن حسن بن زید بن الحسنؓ مقام رے میں ساکن تھے۔

خلیفہ مستعین عباسی نے محمد بن عبداللہ کو طبرستان کا علاقہ جاگیر میں دیا تھا۔ لیکن وہ اس پر قبضہ نہ کر سکے تھے۔ اس واقعہ کو ظفر صاحب نے گول مول طریقہ سے بیان کیا ہے۔ نہ معلوم کس مصلحت کے تحت انھوں نے واقعہ کی پردہ پوشی کی ہے اور محمد بن عبداللہ کو جاگیر بخشے جانے کو کیوں چھپایا ہے۔

ویسے بھی ظفر صاحب کا یہ اصول ہے کہ جن واقعات کے بیان کرنے سے ان کے اپنے عقیدے اور جذبات کو ٹھیس لگتی ہے وہ یہ کہہ کر واقعہ ہضم کر جاتے ہیں کہ یہ تفصیلی گفتگو کا محل نہیں ہے" مثلاً صفحہ ۲۲ پر خلیفہ المتوکل کی مخالفت میں ہسٹری آف طبرستان کے مؤلف مسٹر براؤن کے خیالات کو بھی پیش فرمادیا۔ اور خلیفہ المتوکل کا یہ حکم کہ "حضرت حسینؓ کے مزار کو اور جو دوسرے قبور اس کے قریب ہیں کھود ڈالا جائے" سپرد قلم کر دیا۔ اس پر گفتگو کرنے کے لیے ان کے پاس وقت بھی نکل آیا اور موقع محل بھی کیونکہ انھیں اپنے عقیدہ کی ترجمانی کرنی تھی۔ اس کے برخلاف جب عبداللہ بن علی بن عبداللہ بن عباس نے خلفائے بنوامیہ کی قبریں کھدوائیں یہاں تک کہ کاتب وحی صلعم حضرت امیر معاویہؓ کی قبر کھودی گئی اور ہشام بن عبدالملک کی قبر کھود کر ان کے جسم کو نکالا گیا کوڑے

لگوائے گئے پھر صلیب پر چڑھا کر جلایا گیا۔ یہ تمام واقعات ان کی نظروں سے اوجھل ہوگئے اور نہ یہ جاں سوز واقعات بیان کرنے کے لئے ان کے پاس تفصیلی گفتگو کا محل تھا۔ کیونکہ اس سے ان کے اپنے ضمیر کی پشیمانی اور اہل بیت کی ریشہ دوانی کا اندیشہ تھا۔ بہرحال ہم قارئین کو اس واقعہ سے قدرے تفصیل سے آگاہ کریں گے۔

سنہ ۲۴۹ھ مستعین باللہ کے زمانہ میں رومیوں نے ممالک اسلامیہ پر حملہ کیا اور جب دو مسلمان سردار شہید ہوگئے تو بغداد میں ایک شورش اٹھ کھڑی ہوئی اور لوگ جہاد کی تیاریاں کرنے لگے۔ اس پرآشوب حالات میں یحییٰ بن عمر بن یحییٰ بن حسین بن زید نے جن کی کنیت ابوالحسن تھی کوفہ میں خروج کیا۔ یہ یحییٰ بن عمر حضرت علی (زین العابدین) کے پرپوتے تھے۔ ان کے بزرگوں کے خروج بھی بنوامیہ کے زمانہ میں ہمیشہ ناکام رہے تھے اور تقریباً سوا سو برس کے بعد انھوں نے اپنے ہی خاندان بنوہاشم کے خلفاء کے خلاف خروج کر دیا۔ ان کے خلاف اہل سنت والجماعت کے مسلک پر قائم تھے۔ یحییٰ کی سکونت کوفہ میں تھی۔ خلافت کی خواہش ایسی دل میں سمائی کہ بقول ابن خلدون " اہل کوفہ کی ایک جماعت اپنے ساتھ کر کے جیل کا دروازہ توڑ دیا اور قیدیوں کو اپنے ساتھ ملا لیا، سرکاری دفاتر کو نذر آتش کر دیا۔ بیت المال کا دروازہ توڑ کر لوٹ لیا اور والی کوفہ ایوب بن حسین بن موسیٰ بن جعفر بن سلیمان بن علی کو نکال کر خود قابض ہوگئے۔ محمد بن عبداللہ بن طاہر نے حسین بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن حسین بن مصعب کو مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ اول شکست کھائی۔ دوسری مرتبہ مقابلہ میں یحییٰ بن عمر مارے گئے۔ یحییٰ ۱۵ رجب سنہ ۲۵۰ھ کو مقتول ہوئے۔

یحییٰ بن عمر کا یہ خروج ظفر صاحب حذف کر گئے تھے۔ جس کو فرد کرنے کے

لئے خلیفہ مستعین نے محمد بن عبد اللہ بن طاہر کو طبرستان میں جاگیریں عطا کیں جن میں ایک جاگیر حدود دیلم کے قریب تھی، اس جاگیر پر قبضہ کرنے کے لئے جب محمد بن عبد اللہ کا عامل گیا۔ تو رستم نامی ایک شخص نے مخالفت کی اور اس مخالفت میں اہل دیلم بھی رستم کے ساتھ ہو گئے۔

طبرستان میں اس زمانہ میں محمد بن ابراہیم علوی موجود تھے۔ ان کے پاس آکر لوگوں نے امامت کا دعویٰ کرنے کے لئے کہا۔ لیکن انھوں نے کہا کہ تم رے میں جاکر حسن بن زید بن محمد بن اسمٰعیل بن حسن بن زید بن حسن کی خدمت میں یہ درخواست پیش کرو۔ رستم نے ایک آدمی رے سے روانہ کیا۔ وہاں سے حسن بن[1] زید طبرستان چلے آئے اور ۲۵۰ھ میں اہالیان طبرستان کی مدد سے خروج کیا اور طبرستان پر قبضہ کرنے کے بعد رے پر بھی قبضہ کر لیا۔ ماہ رجب ۲۷۰ھ[2] میں حسن بن زید کا انتقال ہو گیا۔ ان کے بعد محمد بن زید ان کے بھائی حاکم طبرستان ہوئے ۲۷۲ھ میں عباسی خلیفہ سے ان کا مقابلہ ہوا محمد بن زید آٹھ ہزار فوج لے کر مقابلہ کے لئے آئے شکست کھائی اور جرجان میں پناہ گزیں ہوئے۔ لیکن جب فوج واپس ہوئی تو پھر طبرستان پر قبضہ کر لیا۔ ۲۷۵ھ میں جرجان پر پھر فوج کشی ہوئی۔

---

[1] ظفر صاحب نے حسن بن زید کو زید بن حسن لکھا ہے گویا کہ (ع) بیٹے کو باپ باپ کو بیٹا بنا دیا۔

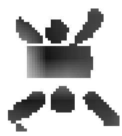
[2] ظفر صاحب نے تحریر کیا ہے کہ ۳۷ سال حسن بن زید حکمران رہے اور ۲۸۷ھ میں انتقال ہوا جو سراسر غلط ہے ۲۸۷ھ میں تو محمد بن زید برادر حسن بن زید کی حکومت بھی ختم ہو گئی تھی یعنی علوی حکومت کی کل مدت ۳۷ سال ہے جس میں حسن بن زید نے ۱۹ برس ۸ ماہ حکومت کی اور ان کے بھائی محمد بن زید نے سترہ برس تک اس علاقہ پر سیاسی تسلط قائم رکھا۔

محمد بن زید نے مقابلہ کیا اور ۲۷۷ھ میں طبرستان سے بیدخل کر دیا گیا۔ ۲۸۳ھ میں پھر محمد بن زید نے طبرستان پر قبضہ کر لیا۔ ۲۸۷ھ میں اسمٰعیل سامانی نے دیلم پر خروج کر کے طبرستان پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد اسمٰعیل سامانی نے محمد بن ہارون کو طبرستان کی طرف روانہ کیا اور محمد بن زید مقابلہ میں مارے گئے۔

علامہ ابن حزم نے حسن بن زید اور ان کے بھائی محمد بن زید کے بارے میں لکھا ہے کہ

"ان دونوں نے طبرستان کے باشندوں کی خوشحالی کو بدل ڈالا۔ اس علاقہ کی شادمانی جاتی رہی، دونوں بھائی بڑے فاسقوں میں سے تھے اور یہی اسلامی ممالک پر دیلمیوں کے تسلط کے موجب ہوئے کیونکہ انھوں نے دیلمیوں سے فوجی امداد طلب کی تھی۔

(جمہرۃ الانساب ص ۳۵)



تین ۳ سوال؟

اب آئیے! ذرا تاریخ کے پرپیچ اور سنگلاخ راستوں سے ہٹ کر ان مسائل پر رجوع ہوں جو اہل تشیع اور اہل سنت والجماعت کے درمیان شروع ہی سے نزاع بنے ہوئے ہیں، گو کہ ان مسائل پر اہل تشیع کے بطلان عقائد میں ہزارہا کتابیں لکھی جاچکی ہیں، لکھی جارہی ہیں، اور لکھی جاتی رہیں گی۔ لیکن انشاء اللہ ان کی تردید ابد تک یہ فرقہ نہ کر سکے گا۔

ظفر صاحب کا رجحان بھی اس باطل فرقہ کی طرف جھکا ہوا دیکھا تکلیف ہوئی۔ ایک سنی اہل خاندان شیعہ ہوا جاتا ہے۔ لہذا مناسب سمجھا کہ موصوف کے ذہنی افکار والحاد کی حتی الوسیع تطہیر کی جائے اور عقل پر پڑے ہوئے شکوک و شبہات کے دبیز پردوں کو چاک کر کے حقائق و شواہد سے روشناس کرایا جائے۔ لہذا مختصراً تین مسائل پر بحث کروں گا۔ جن پر ظفر صاحب نے بھی دبی زبان میں اور آنکھ چراتے ہوئے اپنے ایمان لانے کا اظہار کیا ہے۔ گویا ان کی

عقائد کی رو سے مندرجہ ذیل معروضات ہی قابل یقین اور حقائق پر مبنی ہیں :-

۱۔ رسولؐ کی تجہیز و تکفین بھی نہ ہونے پائی تھی اور اہل بیت میت رسولؐ کے گرد جمع تھے۔ کہ خلافت کا معاملہ طے ہو گیا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے خلیفہ ہونے کا اعلان ہو گیا اور اہلبیت اس حق سے محروم رہے۔ ؟

۲۔ باغ فدک ؟

۳۔ واقعہ قرطاس ؟

(۱) "رسولؐ کی تجہیز و تکفین بھی نہ ہونے پائی تھی اور اہلبیت میت رسولؐ کے گرد جمع تھے، کہ خلافت کا معاملہ طے ہو گیا اور حضرت ابو بکرؓ صدیق کے خلیفہ ہونے کا اعلان ہو گیا اور اہلبیت اس حق سے محروم رہے۔"

ظفر صاحب کی اس تحریر کا انداز ہی ان کے دل کی ترجمانی کر رہا ہے، کہ بظاہر اپنے کو سُنّی ندوی کہتے ہیں اور فاروقی ہونے کا بھی شرف حاصل ہے مگر دل ہے عقائد شیعہ کی طرف مائل، تو جناب گذارش کروں گا کہ آپ پہلے اپنے قلب کی اصلاح و اعلاج سُنّی عقائد اہلسُنّت والجماعت اور تیرہ سو برس سے مفسرین و مجتہدین و فقہائے اہل سُنّت نے جو ایک معجون مرکب عقائد کا تیار و مرتب کر دیا ہے۔ بس اسی ایک معجون سے کریں، اور اسکی کوئی دوسری دوا نہیں۔ ورنہ آپ کا زبانی سُنّی، ندوی، فاروقی ہونا کام نہ آئیگا۔ اور جس شخص کا دل جس فرقہ کے عقائد کی طرف مائل ہوگا حشر بھی ظاہر ہے کہ انہی کے ساتھ ہوگا۔ (اللھم حفظ من العقائد غیر اہلسنت والجماعت)

اس کے بعد عرض کروں گا۔ ع

"یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی"

یہ بے سر و پا داستان بھی مخالفین کی من گھڑت ہے۔ جس کو ظفر صاحب
بڑی بیباکی اور دیدہ دلیری کے ساتھ تحریر کیا ہے یہ انہی کا دل گردہ ہے ان کے
اپنے عقیدے اور ایمان کے تحت حضرت ابوبکر صدیق رضہ کی خلافت کا فیصلہ
اس کا اعلان غیر منصفانہ اور بے جا تھا گویا کہ اس نکتہ کو یا تو شیعوں نے
ہے یا پھر آج ظفر صاحب سمجھ سکے ہیں۔ نعوذ باللہ صحابہ کرام رضوان ا...
اجمعین کی ہزاروں کی تعداد اتنا بھی نہ سمجھ سکی کہ رسول کی میت ابھی بے گو...
کفن رکھی ہے ایسے جانگداز سانحہ میں اول کفن دفن کو اہمیت دی جائے
کہ خلافت کے لئے تگ و دو۔ بس سمجھے تو اہل بیت کے چند نفوس جو گ...
جمع تھے۔

"وجعلنا من بین ایدیہم سداً ومن خلفہم سداً
فاغشینٰہم فہم لا یبصرون۔" (آیۃ)

دنیا کا یہ دستور ابتدا سے اس وقت تک یہ چلا آرہا ہے کہ جب کو...
بادشاہ وفات پاجاتا ہے۔ اس کی تجہیز و تکفین حتیٰ کہ اس کے مرنے کا...
بھی اس وقت تک نہیں کیا جاتا۔ جب تک متوفی کا کوئی نائب مقرر نہ...
کرلیا جاتا، اور یہ تقرر نیابت کا کام عوام نہیں کرتے بلکہ حکومت کے مخص...
معتمدین ذی فہم اہل الرائے مشورہ سے کیا کرتے ہیں اور جس قدر جلد ممکن ...
ہے متوفی کی جگہ پُر کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور بعد میں رحلت کا اعلا...
اس کا جانشین کرتا ہے، اور تدفین کے سارے انتظامات اس کی زیر نگرا...
ہوتے ہیں۔

آخر یہ کیوں۔؟

ہر فرقہ کے مذاہب میں ایک بادشاہ کی تجہیز و تکفین تدفین اسوقت تک جائز ہی نہیں ہے. جب تک کوئی جانشین منتخب نہ کر لیا جائے بادشاہ کے مرنے کے بعد بہت سے فتنہ و فساد اٹھ کھڑے ہونے کا یا بغاوت کا خطرہ رہتا ہے اس لئے اطراف حکومت اور اکناف عالم کے لوگ خبر مرگ سے بے خبر رہتے ہیں تاوقتیکہ نائب نہ مقرر ہو جائے شاہ وقت کی رحلت تو ایک ہی فرد واحد کی ہوتی ہے مگر اس کا بڑا بھیانک منظر اس وقت سامنے آتا ہے جب کوئی دشمن حملہ آور ہو جائے یا کوئی اندرونی فتنہ اٹھ کھڑا ہو جائے. پھر اس کا فرد کرنا کارے دارد اور پھر شاہ وقت کی موت ہی نہیں بلکہ قوم کی قوم موت کے گھاٹ اتر جاتی ہے. کیونکہ اس وقت قوم ایک ریوڑ کی طرح ہے. جس کا کوئی راعی اور گلہ بان نہیں. ایک ایسے گھوڑے کی طرح ہے. جس کی لگام کسی کے ہاتھ میں نہیں. نہ کسی کے احکام نافذ ہوتے ہیں. جس کے اشارہ پر فتنہ اور بغاوت کا سر کچلا جا سکے جب کوئی نائب نہیں تو قوم کی قوم منتشر ہر شخص آزاد اور کسی کا پابند نہیں.

حضور صلعم کی وفات کے بعد مسلمانوں کے لئے دو مار آستین گروہ مدینہ میں موجود تھے. ایک منافقین کا گروہ دوسرے یہودیوں کا یہ دونوں ایک دوسرے سے شیر و شکر تھے اسلام کے خلاف اسکیمیں بناتے اور مسلمانوں کو نقصان پہونچانے یا اسلام کو ختم کرنے کی کوشش کرنا ان کا مقصد اول تھا. یہی وجوہات ہیں کہ حضورؐ کی تدفین سے پہلے سربراہ مملکت کی طرف سب سے پہلے سرداران مملکت کو توجہ ہوئی اور اس وقت تک نعش مبارک اہلبیت نے بھی دفن نہیں کی. جب تک خلیفہ کا اعلان نہیں ہو گیا. کیونکہ وہ یہ سمجھتے

تھے کہ ایک بادشاہ کو بغیر اس کے نائب کے دفن کرنا جائز ہی نہیں بلکہ اس کی توہین ہے۔ (نعوذ باللہ)

حضرات شیخین کا سقیفہ میں جانا حصول سلطنت کے لئے نہ تھا بلکہ مسلمانوں کا ایک لمحہ بھی بے امام رہنا جائز نہیں۔ چنانچہ عمرو بن الحریثؓ نے سعید بن زیدؓ سے دریافت کیا کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی لوگوں نے کب بیعت کی۔ سعیدؓ نے کہا جب حضورؐ کی وفات ہوئی۔ کیونکہ لوگوں نے اس امر کو مکروہ جانا کہ ایک دن بھی بغیر امام کے رہیں اس لئے اسی روز بیعت کر لی۔ کہ جماعت میں کچھ فرق نہ ہو۔

حضرات شیعہ جو اس کو معائب میں شمار کرتے ہیں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ رسالت اور نبوت پر ان کا ایمان نہیں، اور پھر غور کیجئے کہ حضور کی تجہیز و تکفین اور تدفین کا مہتمم بالشان کام بغیر کسی خلیفہ کے تقرر کے کیسے انجام پاتا اور جو اختلاف رونما ہوتے ان کا فیصلہ کون کرتا۔ مثلاً نماز جنازہ کے متعلق اختلاف ہوا کچھ لوگ جنازہ مبارک کو حجرہ سے باہر لا کر نماز ادا کرنا چاہتے تھے۔ اسی پر جو قیامت برپا ہوتی ظاہر ہے۔ پھر مقام دفن میں اختلاف ہوا کوئی کہتا کہ مکہ میں لے جا کر دفن کریں جو آپ کا مولد ہے کوئی کہتا کہ ملک شام میں جو حضرت خلیل اللہ کا مدفن ہے۔ بعض کہتے جنت البقیع میں، بعض کہتے مسجد مبارک میں دفن کیا جائے، بعض کہتے کہ اپنے ہی مکان میں۔ اب چونکہ حضرت ابو بکر صدیقؓ خلیفہ ہو گئے تھے۔ لہذا انھوں نے فیصلہ کر دیا۔

واقعہ یہ ہے کہ کم علمی، رشک وحسد اور جذبہ معاندانہ ایمان کے لئے خطرناک ہوتا ہے جس کے مرتکب ظفر صاحب نے عقائد اور مذہب اہل سنت سے ہٹ کر اپنی بے راہ روی اور کم علمی کا ثبوت دیا ہے افسوس اگر وہ اپنے متعصبانہ خیالات کو سپرد قلم کرانے سے قبل عقائد صحیحہ کے میزان پر تولتے

ان کا دامن داغدار نہ ہوتا اور تشیع بالتشیع کا بدنما لیبل ان کے ماتھے پر چسپاں نہ ہوتا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ غیر اہلبیت سے یہ تنگ نظری اور کدورت کیوں؟ وہ کیوں بھول رہے ہیں کہ اس فہرست میں تمام اجلہ صحابہ خصوصاً حضرت صدیق اکبرؓ حضرت عمرؓ حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح (جن کو دربار رسالت سے امت کے امین کا لقب ملا تھا) وغیرہ شامل ہیں۔ کیا رسول اللہ صلعم کی تعلیم اور فیضان صحبت صرف اہلبیت ہی کے لئے مخصوص تھا۔ بقیہ حضرات صحابہ اس فضیلت اور مراتب میں ان کے ہم پلہ نہ تھے۔ یا جاں نثاری اور رسولؐ سے محبت صرف اہلبیت ہی کو تھی۔ دیگر صحابہ کرام اس سعادت سے محروم تھے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر آپ کو کس جذبہ ایمانی کے تحت اہلبیت ہی میں تمام خصوصیات نظر آئیں۔ اور غیر اہلبیت میں وہ تمام صفات معدوم دکھائی دیں حالانکہ "افضل الخلائق بعد الانبیاء ابوبکرؓ" مذاہب اربعہ اہل سُنّت والجماعت کا متفقہ فیصلہ ہے۔ جس سے انحراف کی کوئی سبیل ہی نہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کا اعلان خلافت آخر آپ کے لئے صور اسرافیل کیوں محسوس ہو رہا ہے۔ آپ جان لیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ خلیفۃ المسلمین ہی نہیں بلکہ خلیفۃ محمد الرسول اللہ بھی ہیں۔ دربار رسالت سے دین کی امامت کا فرض انہی کو سونپا گیا، اور یہ فضیلت صرف صدیق اکبرؓ ہی کو نصیب ہوئی کہ ان کو امامت میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت مقتدی شامل ہوئے۔ شعر

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ابوبکرؓ سے بڑھ کر اگر کوئی اہلبیت یا غیر اہلبیت صحابی فضیلت اور امامت کے بلند مدارج پر دربار رسالت[۱] سے فائز ہوا ہو تو ذرا ظفر صاحب اس کا نام بتانے کی زحمت گوارا کریں۔ ورنہ سر تسلیم خم کریں کہ خلیفہ اوّل اور خلیفہ رسولؐ کا انتخاب حق پر تھا، اور رسولؐ کے بعد وہی صحیح جانشین تھے ان کے علاوہ کوئی فرد خواہ وہ اہلبیت میں سے ہو یا غیر اہلبیت اس منصب جلیلہ کے لائق تھا ہی نہیں اور یہ بھی ایمان لائیں کہ حضرت ابوبکرؓ کو امامت کے لئے حضور اکرمؐ کا منتخب کرنا منجانب اللہ تھا، اور امامت کے لئے خلیفہ کے انتخاب کی طرف ایک اشارہ۔ کیونکہ دینی معاملات میں خاص کر بغیر وحی کے پیغمبر کچھ نہیں کہتا۔

"وما ینطِقُ عن الھویٰ اِن ھُوَ اِلّا وحی الیوحیٰ"

(النجم)

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے خلاف اس قسم کے اعتراضات محض رافضوں یا رفض زدہ دماغوں کی اختراع ہے۔ محدثین و فقہائے اہلسنت اور تمام

---

[۱] میرے خیال میں ظفر صاحب کے دل میں رسول اللہ صلعم کیطرف سے بھی کینہ بغض و حسد کی آگ بھڑک رہی ہے کہ آپ نے اپنے اہلبیت خصوصاً حضرت علیؓ کو امامت کیلئے کیوں نہیں منتخب کیا اور مسلسل کئی دن تک حضرت صدیقؓ ہی کو امامت کیلئے کیوں کہا گیا۔ دل میں رسول صلعم سے اس بارہ میں عداوت رکھنے یا حضورؐ کے اس فعل کو ناگوار سمجھنے سے عنداللہ کافر ہوں تو ہوں، مگر عندالخلائق کفر سے بچے رہتے ہیں۔ اگر کہیں کھل کر حضورؐ کے اس فعل سے نفرت کا اظہار کر دیتے تو صریحاً کفر کا فتویٰ لگتا اور پھر یہ گمراہ کن ظفر صاحب کی کتابیں کافر کی کتابیں سمجھ کر کوئی پڑھتا بھی نہیں، اور اگر پڑھتا بھی تو یہ کہہ کر کافر کی بکواس ہے الگ رکھ دیتا۔

صحابہ کرامؓ کے یہاں اس قسم کی لغویات اور بہتان کا کوئی وجود نہیں —
تو آئیے اصل واقعہ پر غور کریں اور اس کذب وافترا کے پردہ کو چاک کریں۔

دراصل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پیر کی شام کو ہوئی۔ یہ ایسا عظیم سانحہ تھا کہ کوئی شخص اپنے ہوش وحواس میں نہ تھا۔ حضرت عمرؓ کو تو یہ یقین ہی نہ آیا کہ حضورؐ وفات پا چکے ہیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ حجرہ عائشہؓ میں تشریف لے گئے۔ جمال روئے انور سے مشرف ہوئے اور کچھ دیر سرنگوں رہے۔ شرح صدر ہوا باہر تشریف لائے تو آپ نے مجمع میں تقریر فرمائی، اور یہ آیۃ پڑھی۔

"وما محمدٌ الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افائن
او قتل انقلبتم علی اعقابکم (الخ)

تو لوگوں کی حواس درست ہوئے۔ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور حضورؐ کی وفات کے قائل ہوئے۔

چونکہ یہ سانحہ شام کو پیش آیا تھا۔ اتنی دوڑ دھوپ میں رات ہوگئی اور یہ ممکن ہی نہ تھا کہ راتوں رات حضور صلعم کو دفن کر کے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی جماعت کو نماز جنازہ سے محروم کر دیا جاتا۔ کیونکہ اس سے ایک عام شکایت کے پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ لہٰذا وہ رات تو ہر صورت میں گذارنی تھی۔

یہ رات بھی کس قدر کرب و بلا کی رات تھی۔ کون ایسی آنکھ تھی جو غم والم سے نمناک نہ تھی۔ کون ایسا چہرہ تھا جو یاس وکرب کی تصویر نہ تھا، کونسا ایسا ذہن تھا جو غمگین اور فکرمند نہ تھا۔ کیسی نیند کہاں کا سکون رحمۃ اللعالمین ابدی نیند سو رہے تھے۔ پروانوں کے درمیان سے شمع اٹھالی گئی تھی۔ بس تڑپ تھی اور اشکوں کا سیلاب۔

چنانچہ تمام امہات المومنین حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں بے روح جسد اطہر کے قریب اشک ریزی میں مشغول تھیں۔ انصار و مہاجرین کی کثیر تعداد صدیق اکبرؓ کے گرد جمع تھی۔ حضرت علیؓ۔ حضرت طلحہؓ اور دیگر قرابتداران رسولؐ سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کے گھر میں جمع تھے انصار کے مختلف گروہ اپنے اپنے محلوں میں جمع تھے کہ کسی نے اطلاع دی کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں حضورؐ کی جانشینی کا مسئلہ چھڑا ہوا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح جو تمام مسلمانوں میں برگزیدہ سمجھے جاتے تھے فکر مند ہوئے کہ کہیں کوئی فتنہ نہ اٹھ کھڑا ہو۔ لہذا یہ سب حضرات بنو ساعدہ پہونچے اور مختصر سی گفتگو کے بعد خلافت کے مسئلہ کو جو قریب قریب فتنہ کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ سلجھا لیا۔ جس کے صحیح ہونے پر تاریخ بھی اپنی مہر ثبت کر چکی ہے اور سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی پھر حضرت ابو عبیدہ بن الجراح نے پھر بنی سعدہ میں بقیہ لوگوں نے بیعت کرنا شروع کر دی۔ یہ سارا واقعہ اسی رات کا ہے جس کی شام کو نبی مطہر صلعم نے وفات پائی۔

صبح سویرے مسجد نبوی میں صدیق اکبرؓ کی خلافت کا اعلان ہوا اور پھر خلیفہ رسول اللہ صلعم کے حکم سے حضورؐ کی تجہیز و تکفین کا کام شروع ہوا جس سے ثابت ہوا کہ حضورؐ کی تجہیز و تکفین کا آغاز منگل کی صبح سے ہوا نہ کہ پیر و منگل کی درمیانی شب سے اور وہ بھی صدیق اکبرؓ کی بیعت اور خلیفہ ہو چکنے کے بعد۔

پھر یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ حضور صلعم کی تجہیز و تکفین صرف اہل بیت ہی نے کی اور اجلہ صحابہ خلافت کیلئے سرگرداں رہے اگر اہلبیت بغیر اجلہ صحابہ کی شرکت کے تجہیز و تکفین کر کے میت کو سپرد خاک کر دیتے تو سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تلوار تمام ستر کا اہل بیت کو خاک و خون میں ملا دیتی

اور [redacted] ہنگامہ ہوتا کہ خدا کی پناہ۔

مگر نہیں تمام اہلبیت ذی علم، صاحب فراست تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ شہنشاہ دو جہاں کو اس کے نائب مقرر ہونے سے پہلے سپرد خاک کرنا شہنشاہ دو جہاں کی توہین ہے جو صریحاً درست نہیں ہے اسی وجہ سے ساری رات گذر گئی اور قبر کھودنا تو کیا قبر کا تعین بھی کسی نے نہیں کیا کہ فلاں جگہ قبر کھودی جائے۔ اس لئے کہ کفن دفن غسل قبر کی جگہ کا تعین کے احکامات کا نفاذ تو متوفی بادشاہ کا نائب ہی کر سکتا ہے۔ جو کوئی دوسرا شخص نہیں کر سکتا۔ جو متوفی کے اہلبیت ہوں یا بڑے سے بڑا معتمد سلطنت۔

حجرۂ عائشہ جہاں شہنشاہ دو عالم صلعم مدفون ہیں اس کا ایک دروازہ مسجد نبوی میں کھلتا تھا اور جہاں مدینہ طیبہ کے سارے صحابہ موجود تھے یہ بے سروپا داستان گھڑ دیا کہ مسجد نبوی میں صحابہ خلافت کی فکر میں لگے ہوئے تھے، اور بیچارے اہلبیت حجرہ عائشہؓ میں حضور صلعم کی تجہیز و تکفین کر رہے تھے۔ انتہائی مکروہ الزام اور بہتان ہے۔ تاریخ تو یہاں تک کہتی ہے۔ کہ غسل و کفن بھی محض اہلبیت ہی نے نہیں دیا۔ بلکہ اس میں حضورؐ کے آزاد کردہ غلام حضرت اسامہؓ بن زید اور انصار میں سے اوسؓ بن خولی بھی شریک تھے۔

غسل اور کفن پہنانے کے بعد جب یہ سوال پیدا ہوا کہ حضورؐ کی قبر مبارک کہاں بنائی جائے تو اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی نے رہنمائی کی، اور حدیث پیش کی۔

مَا قُبِضَ نَبِیٌّ اِلَّا دُفِنَ حَیْثُ یُقْبَضُ

"نبی کا جس جگہ انتقال ہوتا ہے وہیں اس کو دفن کیا جاتا ہے۔"

اس فیصلہ پر صدیق اکبرؓ کے حکم سے حجرہ عائشہؓ میں آپ کی قبر تیار کی گئی۔ حضرت طلحہؓ اور زید بن سہلؓ انصاری نے قبر کھودی۔ پھر لوگوں نے گروہ در گروہ نماز جنازہ پڑھی، اور وفات کی رات سے منگل کے دن کی رات تک نماز کا سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ بدھ کی درمیانی رات کو نصف شب کے قریب دفن کی نوبت آئی۔

"انا للہ وانا للہ وانا الیہ راجعون۔ وسلامٌ علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین۔

باغِ فدک

اس سے پہلے کہ ہم واقعہ فدک پر بحث کریں یہ کہدینا ضروری ہے کہ شیعہ حضرات نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کی سیرت کا جو نقشہ حضور صلعم کے وصال کے بعد کا کھینچا ہے وہ ایسا ہے کہ اگر اسے صحیح مان لیا جائے تو ان دونوں برگزیدہ ہستیوں کے بارے میں عقیدت تو درکنار اچھی رائے کا قائم رکھنا بھی مشکل ہے افسوس ظفر صاحب بھی شیعوں کے اسی ناپاک راستہ پر گامزن ہیں۔

مسئلہ خلافت سے قطع نظر جہاں تک حضرت فاطمہؓ کے دعوۂ میراث کا تعلق ہے۔ اس کی تفصیلات تو صحیح بخاری اور دوسری کتب حدیث میں موجود ہیں۔ حضرت فاطمہؓ میراث کے معاملہ میں حضرت ابوبکرؓ سے ناراض تو ضرور ہو گئی تھیں۔ مگر صدیق اکبرؓ نے جس بنا پر ان کے اس دعویٰ کو قبول کرنے سے انکار کیا تھا اس کے ظاہر کرنے پر حضرت سیدہ اس کو تسلیم کرتے ہوئے ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئیں۔ بخاری کتاب الفرائض میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

نحنُ معاشر الانبیاء لا نورث و لا یورث ما ترکناہ

صَدَقَۃٌ"

(یعنی۔ ہم جماعت انبیاء نہ وارث ہوتے ہیں نہ کسی کو وارث بناتے ہیں بلکہ انبیاء کا متروکہ صدقہ ہوتا ہے۔)

نیز شیعہ کی معتبر کتاب کافی میں بھی ابو عبداللہ امام جعفر صادق سے یہ روایت مروی ہے۔

"ان العلماءَ ورثۃ الانبیاء۔ ان الانبیاء لم یورثوا دیناراً ولا درھماً ولکن اورثوا العلم فمن اَخَذَ مِنْہُ اَخَذَ ابحظ

اب آپ غور کیجئے کہ رسول اللہ صلعم کے اس ارشاد پر کہ انبیاء علیہم السلام کی میراث ان کے وارثوں میں تقسیم نہیں ہوتی۔ بلکہ ان کا متروکہ صدقہ ہے۔ حضرت ابو بکرؓ کو نبی کریمؐ کے اس ارشاد کی تعمیل کرنا واجب تھی یا اس کو نظر انداز کر کے حضرت فاطمہؓ کی رضا حاصل کرنا ضروری تھا۔ اور کیا اس قول کو درست مانا جا سکتا ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا قول سننے کے بعد اسے قبول کرنے کے بجائے حضرت فاطمہؓ اسی طرح غضبناک ہوئی ہونگی جس طرح شیعوں نے نقشہ کھینچا ہے؟

خلفائے راشدین اور اہلبیت کے باہمی تعلقات کی ایسی تصویر ہمارے لئے آخر کس طرح قابل قبول ہو سکتی ہے جو فریقین میں سے کسی کی بھی شان اور عظمت میں اضافہ کا موجب نہیں ہو سکتی۔

ہر زمانہ اور ہر قوم میں ایسے اشخاص کا وجود ہوتا ہے جن کا نصب العین دو آدمیوں کے درمیان نفرت و عداوت کی دیوار کھڑی کرنا ہوتا ہے۔ لہذا ایسے منافقوں نے حضورؐ کے زمانہ ہی میں درپردہ کارستانیاں شروع کر دی تھیں

اب حضور صلعم کے وصال کے بعد ان لوگوں کو ایک فتنہ کھڑا کرنے کا موقع ہاتھ لگا تھا۔ چنانچہ ذرائع سے بنت رسولؐ کو بہکا کر فدک کے دعوی پر آمادہ کر لیا۔

وہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب والد محترم زندہ تھے اس درجہ ایثار کرے کہ متواتر فاقہ ہوں۔ دو دو تین تین وقت اڑکر ایک دانہ منھ میں نہ جائے اور پھر کبھی جو میسر آ جائے وہ بھی سائل سے عزیز رکھیں۔ پانچ وقت کے بعد پکی پکائی روٹی اور تیار کیا ہوا کھانا معصوم بچوں کی آنکھوں کے سامنے سے اٹھا کر خدا کی راہ میں دیدے۔ اس سے یہ توقع رکھنا کہ وہ دنیا کی فانی جائیداد اور املاک پر نظر ڈالے۔ توبہ! توبہ!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کو اگر زندگی میں کوئی غم تھا تو وصالِ پدر صلعم کا نہ کہ باغ فدک کا!

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کی وفات کے وقت کوئی ذاتی جائداد تھی ہی نہیں کہ میراث جاری ہوتی مکی زندگی جس بے سروسامانی اور عسرت میں گذاری وہ ڈھکی چھپی بات نہیں ہے مدنی زندگی میں جب جہاد کا حکم ہوا، اور غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اموال غنیمت میں سے پانچواں حصہ لگانے کا حکم دیا اور حضور صلعم کو یہ حق عطا فرمایا کہ جس قدر مناسب سمجھیں اور ضرورت محسوس فرمائیں اپنی ذات اور متعلقین اور قرابت داروں کی ضروریات پر صرف کرنے کے لئے اس پانچویں حصہ سے لے لیا کریں۔ باقی اللہ کے کام میں یتامیٰ مساکین اور مسافروں کی خبر گیری میں صرف فرمائیں۔ (انفال)

یہ پہلا ذریعہ معاش تھا جو آپ کو اللہ کی جانب سے عطا فرمایا گیا۔

اس کے بعد جب مدینہ کے یہودی قبیلہ بنی النضیر پر آپ کو فتح عطا فرمائی اور

وہ اپنی جائدادیں چھوڑ کر چلے گئے اس وقت یہ آیۃ نازل ہوئی۔

ترجمہ:۔

"اور جو کچھ دلوادیا اللہ نے ان سے اپنے رسول کو نہیں دوڑائے اس پر تم نے گھوڑے اور اونٹ مگر اللہ مسلط کر دیتا ہے اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ جو کچھ دلوادے اللہ (اس طریقہ پر) اپنے رسولوں کو بستیوں کے لوگوں سے، تو وہ اللہ کے لئے ہے اور رسول کے لئے ہے۔ قرابت داروں، یتامیٰ مساکین اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ یہ مال تمہارے دولتمندوں ہی کے درمیان نہ گردش کرتا رہے۔" (الحشر آیت ۶-۷)

اس آیت کی رو سے حضور صلعم نے مدینہ طیبہ میں بنی النضیر کے چھوڑے ہوئے باغوں میں سے چند نخلستان، خیبر میں سے کچھ اراضی اور فدک میں سے کچھ آراضی اپنے لئے مخصوص کر لی تھی۔

فدک ایک موضع ہے جو خیبر سے ایک منزل اور مدینہ سے دو ڈھائی روز کے راستہ پر ہے۔

ہجرت کے ساتویں سال یہ گاؤں حضور کے قبضہ میں آیا۔ ان جائداد کی آمدنی سے حضورؐ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات پوری کرتے تھے اور جو کچھ بچتا تھا اسے اللہ کی راہ میں صرف فرمادیتے تھے۔ اس لئے بعض نافہم لوگوں نے حضرت سیدہؓ کو ترغیب دی کہ

"فدک رسول اللہ کی ذاتی ملکیت ہے اور اس کی جائز وارث آپ ہیں۔ آپ کی موجودگی میں کوئی دوسرا وارث نہیں ہوسکتا"

حالانکہ یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ حضورؐ کا کوئی قول یا فعل ذی علم مسلمانوں سے

پوشیدہ رہ گیا ہو، چہ جائیکہ جگر گوشۂ رسولؐ آپ کے اس ارشاد سے لاعلم ہوتیں۔ مگر خدا سمجھے مفسدوں اور منافقوں کو جنھوں نے معاملہ کو یہاں تک پہونچا دیا۔

چنانچہ خلیفۂ اوّل کا یہ ارشاد سیدہؑ کے واسطے کافی تھا کہ

" بنت رسولؐ آپ کا دعویٰ میراث حق بجانب نہیں ہے کیونکہ انبیاء کی وراثت نہیں ہوتی، آپ کو خود رسول اکرم صلعم کے الفاظ یاد ہوں گے۔"

والد محترمؐ کا نام سنتے ہی ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ خاموش ہو گئیں۔

غور کیا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضورؐ کو جو کچھ عطا کیا گیا اس کی نوعیت یہ نہ تھی کہ آپ نے اپنے ذاتی کاروبار سے کوئی جائیداد پیدا کی ہو جو آپ کی ملک ہو اور اس میں وصیت کی جائے یا بعد وفات وہ بحیثیت ترکہ کے وارثوں میں تقسیم کی جائے بلکہ اس کی حیثیت یہ تھی کہ آپ اسلامی سربراہ کی حیثیت سے اپنا سارا وقت تبلیغ و اشاعت دین اور دیگر سرکاری کاموں پر صرف فرماتے تھے۔ کوئی ذریعہ معاش نہ تھا اس لئے آپ کو یہ حق دیا گیا کہ حکومت الٰہیہ کی املاک میں سے اتنی اپنے تصرف میں رکھیں۔ جس سے آپ کی اور آپ کے متعلقین کی ضرورت پوری ہو سکے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے رسول کو نبوت کا یہ کار عظیم اور تبلیغ و اشاعت دین کا یہ منصب عالی اپنے لئے جائیدادیں اور جاگیریں پیدا کرنے کے لئے نہیں سونپا گیا تھا۔ حکومت الٰہیہ کے مال میں آپ کا حصہ اتنا ہی تھا کہ آپ اپنے اہل و عیال حاجت مند قرابتداروں کے حقوق ادا کر سکیں۔ لہٰذا آپ کی وفات کے بعد اس کو ذاتی املاک کی طرح وارثوں

میں تقسیم کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ اس بات کو خود حضور ؐ نے زندگی ہی میں صاف کر دیا تھا۔

"ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ جو کچھ ہم نے چھوڑا وہ صدقہ ہے۔ محمد صلعم کے گھر والے تو اس مال میں سے بس کھا لیتے ہیں اور اس سے زیادہ لینے کا انھیں حق نہیں۔"

(بخاری۔ مسلم۔ مسند احمد)

مزید ارشاد فرمایا۔

"اللہ عزوجل کسی نبی کو بسر اوقات کے لئے جو کچھ دیتا ہے وہ اس کی وفات کے بعد اس شخص کے حوالے کر دیتا ہے۔ جو اس کا جانشین ہو۔"

حضورؐ کی ہدایات خفیہ نہ تھیں بلکہ متعدد صحابہ سے یہ روایت ہم تک پہونچی ہیں۔ کہ حضور ؐ نے اپنے ترکہ کی یہی نوعیت بیان فرمائی ہے اس فرمان مبارک کے ہوتے ہوئے کون شخص یہ تصور کر سکتا ہے کہ حضور ؐ کے خلفاء آپ کی چھوڑی ہوئی جائیداد کے بارے میں کوئی دوسرا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ ؟

وراثت کا معاملہ اور کچھ نہیں فہم کا ذرا سا ہیر پھیر ہے۔ جن املاک اور جائیداد کو قرآن نے نبی کریم صلعم کو بقدر ضرورت تصرف کرنے کا حق اور اجازت دی ہے وہ املاک اور جائداد جن فہم ناقص نے نبی کی جائیداد اور ملکیت سمجھ لیا ہے ۔ وہ تو نبی کی وراثت الی الورثاء کی طرف گئے ہیں جیسا کہ شیعوں کا خیال ہے۔ ہم اہل سنت والجماعت اس املاک اور جائیداد کو اللہ ہی کی ملکیت سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن سے معلوم ہے۔ نبی کو تو اللہ نے صرف اپنے ضرورت بھر اس میں سے لینے کی اجازت دی ہے اور یہ اس کا

احسان ہے نبی صلعم پر اگر یہ بقدر ضرورت تصرف کرنے کی اجازت اللہ اپنے رسول کو نہ دیتا تو رسول کیا کر سکتے تھے۔ شیعوں کا عقیدہ املاک پر نبی کی ملکیت کا سراسر غلط ہے اور حکم قرآن کے منافی ہے اور حضرت ابوبکرؓ کا فیصلہ حضرت فاطمہؓ کے دعوۂ میراث کے خلاف کرنا بالکل صحیح ہے۔ جو لوگ فدک فدک کا نعرہ بلند کرتے ہیں اور اس سے میراث ثابت کرتے ہیں جھک مارتے ہیں۔ خلفائے راشدین کو اسی بنا پر نعوذ باللہ غاصب کہتے ہیں ان کو نہ قرآن کی خبر ہے نہ حدیث نبوی سے سروکار وہ صرف نفس کے بندے ہیں۔

رسولؐ کا ارشاد مبارک ہے

" انی لا ادری ما بقائی فیکم فاقتدوا بالذین بعدی ابی بکر و عمر۔ " (مشکوٰۃ ص ۵۶۰)

ترجمہ " مجھے معلوم نہیں کہ میں تمہارے درمیان کتنی مدت رہونگا۔ پس تم ابوبکرؓ اور عمرؓ کی اقتدا کرنا جو میرے بعد ہوں گے۔

(یعنی یکے بعد دیگرے خلیفہ ہوں گے)

اور یہی وہ حدیث ہے جس کی بنا پر حضرت علیؓ نے اپنے دور خلافت میں ابوبکرؓ و عمرؓ کی اقتدا کرتے ہوئے باغ فدک اور دیگر جائداد کو رسولؐ کی میراث نہ سمجھ کر وراثت نہیں جاری کی حالانکہ اس وقت حضرت فاطمہؓ کی اولاد موجود تھی اور خود بھی اپنا حق شوہری لے سکتے تھے۔

آیئے اب اس مسئلہ کو شرعی حیثیت سے دیکھیں۔ تھوڑی دیر کے واسطے اگر مان بھی لیا جائے کہ نبی کا ترکہ ذاتی ملکیت ہوتی ہے اور اس میں وراثت چلتی ہے اور وہ تقسیم کی جا سکتی ہے تو شرعی نقطہ نگاہ سے اس کے

حقدار تین فریق ہو سکتے ہیں۔ ایک سیدہ فاطمہؓ دوسرے حضرت عباسؓ تیسرے جملہ ازواج مطہراتؓ۔ ان میں سے پہلے دو حضرات یعنی حضرت سیدہؓ اور حضرت عباسؓ نے حضرت ابو بکرؓ کے خلیفہ ہونے کے فوراً بعد۔ خیبر۔ فدک اور مدینہ طیبہ کی اس تمام جائداد کے متعلق جو جو حضور صلعم کے تصرف میں تھیں اپنا دعویٰ پیش کیا اور جائز وارث ہونے کی حیثیت سے اپنا حق طلب کیا۔اس کے جواب میں حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا:۔

"رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ ہماری وراثت جاری نہیں ہوتی جو کچھ ہم نے چھوڑا وہ صدقہ ہے۔ پھر صدیق اکبرؓ نے فرمایا میں کوئی ایسا کام نہ رہنے دوں گا جو حضور صلعم کرتے تھے اور میں نہ کروں۔ کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے آپؐ کے احکام میں سے کسی کو چھوڑ دیا تو گمراہ ہو جاؤں گا۔" (بخاری مسند احمد)

پھر فرمایا:۔

"مگر میں ان سب کی کفالت کروں گا جن کی کفالت رسولؐ اکرم فرماتے تھے، اور ان سب لوگوں پر خرچ کروں گا۔ جن پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خرچ فرمایا کرتے تھے۔" (ترمذی۔ مسند احمد)

مزید فرمایا:۔

"خدا کی قسم! میرے لئے اپنے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنے کی بہ نسبت رسولؐ اکرمؐ کے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنا زیادہ محبوب ہے۔" (بخاری)

جناب سیدہؓ اور حضرت عباسؓ سے حضرت ابو بکرؓ کی اس گفتگو کے متعلق جتنی مستند روایات ہم تک پہونچی ہیں ان میں سے کسی میں بھی یہ مذکور نہیں، کہ

سیدہ فاطمہؓ یا حضرت عباسؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے یہ بات سن کر جواب میں فرمایا ہو تا کہ آپ نبی صلعم کی طرف ایک غلط بات منسوب کر کے ہمکو ہمارے حق سے محروم کر رہے ہیں اور پھر اس فرمان کی زد میں خود خلیفہ کی بیٹی حضرت عائشہؓ اور عمرؓ کی بیٹی حضرت حفصہؓ کا مفاد بھی تو لپیٹ میں آرہا تھا۔ کیونکہ وہ بھی ابو بکرؓ کے اس فیصلہ کی بنا پر اپنے شوہر کی میراث سے محروم ہو رہی تھیں خلیفہ برحق نے آخر حضرت فاطمہؓ ہی کو کب اس قانون سے مستثنیٰ کیا اس کی زد میں تو بیٹی بھی محروم۔ چچا بھی محروم اور بیویاں بھی محروم۔

اب رہ گیا تیسرا فریق ازواج مطہراتؓ کا تو اس نے بھی ارادہ کیا تھا اور اس مقصد کے لئے عثمان غنیؓ کو اپنا نمائندہ بنا کر حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں بھیجنا چاہا تھا۔ کہ حضورؐ کے ترکہ سے آٹھویں حصہ کا مطالبہ کریں مگر حضرت عائشہؓ نے اس کی مخالفت کی اور تمام ازواج مطہراتؓ کو خطاب کر کے فرمایا۔

• کیا آپ اللہ سے نہیں ڈرتیں۔ کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ رسول اللہ اپنے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ ہماری وراثت جاری نہیں ہوتی۔ جو کچھ ہم نے چھوڑا وہ صدقہ ہے۔ محمدؐ کے اہل و عیال تو بس اس مال میں سے کھا سکتے ہیں[1]۔"

---

[1] اگر اس حدیث پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی دی ہوئی املاک کے پانچویں حصہ سے اللہ کے رسول کو اپنی زندگی میں بقدر ضرورت اپنے اوپر اور اپنے متعلقین کے اوپر خرچ کرنے کا مجاز اور یہ اجازت اللہ کی جانب سے تھی لیکن ان املاک کی ملکیت رسولؐ کے لئے نہیں ہے۔ ورنہ اللہ تعالے بقدر ضرورت کی قید نہ لگاتا۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ جب ہم ایک قطعہ آراضی کے مالک ہیں تو اس میں ہم جس طرح چاہیں تصرف

(باقی دوسرے صفحہ پر)

حضرت عائشہؓ کی یہ بات سن کر تمام ازواج مطہرات اپنے دعویٰ سے دست بردار ہوگئیں۔

شیعوں کی طرف سے ایک قصہ اس سلسلہ میں یہ مشہور کیا گیا ہے کہ

▪ فدک کے متعلق حضورؐ نے اپنی زندگی میں یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ وہ حضرت فاطمہؓ کو دیا جائے، اور جناب فاطمہؓ نے اسی بنا پر صدیق اکبرؓ سے اس کا مطالبہ کیا تھا اور شہادت میں حضرت علیؓ اور ام ایمنؓ کو پیش کیا تھا۔ لیکن صدیق اکبرؓ نے شہادت قبول نہ کی اور جائداد ان کے حوالہ کرنے سے انکار کر دیا۔

یہ محض لغویات ہے جس کا تذکرہ حدیث کی کسی مستند روایت میں مذکور نہیں البتہ بلاذری اور ابن سعد نے نقل کیا ہے مگر کسی قدر اضطراب کے ساتھ ابن سعد کی روایت ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے یہ بات خود حضورؐ سے نہیں سنی بلکہ ام ایمن سے سنی تھی۔

بلاذری کی روایت ہے کہ جناب سیدہؓ نے خود یہ دعویٰ کیا تھا کہ میرے

کریں، جتنا چاہیں خرچ کریں۔ جس کو چاہیں دیں۔ حتیٰ کہ بیع و ہبہ بھی کرنیکا اختیار ہے مگر قرآن ان تمام باتوں کا اختیار رسول کو نہیں دیتا۔ جو ایک مالک کو ہونا چاہیئے، وہاں تو ملکیت اللہ کی ہے انتفاع بقدر ضرورت بطور بخشش و انعام کا حکم ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ حضورؐ کی زندگی میں اس میں اہل وعیال کا بھی حق تھا۔ اب حضورؐ کے وصال کے بعد تمام املاک صدقہ کی صورت میں بیت المال کی تحویل میں آجائیں گی مگر حضورؐ کے اہل وعیال کی پرورش اور مصارف کا حکم اسی طرح جاری رہا جیسے حضورؐ کے وقت تھا مگر خلیفہ وقت کی نگرانی میں بیت المال سے پورا کیا جاتا رہیگا۔ چنانچہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں یہ طریقہ جاری رہا اور اہل وعیال کیلئے تمام مصارف دیئے جاتے رہے۔

حضرت فاطمہؓ بھی اس سے مستفیض ہوتی رہیں حضرت عباس بھی اور تمام ازواج مطہرات بھی حتیٰ کہ خلفائے راشدین کے بعد خلافت بنو امیہ اور عباسیہ میں بھی یہی عمل جاری رہا۔

والد نے فدک مجھے دیا ہے"۔

یہ تو ہے اس قصہ کی حیثیت باعتبار روایت کے اب قانونی حیثیت سے دیکھا جائے تو حضورؐ کا یہ فعل یا تو ہبہ ہو سکتا ہے یا وصیت۔

اگر ہبہ تھا تو وہ اسی صورت میں صحیح ہو سکتا ہے جب کہ حضور صلعم نے اپنی زندگی ہی میں فدک حضرت فاطمہؓ کو دیا ہوتا۔ اور اگر حضورؐ نے اپنی زندگی میں ہبہ کر دیا تھا تو اس بات کو خفیہ رکھنے کا راز حضور صلعم کا ہماری سمجھ سے باہر ہے یہ تو واقعہ کی بھی خلاف ہے کہ شے موہوب جب موہوب الیہ کی طرف منتقل کی جاتی ہے تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں یا تو وہ تحریری صورت میں ہوتی ہے یا اگر عمومی اعلان نہیں تو کم از کم اپنے گھر ہی کے افراد اور مخصوص احباب کے گوش گذار کر دیا جاتا ہے۔ کہ تم لوگ سن لو ہم اپنی فلاں چیز فلاں کو ہبہ کرتے ہیں۔ اور وہ ہی لوگ بعد انتقال موہوب الیہ کے گواہ ثابت ہوتے ہیں۔ اور یہ دونوں صورتیں بھی حضورؐ نے اختیار نہیں فرمائیں۔ ورنہ حضرت فاطمہؓ کے دعویٰ کے وقت گھر کا کوئی فرد یا حضورؐ کے احباب میں سے کوئی تو کہتا کہ ہاں مجھ سے یا میرے سامنے فدک کو نبی صلعم نے اپنی بیٹی فاطمہؓ کو دیدینے کا ذکر فرمایا تھا۔ اور یہ تو اللہ کے حکم قرآنی کے بھی خلاف ہے جو ایک نبی کبھی نہیں کر سکتا کہ۔

■ اے ایمان والو! جب تم کوئی معاملہ کرو تو اس کو لکھ لیا کرو، اور اس پر گواہ بنا لیا کرو۔"

اور اگر وصیت تھی تو قرآن مجید میں میراث کا قانون نازل ہو جانے کے بعد حضورؐ خود یہ اعلان فرما چکے تھے۔ کہ

• لا وصیۃ لوارث یعنی اب ترکے کی تقسیم کے معاملہ میں کسی

وارث کے حق میں وصیت نہیں کی جا سکتی ۔"

پھر یہ کیسے باور کیا جا سکتا کہ حضورؐ نے اپنے ہی اعلان کردہ قرآنی قانون کے خلاف دوسرے وارثوں کو چھوڑ کر ایک خاص وارث کے حق میں کوئی وصیت فرمائی ہوگی

اب ہم ایک اور پہلو پر نظر ڈال لیں کہ آیا حضورؐ سے یہ ممکن تھا کہ فدک سیدہ خاتون جنت کو دیدیں جب کہ اس وقت اسلام کی مالی حالت غیر تسلی بخش اور اسلام کی اشاعت اور غیر مسلموں کے حملوں وغیرہ کے لئے روپے کی سخت ضرورت تھی۔ ایسے وقت میں دین الٰہی کا پیغامبر اپنی بیٹی کو ۲۴ یا ۷۰ ہزار سالانہ آمدنی کی جائداد دیتے اور اسلام اور اہل اسلام کی مطلق پرواہ نہ کرتے ۔ فدک ہجرت کے ساتویں سال قبضہ میں آیا تھا۔ اور یہ وقت تھا جب مسلمانوں کو پیٹ بھر روٹی بھی میسر نہ تھی خود حضور اکرم صلعم متواتر فاقہ کر رہے تھے دشمن ہر طرف سے نرغہ میں لئے ہوئے تھے ۔ جہاد کی ضرورت ہر لمحہ درپیش تھی۔ آلات حرب کی ضرورتیں پوری نہ ہو سکتی تھیں۔ اور ایسے موقع پر اللہ کی طرف سے مسلمانوں کو ترغیب دی جاتی تھی کہ اپنا مال خدا کی راہ میں صرف کریں ۔

لوگ فاقہ کرتے ، بچوں کو بھوکا رکھتے اور اپنا مال فی سبیل اللہ رسولؐ کے سامنے لا کر رکھتے ، پھر بھی ضرورتیں پوری نہ ہوتیں تھیں۔ ایسے حالات میں یہ توقع رکھنا کہ حضورؐ نے ستر ہزار کی جائداد اشاعت دین اور جہاد فی سبیل اللہ سے قطع نظر کر کے اپنی بیٹی کو دیدی ہو۔ ایسا سمجھنے والے تو رسول اللہ کی صریح توہین کرنے والے ہیں۔ (نعوذ باللہ)

رسالت کا جو اصل مقصد ہے وہ پورا نہ ہو۔ اسلام کو ہر لمحہ خطرات کا سامنا ہو، جان نثاران ایک ایک پیسہ کو ترسیں اور رسول اللہ فدک ستر ہزار کی جائداد اپنی بیٹی کو دیدیں ، اور باقی تمام عزیز و اقارب کو محروم کر دیں۔ توبہ! توبہ!

اور پھر کیا سیدہ جیسی خاتونِ جنت بی بی اس کو روا رکھیں کہ تمام عزیز محروم رہیں وہ عزیز جن کی خدمت اور خلوص کا خدا معترف ہو۔ وہ خود اکیلی فدکؓ کی مالک بن جائیں۔

اگر فدکؓ کا مسئلہ صحیح سمجھ لیا جائے تو اسلام پر حرف آتا ہے۔ رسول اللہ کی شان ایسے رکیک فعل سے بہت ارفع و اعلیٰ تھی۔ کتب اہل تشیع بھی ثابت کر رہی ہیں۔ کہ غزوہ تبوک حضورؐ کا آخری غزوہ تھا۔ اور یہ وہ موقع ہے کہ افلاس و عسرت کی وجہ سے اس کا نام جیش العُسرۃ مشہور ہو گیا۔ ہر شخص اپنی اپنی حیثیت کے مطابق جو جس سے ہو سکا لے آیا۔ یہاں تک کھانے پینے کی چیزیں بھی حاضر کر دی گئیں۔ ابو عقیل انصاریؓ نے سوا سیر چھوارے پیش کئے اور یہ چھوارے رسولؐ نے سب سے اوپر رکھے۔

جن کے پاس کچھ بھی نہ تھا روتے ہوئے آئے اور عرض کیا: "اے خدا کے سچے رسول ہمارے پاس سوا ہماری جانوں کے کچھ نہیں ہے ہمیں سواری دیجئے کہ ہم آپ کے ساتھ چلیں"۔ اس پر سرورِ عالم صلعم نے فرمایا۔ "تم جو کچھ چاہتے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے" یہ لوگ آبدیدہ ہو گئے۔

المختصر تیس ہزار مسلمانوں میں صرف ایک ہزار سواریاں تھیں باقی سب کے سب پیدل خدا کی راہ میں جہاد کے لئے رواں ہوئے۔ یہ ابتدائی حالت نہ تھی بلکہ ہمیشہ حضورؐ کی مالی حالت ایسی ہی رہی۔

اہل تشیع کی مشہور کتاب کافی میں بھی درج ہے کہ انصار نے آپ سے عرض کیا

"یا رسول اللہ باہر سے قاصد آتے ہیں، آپ کے پاس کچھ نہیں۔ ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم کچھ خدمت کریں کیونکہ آپ کے اس افلاس پر دشمن ہنستے ہیں۔"

ان واقعات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم کی مالی حالت کیسی تھی اور مسلمان کس تکلیف کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ کیا ایسی حالت میں رسول اللہ کا یہ فعل کہ فدک جناب سیدہؑ کو دیدیں۔

جناب سیدہؑ کے چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں نشانات پڑ گئے ہیں، جناب علیؑ کے بدن میں مشکیں ڈھوتے ڈھوتے نشانات پڑ گئے ہیں۔ جناب سیدہؑ والد محترمؐ سے ایک خادم کا مطالبہ کرتی ہیں۔ اس پر حضورؐ فرماتے ہیں:

"میں تم کو وہ چیزیں نہ بتاؤں جو تم دونوں میاں بیوی کے حق میں خادم سے ہزار درجہ بہتر ہو۔ تم روزانہ یہ پڑھ لیا کرو۔ (یعنی تسبیح فاطمہ)"

اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلعم نے یہ نہ چاہا کہ اپنی اولاد یا عزیزوں کا درجہ عام مسلمانوں سے زیادہ کر دیں۔ درحقیقت وہ خلق خدا کو ایثار علی النفس سکھانے آئے تھے۔ کیا ایثار علی النفس کی تلقین کرنے والا ایسا کر سکتا ہے کہ فدک اپنی بیٹی کو دیدے۔

ضرارہ کافی میں امام باقرؑ سے روایت کرتے ہیں کہ "ایک موقع پر سیدہ خاتون جنت نے دو کنگن چاندی کے بنوائے اور ایک پردہ اپنے دروازہ پر لٹکایا۔ سرور عالمؐ سفر میں تھے جب آپ تشریف لائے تو سیدہ کے یہاں گئے۔ سیدہ خوش خوش رسولؐ اللہ کی طرف دوڑیں۔ رسولؐ اللہ ہاتھوں میں کنگن اور پردہ دیکھ کر بغیر تشریف رکھے واپس چلے گئے۔ سیدہؑ رونے لگیں اور اسی وقت حسنینؑ کو بلا کر ایک کنگن اور دوسرے کو پردہ دیکر فرمایا۔ جاؤ اور اپنے نانا سے کہو "آپ کی عدم موجودگی میں ہم نے یہ دونوں چیزیں بنوائی تھیں۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ یہ حاضر خدمت ہیں جو آپ چاہیں کریں۔ رسول اللہ صلعم نے دونوں بچوں کو بٹھلایا اور حکم

دیا کہ یہ دونوں کنگن توڑ دو اور اہل صفہ میں جن کا کوئی گھربار نہ تھا تقسیم فرمادیا۔ اور اسی طرح پردہ کو بھی حاجتمندوں میں تقسیم کر دیا۔ ان واقعات کے بعد کون ایسا شخص ہوگا۔ جو یہ یقین کرے کہ رسولؐ اللہ نے ستر ہزار کی جاگیر عوام الناس پر خرچ کرنے کے بجائے اپنی بیٹی کو ہبہ کر دی ہو۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے بعد مسئلہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں پیش ہوا۔ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ نے رسول اللہؐ کے ترکہ کا مسئلہ پیش کیا۔ انھوں نے خیبر اور فدک کو چھوڑ کر مدینہ والی جائداد دونوں حضرات کی تولیت میں اس شرط پر دیدی کہ وہ اس کی آمدنی انھیں مصارف پر صرف کریں جن پر حضورؐ صرف فرمایا کرتے تھے۔ لیکن اس کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے درمیان اس جائداد کے انتظام میں نزاع واقع ہوگی اور وہ اس قضیہ کو لیکر حضرت عمرؓ کے پاس پہونچے اس کا پورا واقعہ مالک بن اوس بن حدثان کے حوالے سے معتبر کتب حدیث میں درج ہے۔

مختصراً حضرت عمرؓ کا یہی جواب تھا۔ کہ اگر آپ چاہیں تو اس شرط پر یہ جائداد آپ کے حوالہ کر سکتا ہوں۔ کہ آپ اسی طرح عمل فرمائیں جسطرح حضورؐ اور ان کے بعد ابوبکرؓ عمل کرتے رہے ہیں اور آپ کو یہ منظور نہ ہو تو مجھ سے اس معاملہ میں بات نہ کیجئے۔ پھر فرمایا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں اس سے مختلف کوئی فیصلہ کر دوں تو اس خدا کی قسم جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں میں کوئی دوسرا فیصلہ نہ کرونگا۔ اگر آپ اس شرط پر عمل نہیں کر سکتے تو یہ جائداد میرے حوالہ کریں میں اسکا انتظام کروں گا۔

یہ ہے اس مسئلہ کی پوری تاریخ اور حقیقت جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں پیش آئی ان تمام واقعات کو دیکھ کر ہر شخص رائے قائم کر سکتا ہے جو کچھ ہوا وہ ظلم تھا یا غصب تھا یا حق اور انصاف اور رسول اللہ صلعم کے قول کے موافق تھا یا خلاف۔

دو باتیں اور ہیں وہ یہ کہ اصل بحث یہ تھی کہ اس جائداد کو حضورؐ کے بعد میراث میں تقسیم کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ یہ بحث نہ تھی کہ حضورؐ کے اہل وعیال اور قرابت داروں کو بیت المال سے نفقہ پانے کا حق ہے یا نہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ نے خود اپنی ذات اور اپنے خاندان والوں سے زیادہ رسول اللہ صلعم کے اہلبیت اور خاندان والوں کی خدمت کی ان کے حق کو دوسروں کے حق پر مقدم رکھا اور جو وظائف ان کے لئے جاری کئے وہ خیبر فدک اور مدینہ کی جائداد کے محاصل سے کہیں زیادہ تھے۔

دوسری بات جو سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے بلکہ فیصلہ کن ہے وہ یہ کہ خود حضرت علیؓ جب خلیفہ ہوئے تو انھوں نے بھی اس جائداد کو حضور صلعم کی میراث قرار دے کر وارثوں میں تقسیم نہیں کیا۔ بلکہ ابوبکرؓ اور عمرؓ کے فیصلہ کے بموجب اسے بدستور وقف فی سبیل اللہ ہی رہنے دیا۔ اور وظائف کا اجراء بدستور جاری رکھا۔

سوال یہ ہے۔ کہ اگر واقعی وہ جائدادیں میراث تھیں تو حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں رسول اللہؐ کے وارثوں کو کیوں محروم رکھا؟

شیخین رضی اللہ عنہما کے عدم تقسیم فدک پر ظلم اور غصب کا الزام لگانے کو کسی کا جی چاہتا ہے تو پھر اسے اتنا تو انصاف کرنا ہی چاہیئے۔ کہ جس جس نے اپنے اقتدار کے زمانہ میں اس کا ارتکاب کیا ہے ان سبھوں کو ظالم غاصب کے الفاظ سے یاد کرے ایک ہی فعل پر کسی کے حق میں ایک فیصلہ اور دوسرے کے حق میں دوسرا فیصلہ کرنا حق پرست آدمی کا کام نہیں۔ ظالم خود غرض اور متعصب کا کام ہے۔

واقعہ قرطاس

یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے قریب نمودار ہوا گو کہ اہلسنت کے یہاں اس واقعہ کا سرے ہی سے وجود نہیں ہے لیکن اہل تشیع نے اس بے بنیاد واقعہ کو اس قدر اچھالا کہ اہلسنت و اہل تشیع کے درمیان اختلافی مسئلہ بن گیا۔ اس واقعہ کی روایت صرف حضرت ابن عباسؓ سے منسوب ہے اور اسقدر ضعیف ہے کہ اس پر ایمان نہیں لایا جا سکتا، اور کسی دوسرے صحابی سے اس باب میں کوئی روایت نہیں ملتی۔

واقعہ کی حقیقت کیا ہے؟ سنیئے!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے چار روز قبل علالت کے دوران فرمایا کہ

"قلم دوات لاؤ میں تمہارے لئے کچھ لکھدوں تاکہ میرے بعد تم گمراہ نہ ہو۔"

اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

"حضور سخت تکلیف میں ہیں ہمارے پاس قرآن موجود ہے جو

ہماری ہدایت کے لئے کافی ہے۔"

اس پر اختلاف ہوگیا بعض حضرات نے کہا کہ سامان کتابت حضورؐ کو دیدینا چاہیے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو تحریر کرانا چاہتے ہیں کرادیں تاکہ ہم بعد میں گمراہ نہ ہوسکیں۔ بعض حضرات نے حضرت عمرؓ کے خیال کی تصدیق کی بعض حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست دریافت کرنے کا مشورہ دیا۔ ابھی اسی طرح کی بحث ہو رہی تھی کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں جس حال میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو۔ میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔ میرے پاس جھگڑا کرنا ٹھیک نہیں۔"

یہ ہے کل واقعہ جس میں کذابوں اور موقعہ پرستوں نے اپنی طرف سے باتیں منسوب کرکے پہلے تو اس کو اپنے مفاد کے لئے وضع کیا پھر حضرت ابن عباسؓ کے کاندھوں پر سارا بوجھ ڈال کر الگ کھڑے ہوگئے۔ اسے کہتے ہیں "گھر پھونک تماشہ دیکھنا"۔ ظلم یہ ہے کہ حضرت ابن عباس اس وقت تیرہ برس کے بچے تھے ان کی روایت کا اوّل تو دوسرے صحابہ کرام کے مقابلہ میں کوئی وزن ہی نہیں ہوسکتا۔ دوسرے یہ کہ وہ خود بھی اس واقعہ کے وقت موقع پر موجود نہیں تھے اسی ایک امر ہی کی وجہ سے روایت کی اہمیت کیا باقی رہ جاتی ہے۔ جو صحابہ کرام حضورؐ کی بیماری کے وقت موجود تھے یقیناً انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بخوبی سنا ہوگا۔ کہ

"قلم دوات لے آؤ۔ الخ"

تو بکثرت صحابہ سے یہ روایت ثابت ہونی چاہیئے تھی۔ بکثرت نہ سہی دو چار ہی سے اس کی بابت سند ہوتی۔ لیکن تمام صحابہ اس بارے میں خاموش ہیں حتیٰ کہ

حضرت علیؓ بھی جو اس وقت موجود تھے۔ یعنی جو صحابہ موجود تھے۔ ان سے تو کوئی روایت نہیں البتہ جو حاضر نہیں تھے اور وہ بھی ۱۲ برس کے بچے ان کی روایت مستند تسلیم کر لی جائے۔ لہذا اس روایت کے غلط ہونے پر اس سے زیادہ محکم دلیل اور کیا ہو سکتی ہے۔

بالفرض محال اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قلم و دوات طلب کیا تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے منع کر دیا۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی اور نے کیوں قلم دوات پیش نہیں کر دیا۔ حضرت فاطمہؓ ہی اپنے والد کے اس حکم پر عمل فرماتیں۔ حضرت علیؓ ہی آگے بڑھتے۔ آنحضرت کے چچا حضرت عباسؓ ہی اٹھتے اور حکم کی تعمیل کرتے۔ ان کے علاوہ اور متعدد اصحاب جو اس وقت موجود تھے وہی ارشاد نبویؐ پر لبیک کہتے۔

غور تو کیجئے کذابوں نے یہ من گھڑت روایت تو وضع کر دی۔ لیکن اس الزام سے صرف صحابہ کرام ہی نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس بھی مجروح ہوتی ہے۔ نعوذ باللہ سرور کونین ہادی برحق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی حکم دیں اور اصحاب رسولؐ اس سے روگردانی یا حکم عدولی کے مرتکب ہوں۔ جبکہ شہنشاہ دو جہاںؐ ابھی حیات ہیں۔ صحابہ کرام چاروں طرف ایستادہ ہیں۔ اچانک کوئی حکم لسان مبارک سے صادر ہوتا ہے تو کیا خیال ہے کسی میں اتنی جرأت اور مجال ہے کہ وہ فرمانِ نبوی کو نظر انداز کر دے۔ کیا حضورؐ اس وصیت کو زبانی نہیں فرما سکتے تھے۔ جبکہ اس دوران حضورؐ اور بہت سی وصیتیں زبانی فرماتے ہے۔ یہ بھی اگر زبانی فرما دیتے تو کون تھا جو آپؐ کو حکم دینے سے روکتا یا اس حکم پر عمل نہ کرتا۔؟ اس سے تو یہی گمان ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ حضورؐ کو کوئی ڈر تھا یا کسی سے خوف تھا کہ وہ اس وصیت کو زبان پر نہ لا سکے؟ الیسلسلہ

اور کسی کا ہو تو ہو سنیوں کا رسول ایسا نہیں ہے۔ سنیوں کا رسولؐ تو ہمیشہ حق کہتا ہے اور اعلانیہ کہتا ہے۔ کوئی وصیت، کوئی حکم چپکے سے کان میں نہیں کہتا۔ بلکہ مسجد نبوی میں ممبر پر بھرے مجمع میں حکم صادر کرتا ہے۔

اگر کسی کا خیال ہے کہ حضورؐ اس وقت حضرت علی کو خلیفہ بنانے کی وصیت لکھوانا چاہتے تھے تو وہ تحریری کیا زبانی بھی فرما سکتے تھے کیونکہ حضورؐ کے تمام حکم اور ہدایات جو انھوں نے صحابہ کرام کو دیئے وہ سب زبانی تھے۔ تحریراً بطور سند ریکارڈ میں نہیں تھے، اور کوئی مثال ایسی نہیں ہے کہ صحابہ کرامؓ نے حضورؐ کے دیئے ہوئے کسی زبانی حکم کو کالعدم یا نفی قرار دیا ہو۔ بلکہ ہمیشہ ہی اس پر عمل کیا، اور وہ عمل ہم تک پہنچا۔ پھر حضرت علیؓ کے خلیفہ بنانے کے لئے باضابطہ تحریر کی کیا ضرورت تھی۔ ؟

اور اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ اس وقت حضورؐ کسی مصلحت کی بنا پر اس کا اعلان نہیں کرنا چاہتے تھے تو جان لو کہ اس واقعہ کے چار دن بعد تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حیات رہے ان ایام میں کسی بھی وقت قلم دوات منگوا کر جو کچھ لکھوانا تھا لکھوا دیتے یا جو کچھ فرمانا تھا فرما دیتے' ان دنوں میں مرض کی شدت بھی یکساں نہیں رہی تھی اور اس دوران وہ تمام حضرات آپ کے پاس بیٹھے بھی نہیں رہے جو جمعرات کے دن اس وقت موجود تھے۔ اس دوران آپؐ مسجد نبوی بھی تشریف لے گئے۔ اور صحابہ کرام سے خطاب بھی فرمایا۔ لہٰذا اگر کوئی بات ضبط تحریر میں لانے کے لائق ہوتی تو حضورؐ یقیناً اہلبیت ہی سے یا اور کاتبان وحی سے ضرور لکھوا لیتے۔ حالانکہ اس سے حضرت عمرؓ کے موقف کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ کہ حضورؐ شدت مرض میں امت کی فلاح کے لئے فکر مند ہیں۔ لہٰذا اس موقع پر قلم دوات لانے کے بجائے حضورؐ کو یہ اطمینان دلایا جائے کہ آپ ہمارے لئے پریشان نہ ہوں۔ آپ امت کو وہ کتاب دے

رہے ہیں۔ جو انشاء اللہ کبھی گمراہ نہ ہونے دے گی۔

اب اگر کوئی کہتا ہے کہ یہ روایت بخاری و مسلم میں موجود ہے تو اس شبہ کا بڑا معقول جواب علامہ شبلی نے دیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"بخاری و مسلم کی کسی راوی کی نسبت یہ شبہ کرنا کہ وہ واقعہ کی پوری ہیئت محفوظ نہ رکھ سکا۔ اس سے کہیں زیادہ آسان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت (نعوذ باللہ) ہذیان اور حضرت عمرؓ کی نسبت گستاخی کا الزام لگایا جائے"

اگر اس واقعہ کو صحیح تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبرؓ کے حق میں خلافت کی تحریری وصیت کرنا چاہتے تھے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں صاف تصریح ہے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے اپنی (آخری) بیماری میں مجھ سے یہ فرمایا کہ اپنے باپ ابوبکرؓ کو اور اپنے بھائی کو بلاؤ، تاکہ میں ان کی موجودگی میں ایک تحریر لکھ دوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی خواہش کرنے والا خواہش کرے اور کوئی کہنے والا کہے کہ میں زیادہ حقدار ہوں۔ مگر اللہ اور مومنین سوائے ابوبکرؓ کے اور کسی کو منظور نہیں کریں گے۔"

بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ اگر صدیق اکبرؓ کے علاوہ اور کسی کو خلافت ملجاتی تو امت کا کیا حشر ہوتا، اور کیسا عظیم فتنہ اٹھ کھڑا ہوتا۔

اس سلسلہ میں حضرت علیؓ کی بھی ایک روایت سن لیجئے۔ فرماتے ہیں:۔

"مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ شانے کی ایک ہڈی لے آؤں تاکہ آپ اس میں ایک چیز لکھ دیں۔ جس سے آپ کی امت آپ کے بعد گمراہ نہ ہونے پائے۔ مجھ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں

اس کے لاتے لاتے آپؐ کی وفات نہ ہو جائے اس لئے میں نے عرض کیا آپؐ فرمائیں میں یاد رکھوں گا۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا میں وصیت کرتا ہوں نماز اور زکواۃ کی پابندی کرنے کی اور ان غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی جو تمہاری ملک میں ہوں۔"

یہ ہے اصل واقعہ کی تحقیق۔ اب بھی اگر کوئی یہ فرسودہ خیال ذہن میں رکھتا ہے کہ حضورؐ حضرت علیؓ کی خلافت کی وصیت کرنا چاہتے تھے تو انشاءاللہ قیامت تک وہ اس کو ثابت نہیں کر سکیں گے۔

حرفِ آخر

ظفر صاحب کا بے مثال کارنامہ صحابہ کرامؓ خصوصاً خلفاء ثلاثہ پر تنقید نگاری ہی نہیں بلکہ تنقیص نگاری بھی ہے۔

ظفر صاحب! آپ نے اپنی نسل و خاندان پر احسان تو کیا تخریب و تعصب کی تخم ریزی فرمائی ہے۔ حالانکہ ان بزرگ ترین ہستیوں کے اوصاف حسنہ سے تعمیری پہلو اپنا کر اس وسیع شاہراہ پر اپنے اہل خاندان کو بخوبی گامزن کر سکتے تھے۔ جو واقعی رہتی دنیا تک صدقہ جاریہ کی حیثیت رکھتا۔

اس سنگلاخ زمین پر آپ کے نحیف نوک قلم نے حنظل تو پیدا کر دیئے لیکن ایسی فصل کی امید باقی نہیں رہی جس سے آنیوالی نسل منتفع ہو کر ذوق تحریر کے لئے اور بھی میدان تھے کاش اس قسم کی قرطاس و قلم کی سیاہی سے نسل و خاندان کی دلآزاری فرما کر داغدار نہ فرماتے تو یقیناً آپ کا بڑا احسان ہوتا۔

سید المرسلین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت

پر جو دلائل قرآن مبین نے قائم فرمائے ہیں۔ ان میں اکثر مقامات پر بہت روشن عام فہم اور موثر دلائل حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان رفیعہ اور کمال جلیلہ کی بے مثال تذکرے ہیں۔ جس شخص کو قرآن مجید سے ذرا بھی تعلق ہے اس پر یہ حقیقت روشن اور واضح ہے۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ جس شخص کے دل میں حضرات صحابہ کرام کی محبت وعظمت جتنی زیادہ ہوتی ہے۔ اسی قدر اس کا ایمان بھی زیادہ قوی ہوتا ہے۔ اور برعکس صورت میں نتیجہ بھی برعکس ہوتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ظفر صاحب نے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے باہمی تعلقات اور دیگر صحابہ کرامؓ کی ذوات ارفع کو جس صورت سے پیش کیا ہے کیا وہ لائق تحسین ہے؟ جگہ جگہ ان کا لہجہ جس طرح درشت اور قلم جس قدر بیباک و شوخ ہے وہ امت مسلمہ کے متفقہ بنیادی عقیدہ میں زلزلہ پیدا کر دینے کے مترادف ہے۔ قلم کی آوارہ خرامی ملاحظہ ہو۔

"معاویہ کا منتہائے نظر کچھ اور تھا۔ بیعت خلافت تو دل بہلاوے کی چیزیں تھیں"

دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

"اہلبیت میت رسول کے گرد جمع تھے۔ کہ خلافت کا معاملہ طے ہو گیا، اور حضرت ابوبکرؓ کے خلیفہ ہونے کا اعلان ہو گیا حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ پھر عثمانؓ کے بعد دیگرے خلیفہ ہوتے رہے، اور اہلبیت اس حق سے محروم رہے"

بے باکی کی حد ہو گئی۔ کہ آغوش نبوت میں بیٹھنے والے یہ صحابی جن کی

خلافت کو دل بہلانے سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔

حضرت عکرمہؓ بن ابو جہل۔ حارثؓ بن ہشام۔ حکیمؓ بن حزام وغیرہ طلقاء ومسلمۃ الفتح میں شامل تھے۔ مگر بعد میں کیسے قوی الایمان ثابت ہوئے۔ حالانکہ ان میں سے عکرمہؓ اور حارث جنگ احد وخندق میں آنحضرتؐ کے مقابل آئے تھے۔

لیکن حضرت معاویہؓ نے کبھی بھول کر بھی لساناً وسناناً حضور صلعم کا مقابلہ حالت کفر میں کیا ہو تاریخ اس معاملہ میں خاموش ہے پھر بھی ان کو ضعیف الایمان کہنا انصاف کا خون کرنا نہیں تو کیا ہے۔ آبائی مذہب کو ترک کر کے اس وقت جبکہ ان کے والد حضرت ابو سفیانؓ سردار قریش کی حیثیت سے مسلمانوں سے برسر پیکار تھے۔ اپنے باپ کی روش سے ہٹ کر اسلام قبول کرنا معاویہؓ کے صادق الایمان ہونے کا بین ثبوت نہیں ہے؟

اسلام لانے کے بعد پھر وفات نبوی صلعم تک حضورؐ کے ساتھ رہے حنین اور طائف کے غزوات میں حضورؐ کے ساتھ رہے۔ اللہ کے رسولؐ کے نزدیک وہ اس درجہ قوی الایمان، صادق وامین تھے کہ وحی الٰہی کی کتابت ان کے سپرد کی گئی۔ اور حضورؐ کے فیض صحبت سے تھوڑے ہی عرصہ میں وہ سب کچھ حاصل کر لیا۔ جو دوسروں کو برسوں میں بھی حاصل نہ ہو سکا چنانچہ حضورؐ نے تعلیم قرآن اور تبلیغ دین کے لئے ان ہی کو منتخب کیا اور حضرت وائل بن حجرؓ کے ساتھ حضر موت کے مقام پر بھیجا۔

• اور آنحضرت صلعم نے وائل بن حجرؓ کے ساتھ معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کو بھیجا کہ ان کی قوم کو قرآن اور اسلام کی تعلیم دیں"

اب غور فرمائیے جن کو حضور قرآن کی تعلیم اور اسلام کی تبلیغ پر مامور فرمائیں اور شرف کتابت وحی بخشیں ان کے ایمان پر شک کرنا کیا حضور کی تعلیم اور رسالت پر شک نہیں ہے ایک طرف ہماری عقیدت کا یہ عالم ہے دوسری طرف حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو حضرت علیؓ کے جان نثار چچیرے بھائی تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ کی یوں توصیف فرماتے ہیں۔

"وہ اپنے پوشیدہ اسرار سے بلند ہوا، اور اپنے اظہار سے اس نے غلبہ پایا۔ اظہار کے ذریعہ اسرار تک پہونچا اور اسے پالیا اس کا حلم اس کے غضب پر غالب ہے اور سخاوت بخل پر صلہ رحمی کرتا ہے قطع رحم نہیں کرتا۔ ملاتا ہے، جدا نہیں کرتا۔ لہٰذا اس کے سب معاملات درست رہے اور وہ اپنی انتہا کو پہونچ گیا۔"

اس پر بھی اگر دلوں میں حسد کی آگ اور ذہنوں میں تعصب کے لاوے نے مہریں لگا رکھی ہیں تو بجائے اس کے کہ ہم جلیلۃ القدر صحابہ کے ایمانوں کو اپنی عصبیت کی ترازو میں تولیں اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیئے۔

جس طرح حضرت علیؓ آنحضرتؐ کے تربیت کردہ آپ کے چچازاد بھائی اور داماد تھے، اسی طرح حضرت معاویہؓ بھی آنحضرت صلعم کے کاتب وحی آپ کے دوست قریشی آپ کے سالے یعنی ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کے بھائی اور نبی کریمؐ کے صحابی تھے۔ حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہ رضؓ ایک ہی خاندان بنو عبدمناف کے ممتاز فرد تھے۔ حضرت علیؓ کے دادا عبدالمطلب اور حضرت معاویہ رضؓ کے دادا حرب رشتہ میں چچا بھتیجے تھے۔

ان دونوں حضرات یعنی حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ میں جنگ کیوں ہوئی۔ پھر عمروؓ بن العاص۔ طلحہؓ و زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ وغیرہ صحابیوں

کی ایک معقول تعداد نے ان آپس کی مخالفتوں اور لڑائی جھگڑوں میں کیوں حصّہ لیا۔

بظاہر ان حضرات کی اور آج کل کے دنیاداروں کی لڑائیوں میں کچھ فرق نظر نہیں آتا۔ اس سے یہ نہ تسلیم کر لیا جائے کہ ان حضرات پر صحبت نبویؐ کا بالکل اثر نہیں تھا۔ اس خدشہ کا جواب صرف یہ ہے۔

کہ ہر صحابی نجم ہدایت ہے اور رسول صلعم کی زندگی بھر کی تعلیم و تربیت کا یقینًا ان سب پر اثر ہوا جو ہونا چاہیئے تھا۔

اب یہ ہماری تنگ نظری اور کوتاہ اندیشی ہے کہ ہمارے قلوب اس قسم کے شکوک و شبہات سے پُر اور ایمان اس درجہ کمزور ہیں کہ اس مقدس جماعت کو بھی ہدف مطاعن بناتے ہیں۔ جن پر خود ذات باری نے اعتماد کر کے اپنی مرضیات کی سند عطا فرمائی اور جن کو اللہ کے نبی نے اپنا اولین مخاطب و معتمد بنایا۔

صحابہ کرام کے مشاجرات درحقیقت خدا تعالےٰ کی طرف سے شریعت کی حفاظت کا ایک سامان تھا۔ اور حضور صلعم کا یہ ارشاد اختلاف اُمتی رحمۃ ایک باب تھا حق و حکمت کا۔ لیکن ہم نے رحمت کو زحمت بنا لیا۔ بجائے اس کے کہ یہ اختلاف امت بصیرت اندوز اور عبرت آموز ہوتے الٹا گمراہی اور بے راہ روی میں مبتلا ہو گئے۔

حضرت علیؓ حضرت معاویہؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ کے اختلافات ان کے اجتہاد پر مبنی تھے انہیں سے اگر کسی سے غلطی ہوئی تو اول ہم اصلاح کرنیوالے کون دوسرے وہ اجتہادی غلطی تھی۔ بدنیتی اور نفسانیت کو دخل نہ تھا۔ کیا کوئی مسلمان یہ باور کر سکتا ہے کہ ان حضرات نے دیدہ و دانستہ شریعت اسلام خداوندی احکام، اور فرمان نبویؐ کو پس پشت ڈال کر آپس کی چپقلش اور مخالفت

کا ارتکاب کیا ہوگا۔

حضرت علیؓ نے جو کچھ کیا حق سمجھ کر کیا، حضرت معاویہؓ نے جو کچھ کیا اسے حق سمجھ کر کیا یہی حالت دوسرے صحابہ کرامؓ کی تھی قرآن اور سنت نبویؐ کے مطابق جس کو جس نے حق پر سمجھا، اسی کا حامی بن گیا۔ بہرحال ان حضرات کے قلوب پر اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ کا جذبہ حاوی تھا اور محبت و رافت بغض و عداوت میں نفسانیت سے یکلخت ہٹ کر للہیت کا رنگ غالب تھا۔

دراصل اس قسم کے اندرونی جھگڑے پیدا کر کے ایک جماعت تو ان کاموں میں مصروف ہوگئی اور دوسری جماعت آپس کے ان تنازعات سے بد دل ہو کر حکومت و سلطنت سے بے تعلقی پیدا کر کے گوشہ نشینی پر مجبور ہوگئی۔ حالانکہ ایک وہ زمانہ تھا۔ جب صحابہؓ کی نگاہیں میدان کارزار اور فتوحات ملکی کی طرف لگی رہتی تھیں۔ مدینہ منورہ ایک فوجی کیمپ بنا ہوا تھا۔ بڑے بڑے مدبر جنگی پالیسی بنانے میں مصروف نظر آتے تھے جو لوگ درس شریعت دیتے رموز قرآنی سمجھاتے وہ اپنے سینوں کو نیزوں کی انی کے مقابلہ میں سپر بنانے میں مشغول ہو جاتے تھے۔

اب خلافت عثمانؓ کا دور شروع ہوا، اسلام تمام دنیا میں ایک غالب مذہب تسلیم کر لیا گیا اب ضرورت اس امر کی تھی کہ اسلام کا مکمل نظام اور شریعت کے تمام پہلو محفوظ ہو جائیں۔ صحابہ کرامؓ ایک ایسی جماعت تیار کر سکیں۔ جو ان کے بعد اوروں کو تعلیم دے سکے اور یہ سلسلہ آئندہ جاری رہ کر اسلام کی حفاظت کا موجب ہو۔

اب ملاحظہ فرمائیے مالک کو مین رہتی دنیا تک اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ۔ اور اپنے نبی آخر الزماں کی ۶۳ سالہ زندگی کے اقوال و افعال

کی حفاظت کس طرح فرماتا ہے۔

عبداللہ بن سبا اور اس کے متبع مسلم نما یہودیوں کی ایک جماعت پیدا کر کے حضرت عثمانؓ کی شہادت جنگ جمل اور صفین کے سامان مہیا کر تا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے صحابیؓ جو میدان جنگ میں اپنی عاقبت سنوارا کرتے تھے۔ اپنی اپنی کمانوں اور تلواروں کو توڑ کر گھروں میں آبیٹھے اور سپہ سالاری کے کام سے فارغ ہو کر معلمی کے کام میں مصروف ہو گئے۔ جیسے سعد بن ابی وقاصؓ فاتح ایران اور جن کی سپہ سالاری میں قادسیہ کا خون ریز میدان مسلمانوںؓ کے ہاتھ رہا تھا اندرونی اختلاف کے وقت اپنے لئے گمنامی کی زندگی پسند کی اور اونٹ بکریوں کے ریوڑ کی نگہبانی میں مصروف ہو گئے۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ وہ شخص ہیں جن کو خلیفہ وقت تسلیم کرنے کے لئے تمام عالم اسلام متفق تھا لیکن اندرونی جھگڑوں نے ان کو بھی گوشہ نشینی پر مجبور کر دیا۔ مدینہ منورہ جو دارالخلافہ تھا جب خدائے تعالےٰ نے صحابہ کرام سے تعلیم اسلام کا کام لینا چاہا تو مدینہ منورہ سے مرکز خلافت ہٹا دیا اور مدینہ جو پہلے جنگی طاقت کا مرکز اور فوجی کیمپ تھا۔ ایک دارالعلوم کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔

غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ حدیث و فقہ و تفسیر کا تمام تر مواد صرف اسی زمانہ کا رہین منت ہے جس زمانہ میں بعض صحابہ کرام کے درمیان مشاجرات برپا تھے۔ اگر یہ مشاجرات برپا نہ ہوتے اور حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان معرکہ آرائیاں نہ ہوتیں تو ہم آج شریعت اسلام کے ایک بڑے اور ضروری حصہ سے محروم ہوتے۔

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان اختلافات پیدا ہوئے اور ہر حکومت میں پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں اور جس صورت سے اس کا ظہور ہوتا

ہے وہ بھی ہم سب جانتے ہیں۔ چالاکیوں۔ ریشہ دوانیوں اور فریب کاریوں کے واقعات سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ لیکن جب ہم حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے اختلافات کی روداد سامنے رکھتے ہیں تو ہم اپنے ہی لئے ان کو اعلیٰ ترین راہ عمل تجویز کرنے میں کامیاب نہیں ہوتے بلکہ ہر لاتسبّوا اصحابی پر عمل کرنے والا اور اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم پر یقین کرنے والے کے لئے مشعل ہدایت ثابت ہوتا ہے۔ یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ ہم صحابہ کرام کی اجتہادی غلطیوں کو اپنے لئے موجب عبرت و بصیرت اور باعثِ خیر و نفع بناتے الٹا اپنی لاعلمی، تعصب اور درندگی سے شر بنا بیٹھے۔ خلافت بنوامیہ کا دور مدار استدلال قرآن وحدیث کے سوا اور کچھ نہ تھا کتاب اللہ اور سنت کے سوا کسی اور استدلال کو قاضی سمجھتا ہی نہ تھا لیکن لبعد میں اتنے فرقے پیدا ہوگئے کہ جنہوں نے کتاب و سنت کو پس پشت ڈال کر اماموں کی پیروی کو کافی سمجھا اور اس کے لئے احادیث منشا اور مقصد کے سانچے میں ڈھال لی گئیں۔

حقیقت یہ ہے کہ خلفاء ثلاثہؓ کے بعد صرف بنوامیہ کے عہد میں سارا عالم اسلام ایک جھنڈے کے زیرنگیں رہا۔ ایک ہی مرکزی حکومت کام کرتی رہی۔ لیکن جیسے ہی حکومت کی باگ ڈور بنوعباس کے ہاتھوں میں گئی۔ مشرق و مغرب میں مرکز گریز طاقتوں نے فوراً آزاد حکومتیں قائم کرلیں اور وہ اتحاد جو ترقی و سربلندی کی ضمانت تھا پارہ پارہ ہوگیا۔ خلافت بنوامیہ ہی نے خلفائے ثلاثہ کی فتوحات کو وسعت دے کر مشرق و مغرب میں دور دور تک پھیلا دیا۔ انھیں کے زمانہ میں سمندروں کے دور دراز جزیروں براعظم افریقہ کے ریگستانوں اور پاک و ہند کے میدانوں حتیٰ کہ چین و بخارا تک اسلام پہونچا۔ لیکن

بنوامیہ کے بعد مسلمانوں کو فتوحات ملکی کا بہت ہی کم موقع ملا۔ گویا ملک گیری امیہ نے ختم کر دی اور جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ بھی کم ہو گیا۔ اس کے بعد ملک داری باقی رہ گئی۔ امیہ کے بعد اسلامی مرکز ایک رہا اور نہ وحدت باقی رہی۔ جہاد کی قدر و قیمت کے انحطاط کی ابتدا دور عباسیہ کا زمانہ ہے اور آج بالکل مفقود ہے۔ شعر

مٹتے مٹتے اثر صدق و وفا کچھ نہ رہا
آخری دور میں تلچھٹ کے سوا کچھ نہ رہا

دراصل بنو عباس شروع ہی سے اہل عرب کے مخالف اور نو مسلم ایرانیوں کے ہمدرد تھے۔ سفاح سے لیکر ماموں الرشید تک بجز ایک مہدی کے ہر ایک خلیفہ نے عربوں کی طاقت کو گھٹایا اور مجوسی النسل لوگوں کو ابھار کر آگے بڑھایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خاندان عباسیہ کو بنوامیہ کے فتوحات کے دائرے سے آگے قدم رکھنا نصیب نہ ہوا۔ اور دن بدن ان کی حکومت کا رقبہ محدود ہی ہوتا چلا گیا۔ اور یہی مجوسی خلفاء عباسیہ کے لئے مشکلات کا باعث بنے رہے۔

خلافت بنی امیہ کا ۹۱ سالہ دور تاریخ اسلام کا ایک درخشاں تاریخی دور رہا ہے۔ جس میں ہمیں حاکموں کی غیر معمولی صلاحتیں اور ایک ابھرتی ہوئی قوم کی بے مثال حوصلہ مندیاں دکھائی دیتی ہیں۔ اسلامی حکومت کی وسعت اتنی تیزی اور اس قدر منظم طور پر بڑھتی ہوئی دکھائی دیتی ہے کہ پوری تاریخ انسانی اس کے مقابلہ میں کوئی دوسری مثال پیش کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی۔

اس دور میں اسلامی حکومت کی سرحدیں ایک طرف یورپ میں ملک فرانس کے اندر تک ہیں تو ایشیا میں لاہور کے قریب تک۔ ملک چین کے اندرونی حصہ نکہ دیوار چین کے قریب سے شروع ہو کر نار تھ روڈیشیا تک پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ سارا علاقہ ایک ہی مرکز دمشق کے ماتحت تھا۔ اسی دور میں بحری بیڑے بنے۔ طلباء کی

تعلیم اور نرس کی تربیت کے لئے کالج قائم ہوئے۔ ڈاکخانوں کی تنظیم ہوئی۔ کاغذ سازی کی صنعت کو فروغ حاصل ہوا۔ خط دیوانی ایجاد ہوا۔ طبیعات اور کیمیا کے لئے حضرت معاویہؓ کے پوتے خالد بن یزیدؒ نے تجربہ خانے قائم کئے۔ عربی زبان کے قواعد اسی دور میں مرتب ہوئے۔ قرآن مجید میں اعراب لگائے گئے۔

▪ یہ ہے بنوامیہ کا درخشاں دور جس کو میں نے مختصراً بیان کیا ہے مگر مخالفین معاویہؓ اور معاندین خلافت بنوامیہ کو ایک آنکھ نہیں بھایا۔

ہاں اس دور میں ایک دردناک واقعہ بھی ہوا ہے لیکن جیسے صحت مند نوجوان سپاہی کے قدم راستہ کی ٹھوکروں سے رک نہیں پاتے۔ ایک ابھرتی ہوئی قوم کی حوصلہ مندیوں پر ان آلام ومصائب کا کوئی اثر نہیں پڑ سکا جو قدم اٹھتا تھا سربلندی اور حوصلہ مندی کی طرف اٹھتا تھا۔

امیہ دور میں صرف شہادت حسینؓ کا واقعہ یقیناً دردناک واقعہ ہے۔ لیکن اس کو کیا کہیں کہ حسینؓ کو خود شیعانِ علی اہالیان کوفہ نے شہید کیا، اور الزام یزید مرحوم پر رکھ دیا۔ کیونکہ انھوں نے یزید کی بیعت قبول کر لی تھی یا بیعت پر راضی ہو گئے تھے، اور یہی چیز کوفی شیعان علی کو ناگوار ہوئی جو شہادت کا باعث بنی۔

حضرت حسینؓ کو مکہ سے کوفہ لانے کے لئے ساٹھ کوفی گئے تھے اور وہ سب حضرت حسینؓ کو ساتھ لئے آرہے تھے۔ (البدایہ والنہایہ ۸ صفحہ ۱۶۵)

جب راہ میں قتل مسلم اور بیوفائی اہل کوفہ شیعان علی کی خبر ملی اور حضرت حسینؓ نے مکہ واپس جانے کا ارادہ کیا تو پھر کون سی وجہ ہوئی کہ وہ کوفہ ہی کی طرف چلے مکہ واپس نہ ہوئے؟ ابن زیاد کے تسلط کی خبر مل چکی تھی تو اب مسلم بن عقیل کے خون کا بدلہ لینے کے لئے کیا ان ساٹھ نفر کوفیوں کے بھروسہ پر وہ کوفہ چلے گئے ہوں گے؟

میں سمجھتا ہوں کہ قتل مسلم اور بیوفائی شیعان علی کوفی کی خبر حضرت حسینؓ کو کربلا ہی کے مقام پر ملی ہو گی اسی لئے وہ وہیں رُک گئے اور واپسی کا ارادہ کر دیا۔ لیکن ان کے ساتھی کوفیوں نے راستہ روک دیا۔

ابن زیاد اور عمرو بن سعد کو حضرت حسینؓ کے کوفہ آنے کی اطلاع مل تھی جب ان دونوں کو یہ معلوم ہوا کہ وہ کربلا میں رُکے ہوئے ہیں تو عمرو بن سعدؓ خود وہاں پہنچے اور حضرت حسینؓ سے ملے اور باتیں کیں (طبری ج۶ صفحہ ۲۳۵)

تین بار حضرت حسینؓ اور ابن سعد میں ملاقاتیں ہوئیں۔ حضرت حسینؓ نے تین باتیں پیش کیں۔ لہذا ابن سعد نے ایک خط ابن زیاد کے پاس روانہ کیا کہ حضرت حسینؓ تینوں باتوں پر راضی ہیں۔ چنانچہ اس خط کا آغاز یوں تھا۔

" فتنہ کی آگ اللہ نے بجھادی اور اس امت کے کام کو درست کر دیا حسینؓ نے یہ تین باتیں پیش کی ہیں:۔

۱۔ یا تو مجھے واپس جانے دو جہاں سے آیا ہوں

۲۔ یا مجھے ترکوں کی طرف جانے دو کہ ان سے جہاد کرتا رہوں یہانتک کہ شہید ہو جاؤں۔

۳۔ یا مجھے یزید کے پاس لے چلو تاکہ میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیدوں پھر وہ جو فیصلہ چاہیں میرے متعلق کریں۔"

(طبری ج۶ صفحہ ۲۳۵)

ابن زیاد نے وہ خط پڑھا تو اس کو بڑی خوشی ہوئی اور کہنے لگا:۔

یہ خط میرے امیر کے ایک خیر خواہ، اپنی قوم پر شفقت رکھنے والے کا ہے میں نے ان باتوں کو قبول کیا۔ (طبری ج۶ صفحہ ۲۳۶)

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ابن زیاد اور ابن سعد کو کسی قسم کی عداوت

حضرت حسین رضؓ نے نہ تھی اور اب حضرت حسین رضؓ صلح چاہتے تھے اور ابن زیاد اور ابن سعد بھی۔

نیز مندرجہ بالا تینوں شہادتوں کے بعد یزید کی بیعت پر حضرت حسینؓ کی رضامندی پر شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا اور یہ کوئی تعجب خیز بات بھی نہیں ہے کیونکہ اس وقت جتنے صحابہ موجود تھے وہ اور خود حضرت حسینؓ کے خاندان والے ان کے دس گیارہ بھائی ان کے بہنوئی ان کے چچا سب کے سب یزید کے ہاتھوں پر پہلے ہی بیعت کر چکے تھے، اور کوفیوں کی وفاداری کا حال ان کو خوب معلوم تھا۔ حضرت حسینؓ کا بیعت یزید کے لئے آمادہ ہو جانا ہی ان کی شہادت کا سبب ہوا۔ کیونکہ جب حسینؓ بیعت یزید پر آمادہ ہو گئے تو ان کے ہمراہی نمازط کوفیوں نے دیکھا کہ اگر ایسا ہو گیا تو وہ سب کے سب بغاوت میں مارے جائیں گے۔ اس لئے انھوں نے حضرت حسینؓ کو شہید کر دیا۔

سمجھنے کی بات یہ ہے کہ عمرو بن سعد حضرت حسین رضؓ کا بہت قریبی رشتہ دار عشرہ مبشرہ کے ایک جلیل القدر صحابی رسولؐ اللہ کا قریبی رشتہ میں ہمیرا بھائی شمر ذی الجوشن حضرت علیؓ کا سالا حضرت حسینؓ کا سوتیلا ماموں اور جلیل القدر صحابی ذای الجوشنؓ کا بیٹا۔ اس کے اپنے بھانجے ابوبکر بن علیؓ اور عثمان بن علیؓ بھی حضرت حسینؓ کے ساتھ تھے۔ ابن زیاد کے باپ حضرت علیؓ کے خاص الخاص لوگوں میں اور پھر سب کے سب مسلمان۔ اپنے رسولؐ کے نواسے سے ان سب کو اس قدر عداوت کیوں ہو جائے گی۔ ایسی ضد آخر ان سب کو کس بنا پر تھی کہ قتل حسینؓ کئے بغیر ان کے لئے کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ جبکہ وہ تین شرطیں پیش کر چکے تھے، اور ابن زیاد نے قبول بھی کر لیا تھا۔ دراصل ان کوفیوں کو جب معلوم ہوا کہ حضرت حسینؓ بیعت یزید پر راضی ہو گئے ہیں تو انھوں نے ہی حضرت

حسینؓ کو قتل کیا اور جب حضرت حسینؓ کو بچانے کے لئے ان کے اعزا نکلے تو ان کو بھی قتل کر دیا، اور جب بعد میں عمرو بن سعد کی فوج آگئی تو اس نے ان ساٹھ کوفیوں کو ختم کیا۔

باقی رہا یزی فوج کا محاصرہ تو یہ بھی پروپیگنڈہ ہے۔ ابن زیاد اور حضرت حسینؓ میں سمجھوتہ ہو جانے کے بعد سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کہ فوج محاصرہ کرے یا یہ کہنا کہ حضرت حسینؓ کوفہ آرہے تھے ابن زیاد کی فوج نے روک دیا سوال یہ ہے کہ ان کو مسلم اور کوفہ کی غداری کا حال معلوم ہو گیا تھا۔ تو وہ اب کوفہ کیوں جاتے ۔ کس کے پاس جاتے ۔ اور کس کے مہمان ہوتے یہ خبر ان کو کربلا ہی میں ملی اور وہ وہیں رک گئے تھے۔

اگر قتل حسینؓ کا الزام یزید پر صحیح ہوتا تو حضرت عبداللہ بن زبیر جیسے شخص کے لئے یہ بہت بڑا پروپیگنڈہ ہاتھ آجاتا، اور جس وقت ابن مطیع وغیرہ یزید کے فسق و فجور کی جھوٹی داستانیں مدینہ میں مشہور کر رہے تھے اس وقت حضرت حسینؓ کے قتل کا الزام وہ لوگوں سے مزید بیان کرتے اور جب حضرت علی بن حسینؓ (زین العابدین) اور حضرت محمد بن حنفیہ جیسے خاص الخاص لوگ یزید کی پرہیزگاری و تقویٰ کی شہادت دیکر ابن مطیع کی تردید کرتے تھے۔ اس وقت ابن مطیع ضرور کہتے کہ آپ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔ کہ حسینؓ کے قاتل کی حمایت کرتے ہیں اور اس کو متقی پرہیزگار ثابت کر رہے ہیں۔ حضرت زین العابدین تو خود حادثہ کربلا میں شریک تھے۔ ان کے سامنے کس طرح یہ جھوٹا الزام یزید پر عائد کیا جا سکتا تھا وہ خوب جانتے تھے کہ حضرت حسینؓ کے قاتل کون لوگ ہیں۔

حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد جب حضرت زین العابدینؓ اہلبیت حضرت حسینؓ کے ساتھ کوفہ میں داخل ہوئے تھے اور اہل کوفہ روتے ہوئے تعزیت

کے لئے ان کے پاس آئے تھے تو زین العابدین ؒ نے قتل حسینؓ کا الزام انہی کوفیوں پر رکھا تھا نہ کہ یزید پر۔ جس طرح حضرت حسنؓ نے اپنے والد حضرت علیؓ کے قتل کا الزام عراقیوں پر رکھا اسی طرح حضرت زین العابدین نے بھی حضرت حسینؓ کے قتل کا الزام عراقی کوفیوں پر رکھا۔ جو سارے کے سارے شیعان علی تھے۔

تاریخ شاہد ہے کہ کم و بیش دو سو ذی فہم و ذی علم صحابہ اور خود حضرت حسینؓ کے قریب ترین اعزاء ارادہ خروج کے مخالف تھے اور کسی نے بھی ان کو سفر کوفہ کی دینی حیثیت نہیں دی اور سب اس سفر سے روکتے ہی رہے اور اگر یہ بھی کوئی جہاد فی سبیل اللہ تھا تو کیوں سارے صحابی اور تابعین کا شوق جہاد سرد پڑ گیا تھا۔ یہاں تک ان کے چچا، چچیرے بھائی اور بہنوئی تک نے ان کا ساتھ نہ دیا۔

ہاں! لوگوں کو اگر رلانے کے لئے منظر نگاری کا سہارا لینا ہے تو بات دیگر ہے ورنہ حقیقت سے گھڑے ہوئے واقعات کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ تعجب ہے کہ ایک طرف حضرت حسینؓ کو شہادت کا درجہ بھی دیا جاتا ہے اور دوسری طرف سینہ کوبی اور آہ و بکا کی آوازیں بھی بلند کی جاتی ہیں۔

اگر قرآن کی آیت سے ہٹ کر شہید دل پر آہ و بکا اور سینہ کوبی کرنا ہی ہے تو آؤ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت پر بھی آنسو بہائیں۔ حضرت عمرؓ کی شہادت پر بھی مجلسیں قائم کر کے غم کا اظہار کریں، جن کے مراتب حضرت حسینؓ سے کہیں زیادہ بلند و ارفع تھے اور جو حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمد خاص ہونے کے ساتھ ساتھ راشدین و مہدیین بھی تھے۔

اگر کسی کو یہ غم ہے کہ حضرت حسینؓ کو بھوکا و پیاسا رکھا گیا تھا تو حضرت عثمانؓ

کے بھی حلق میں پانی کا ایک قطرہ اور دانہ کی ایک بھوسی اُڑ کر نہیں گئی تھی اگر حضرت حسینؓ کا سر بے دردی سے تن سے جدا کیا گیا تھا تو حضرت عثمان غنیؓ کو بھی قصر خلافت میں بے دردی اور سفاکی سے ذبح کیا گیا تھا۔ اگر حسینی قافلہ کی مومنات کے ساتھ بے حرمتی اور توقیر کی گئی تھی تو حضرت عثمانؓ کی مظلوم بیوی کی بھی تحقیر اور انگلیاں کاٹی گئی تھیں۔ اگر حضرت حسینؓ اللہ کے حضور سجدہ کی حالت میں شہید کئے گئے تو حضرت عثمانؓ بھی کلام الٰہی کی تلاوت کے دوران شہید کئے گئے۔ اگر حسینؓ کے ساتھ ظلم وستم دس روز تک روا رکھا گیا تو حضرت عثمانؓ کے ساتھ ظلم وستم اور سفاکی ایک ماہ سے زائد تک مباح کر دی گئی۔ اگر حسینؓ کے قافلہ کے مقابلہ میں ہزاروں تلواریں بلند ہوئی تھیں تو اس طرف تنہا حضرت عثمانؓ پر بھی ہزاروں شقی تلواروں کے وار کر رہے تھے اگر حضرت حسینؓ حق پرست تھے اور حق کے لئے جان دی تو حضرت عثمانؓ بھی حق پر تھے اور حق کے لئے قربان ہو گئے۔ اگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ جگر گوشۂ رسولؐ تھے تو حضرت عثمانؓ بھی جگر گوشہ رسولؐ حضرت رقیہؓ اور حضرت کلثومؓ کے شوہر اور ذالنورین کے منفرد خطاب یافتہ ـــــ پھر کیا بات ہے کہ کربلا کی داستان پر جن آنکھوں سے آنسو بہائے جاتے ہیں وہ آنکھیں دیارِ رسولؐ پر بہائے ہوئے ایک مظلوم خلیفہ کے خون پر کیوں خشک ہو جاتی ہیں۔

ایک طرف داماد رسولؐ پر تبرہ بازی اور بے جا الزامات کے علم بلند کئے جاتے ہیں تو دوسری طرف نواسہ رسولؐ کی عظمت اور مظلومیت کے علم بلند کئے جاتے ہیں۔ ایک مظلوم کی شہادت پر فخر اور خوشی کے راگ الاپے جاتے ہیں تو دوسری طرف مظلومیت کے نوحہ پڑھے جاتے ہیں۔ ایک طرف قاتلین عثمانؓ

کے ناموں کو چھپا کر سوال پیش کیا جاتا ہے : قاتلینِ عثمانؓ کون تھے ؟
اور عذر پیش کیا جاتا ہے کہ ان کی آج تک تصدیق ہی نہ ہو سکی اور دوسری طرف قاتلین حسینؓ کو انگلیوں پر گنوایا جاتا ہے۔ آخر دونوں کے درمیان یہ امتیاز کیوں ؟ حضرت حسینؓ کو آخر فضیلت میں حضرت عثمانؓ سے بلند کرنے کا ظفر صاحب کا مقصد کیا ہے ؟ اور کیوں ظفر صاحب اللہ تعالےٰ نے آپ کو یہ منصب کب عطا کر دیا ہے۔ کہ آپ صحابہؓ کے درمیان امتیاز کی دیواریں بلند کریں۔ اور سوائے ذوات اربعہ کے (علیؓ فاطمہ۔ حسنؓ۔ حسینؓ) اور کسی صحابی کو فضیلت میں ان سے بلند مرتبہ دینا تو درکنار اس کے ہم پلہ بھی نہ گردانیں۔

دراصل مسلمانوں کا ایک مستقل فرقہ ایسا ہے جس کے مذہب و عقائد کا گویا مرکزی تعلق اسی دو موضوع پر ہے۔

"ایک مدح حسینؓ دوئم قدح یزید"

حالانکہ مذہب کا دار و مدار صرف دو ہی چیزوں پر ہے۔ قرآن اور حدیث شریف میں یعنی پانچویں یا چھٹی صدی تک تو شیعی اور سنی محدثین میں باہم اتفاق رہا اور شیعہ بھی حدیث کے بیان میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے نفسانیت کے تقاضہ سے کبھی کوئی حدیث غلط پیش نہیں کی چنانچہ ابو عبداللہ الحاکم شیعی محدث نے فضائل ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی حدیثیں بھی اپنی کتابوں میں درج کی ہیں۔ اس کا زیادہ تر مواد اب کتب تواریخ میں ہے مگر معتبر تاریخ بھی جس کے مورخ محمد بن جریر الطبری ہیں شیعہ مذہب رکھتے تھے لیکن انھوں نے جو کچھ لکھا ہے بروایت ابن شہاب الزہری لکھا ہے۔ جو سنی ہونے کے باوجود اہل تشیع میں بھی حجت مانے جاتے ہیں اس لئے طبری

بھی اہل سنّت میں معتبر مانے جاتے ہیں۔ گویا کہ طبری کا بیان بعینہ زہری کا بیان ہونے کی بنا پر قابل تسلیم ہے۔

شیعی مذہب کی بنیاد حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد پڑی۔ اسوقت شیعیت بس اسی قدر تھی کہ حضرت عثمانؓ کے قتل کو برحق سمجھنا اور حضرت علیؓ کو خلیفہ برحق تسلیم کرنا۔ اس کے سوا عقائد وعبادات میں کوئی فرق نہ تھا اور نہ اختلاف تھا۔ مگر جب فرقہ بندی ہوئی تو ہر چیز میں فرق پیدا کیا گیا۔ اور اس کے لئے سُنّیوں سے امتیازی فرق پیدا کرنے کے لئے ہر موقع اور ضرورت پر احادیث گھڑی گئیں جس کا اعتراف شیعہ کی سب سے قدیم کتاب حدیث اصول کافی میں موجود ہے۔

میرا مقصد یہاں پر یزید مرحوم اور حسینؓ کے تقابلی مقابلہ کا نہیں ہے کیونکہ اس حیثیت سے تو جناب حسینؓ کا کردار اور ان کا شرف بدرجہا بلند نظر آئیگا۔ مگر سوال صرف یہ ہے کہ یزید بحیثیت انسان واقعی اتنا ہی برا تھا جتنا وہ سمجھا جاتا ہے اور اسمیں کوئی خوبی ہی نہ تھی۔ جیسا کہ شیعوں کے پروپیگنڈے نے اس کو اسی حد تک پہونچا دیا ہے۔ اس سوال کے جواب میں بجائے اس کے کہ ہم شیعی وسُنّی ذرائع پر اعتبار کریں مشتشرق لامنس ہنری کی رائے بھی سُنیں کیونکہ شیعی روایت کے تحت تو یزید ہر حیثیت سے پست اور صد درجہ فاسق وفاجر انسان تھا، اور اگر سُنّی ذرائع پر اعتبار کریں تو وہ فرشتہ تو نہیں ثابت ہوتا۔ مگر خطا ونسیان کا مرکب ایک انسان ضرور ثابت ہوتا ہے اس لئے ثالثی کے طور سے تیسرے فریق کی بات سننا چاہیئے کہ وہ یزید کے متعلق کیا خیال رکھتا ہے ۔ وہ لکھتا ہے:۔

"یزید کوئی سبک سر اور ہرزہ سرا انسان نہ تھا اور جن مورخین

نے اس کی برائیاں بیان کی ہیں وہ شیعی پروپیگنڈہ اور عراق و حجاز کے باہمی ناخوشگوار حالات سے متاثر تھے۔ اس نے اپنے باپ امیر معاویہ رضؓ کی پالیسی سے مطلق انحراف نہیں کیا اور اس احساس جماعت کو جو امیر معاویہ رضؓ نے پیدا کر دیا تھا۔ بدستور قائم رکھنے کی کوشش کی اور انتظام مملکت کا کام بوجہ احسن انجام دیا۔ اس نے شمالی افریقہ میں باضابطہ محافظ فوج کی بنیاد ڈالی مالیات کی از سر نو تنظیم کی بحران کے عیسائیوں کا ٹکس کم کیا زراعت کو ترقی دی۔ دمشق کے ریگستانوں کی آب پاشی کیلئے نہر تعمیر کی (جسے نہر یزید کہتے ہیں) اسے اپنے اقتدار خلافت پر مطلق غرور نہ تھا۔ وہ معمولی شہریوں کی طرح نہایت سادہ زندگی بسر کرتا تھا۔ ملوکانہ تزک و احتشام سے نفرت تھی۔ اور اس کے تمام عمال اس سے بڑی محبت کرتے تھے۔ وہ شعر و موسیقی کا بڑا اچھا ذوق رکھتا تھا۔ یہی وجوہات ہیں کہ اس کی وفات کے بعد جتنے قصائد اس کے ماتم میں لکھے گئے ہیں کسی دوسرے خلیفہ کو نصیب نہ ہوئے "

میں سمجھتا ہوں کہ اس بیان میں مبالغہ کو کم دخل ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یزیدؒ اگر غیر معمولی صفات کا حامل نہ تھا تو ایسا پست فطرت بھی نہ تھا جیسا کہ سمجھا جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں میں نے شہادت حسینؓ اور یزید کے بارے میں اپنا خیال مختصراً ظاہر کر دیا ہے یزیدؒ نہ اتنا برا تھا جتنا اسے بدنام کیا جاتا ہے اور نہ اتنا اچھا کہ ہم حسینؓ کے کردار کے ساتھ اس کے کردار کا مطالعہ کریں۔ کیونکہ

جس حد تک دینی قیادت کا تعلق ہے یزید یقیناً حسین سے بہت فروتر تھا۔

لطف کی بات یہ ہے کہ اس وقت پونے تین سو صحابہ و صحابیات بقید حیات موجود تھے جن میں چار پانچ امہات المومنین اور دو بزرگ عشرہ مبشرہ کے تھے جنگ بدر کے شرکاء میں سے بھی اٹھارہ[۱۸] بزرگوار موجود تھے۔ لیکن حیرت یہ ہے۔ کہ ان میں سے کسی نے بھی یزید کی مخالفت نہیں کی اور سب نے یزید کی بیعت و خلافت تسلیم کر لی۔

حضرت حسینؓ اور عبداللہ ابن زبیرؓ نے بیشک خلافت یزید کو تسلیم نہیں کیا لیکن ان دونوں حضرات کے بیعت نہ کرنے کا باعث خود ان دونوں کا اپنا دعویٰ خلافت تھا نہ کہ یزید کی نا اہلی۔

اگر یزید نا اہل ہوتا تو تقریباً ڈھائی سو صحابہ اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ عبداللہ ابن عمرؓ عبداللہ بن جعفر طیارؓ اور حضرت علیؓ کے معتمد صاحبزادے محمد بن حنفیہ وغیرہ یزید کی بیعت نہ کرتے خنکہ محمد بن حنفیہ، حضرت علی بن حسین زین العابدین۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یزید کے خلاف شراب نوشی اور تارک الصلوٰۃ کے الزامات جو سب سے پہلے عبداللہ بن زبیرؓ کے داعیوں نے محض بہتان و افترا کی حیثیت سے پھیلانے شروع کئے تھے اس کی تردید کی۔

اب رہا یزید کی ولیعہدی کا سوال تو وراثت کی خلافت کا آغاز تو حضرت علیؓ کے بعد حضرت حسنؓ کے دعویٰ خلافت نے ہی کر دیا تھا جس کو حضرت حسینؓ بھی قبول کر چکے تھے۔ حالانکہ اس وقت سابقون الاولون میں تقریباً تیس کبار صحابہ موجود تھے۔ ظاہر ہے کہ انتخاب کا حق انہی لوگوں کو تھا نہ کہ عراقیوں کو جنہوں نے حضرت امام حسن کو حسن کے دست حق پرست پر بیعت کی

تھی۔ مدائن کے پاس لوٹ لیا۔ اور زخمی کر کے بیہوش کر دیا۔ اور آخر کار حضرت حسنؓ نے بد دل ہو کر اور نزاکت وقت کو محسوس کر کے حضرت معاویہؓ سے صلح کے بعد بیعت کر لی۔

ظفر صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جن باتوں کا انھوں نے ذکر کیا ہے۔ یہ باتیں انہی عراقی مفسدین اور قاتلین حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی زبانوں سے نکلی ہے۔ جن لوگوں نے حضرت حسنؓ پر مدائن میں حملہ کیا خیمہ لوٹا۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے خط لکھ کر حضرت حسینؓ کو بلایا اور حسینؓ ان کے دام تزویر میں پھنس گئے اور کوفہ چلے گئے اور ان کے ساتھ غداری کی۔

ضمیمہ

ابھی ظفر صاحب کی منحوس تصنیف "علویان دامغان" کے سیاہ اوراق کی سیاہی بھی نہ دھو سکا تھا۔ کہ موصوف کی دوسری تخلیق "خلافت وحکومت" کی دلسوز تحریر کے تیر ونشتر دل ودماغ میں پیوست ہو گئے۔

موصوف نے پس پردہ اصحاب رسول کی عظمت وحرمت پر بزدلانہ وسفلانہ حملے کرنا اپنا عین وطیرہ وجزو ایمان بنا لیا ہے۔ یہ ناعاقبت اندیش اور سستی شہرت کے بھوکے حضرات اپنی جبلت سے مجبور ہو کر اس قسم کی نازیبا حرکتوں کے اکثر وبیشتر مرتکب ہوتے رہتے ہیں سوز وزیاں سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں نگاہ میں کجی اور نیت میں فساد ہو تو بعض اوقات بعض معاملات میں کافر اور مسلمان دونوں ایک ہی سطح کا رول ادا کرتے ہیں۔ دراصل بیسویں صدی کے ترقی پسند، اسلام اور اکابر اسلام پر تنقید کو اپنا طرہ امتیاز اور عیاری عربدہ سازی کو فن کمال سمجھتے ہیں۔ غرض ریا ان کا حاصل زندگی اور خود رائی اصل مقصد ہے۔ ان کو نہ اسلام سے غرض ہے اور نہ پیغمبر اسلام کی محبت۔ ان کے دل و دماغ میں موجزن ہے، اور نہ ہی مذہب سے لگاؤ۔ تو پھر اسلامی تعلیمات سے وہ کیونکر بہرہ ور ہو سکتے ہیں جس دور میں مکر وفریب کو اصل گر سمجھا جائے اس دور

میں کیا کچھ بے اعتدالی ممکن نہیں؟ چنانچہ آج کذب بیانی وافترا پردازی کا نام ادب ہے یہی ان کے نزدیک علم کی معراج ہے۔ ان کے شر سے کسی کے جذبات برانگیختہ ہوں یا دین کے شعار پر زد آتی ہو یا کسی اہل علم کی دینی حمیت کو ٹھیس پہونچتی ہو اس سے انھیں کوئی سروکار نہیں۔ بلکہ وہ اس کو "فن" سے تعبیر کرتے رہیں گے۔ جب ایسے بد باطن حضرات کے نزدیک شر، خیر ہو جائے۔ کفر ایمان ہو جائے۔ جہل، علم قرار پائے اور شرمناک باتیں باعث صد افتخار سمجھی جائیں تو ایسے حضرات سے کسی حق بات کی امید ہی کیوں رکھی جائے۔ البتہ ان کے قول وفعل اور امانت ودیانت کی نفی اور تحریر وتقریر سے اجتناب ضرور برتنا چاہیئے یہ سمجھ کر کہ "کسی دیوانے کی بڑ ہے" باطل قرار دیا جائے۔ مت بھولئے کسی ایک ذہن یا اذہان کے بدلنے سے حقیقت نہیں بدلا کرتی۔ آنکھوں پر پٹیاں باندھ لینے سے نور ظلمت میں نہیں بدل سکتا۔ گھر میں چراغاں کر لینے سے رات دن نہیں کہلا سکتی۔ غرض شر، شر ہی کہلائے گا خیر نہیں بن سکتا اور نہ خیر کو شر کہنا صحیح متصور ہوگا۔ صحابہ کرامؓ کی عظمت کو مٹانے والے ان کی دیانت کو مجروح کرنے والے نہ بھولیں کہ وہ خود مٹ جائیں گے۔ لیکن ابد تک عظمت کے ان میناروں کو منہدم نہیں کر سکیں گے ان کی بلندی قائم و دوام ہے

مستشرقین کی دو چار کتابیں پڑھ لینے سے جس قسم کی سیرتیں اور ذہنیتیں ابھرتی ہیں اس کا واضح اور مبینہ ثبوت ظفر صاحب کی شخصیت ہے موصوف نے "خلافت وحکومت" پیش کر کے اس صداقت پر آخری مہر ثبت کر دی ہے کیونکہ بزعم خویش وہ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہماری تاریخ، صحابہ کرام اور سلف صالحین کے سیرتوں کے ذخائر جو ہم تک پہونچے ہیں ان کا مستند ترین ذریعہ یہی مستشرقین ہیں۔ ان کے ذہن میں یہ بات یقین کر چکی ہے۔ کہ مغربی مورخین ہی سراپا رحمت

وبرکت ہیں اور جب تک مسلمان انھیں قبول نہ کرلیں موجودہ زمانہ میں ان کا زندہ رہنا ممکن نہیں ہے۔ لہذا اسی مفروضہ کو دل و دماغ میں رکھ کر انھوں نے بے لگام گھوڑے کی طرح اپنے قلم کو آزاد چھوڑ دیا جس سے رہے سہے ان کے فطری اسلامی نقوش بھی پھیکے پڑ گئے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور ازواج مطہرات کے فضائل کو استحقار سے ٹھکرانے میں ظفر صاحب پیش پیش ہیں۔ جب قلوب مسخ ہوجائیں، نیتیں بدل جائیں عزائم میں فساد برپا ہوجائے، ذہن تخریبی حرکتوں کی طرف مائل ہوجائے تو یہی فکر اسلام کے لئے قاطع ثابت ہوتی ہے۔ اور ان کا وجود ان کا علم اور کردار سراپا فتنہ بن جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کی وہی حالت ہے جو نوحؑ نے اپنی امت کی بیان فرمائی۔

"اے اللہ اگر انھیں آپ مزید مہلت دیں گے تو یہ صرف آپ کے بندوں کو بہکائیں گے اور ان کی آئندہ نسل بھی فاجر و بدکار ہی ہوگی۔" (القرآن)

جب تک ابوالفضل اور فیضی جیسے ابن الوقت لوگوں کے ہاتھ میں قلم رہے گا۔ دربار جہانگیری میں دین الٰہی کا پرچار اس قسم کے موقع پرست ذہن اسلامی لبادہ اوڑھ کر اس کی بیخ کنی میں مشغول رہیں گے، اور صحابہ کرام کو جو اسلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں کے روشناس کرانے کا واحد ذریعہ ہیں۔ ان کے فضائل ومناقب کو چھپا کر ان کے کردار اور عمل کو غلط رنگ میں پیش کر کے اس عظیم اور واحد ذریعہ کی بیخ کنی کرتے رہیں گے، تاکہ مسلمان راہ سے بے راہ ہوجائیں لیکن عظمتوں کے مینار بلند ہی بلند ہی رہیں گے۔ غبار آسمان پر جاکر بھی خاک ہی رہے گا۔

ظفر صاحب کی "خلافت و حکومت" محض ایک ملحدانہ طرزِ فکر کا ایک چھوٹا نمونہ ہے پوری کتاب رافضیانہ مسلک کی مدح اور اہل سنت کی ذم پر دلالت کرتی ہے۔ وہ تمام گمراہ عقائد جو اہل تشیع نے اہل سنت کے خلاف پروپیگنڈہ کی خاطر وضع کئے انہی فرسودہ اور گمراہ عقائد کو بغیر کسی دلیل درج کرتے چلے جانا اور اعتراض برائے اعتراض کی بنیاد پر خرافات کے طومار قائم کرنا شرو گمراہی نہیں تو کیا ہے۔ ایک ذخیرہ رطب و یابس ہے جس کا نہ اسلام سے کوئی واسطہ ہے نہ عقل ہی اس کو قبول کرتی ہے۔ میرا گمان ہے کہ ظفر صاحب صحابہ کرام اور امہات المومنین کے خلاف اس سازش میں تنہا نہیں ہیں بلکہ در پردہ یہ اُس مشن کی تحریک ہے۔ (جس کے نزدیک حضرت علیؓ سب سے افضل ہیں) جس نے حضرت عمرؓ کو قتل کرایا اور قاتل مجوسی ابولولو کو ابو شجاع کے خطاب سے نوازا۔ جس نے عثمانؓ کو قتل کرایا اور اس دن کو "عید نوروز" قرار دیا۔ جس کے دین کا جز و تقیہ پر ہو اور تقیہ کے منکر کو منکر دین سمجھا جائے، جس کا یہ عقیدہ ہے کہ اہل زمین کے لئے تقیہ خدا کی عطا کی ہوئی ایک ڈھال ہے، اصحاب ثلاثہ پر تبرہ بازی جس کا ایمان ہو۔ ایسے مشن کے رفقار کار کی دامے، درمے، سخنے اعانت آپ کو حاصل رہتی ہے۔ کیونکہ جو شخص اہل سنت ہونے اور ندوہ جیسی درسگاہ کا فارغ التحصیل ہونے کا دعویٰ کرے اس کا ذہن و قلم اس درجہ باغیانہ و ملحدانہ ہو جائے۔ حیرت اور نفرت ہوتی ہے۔

پوری کتاب کا لب و لہجہ انتہائی گستاخانہ اور رکیک ہے۔ صحابہ کرامؓ کی ذات گرامی کو موضوع بنا کر پر سوز تنقید کے ساتھ بدگوئی کے دروازے بھی کھول دیئے ہیں۔ ان کو مجرم، بددیانت، مفاد پرست، قبیلہ پرست

جیسے شرانگیز اور مکروہ الفاظ سے نوازا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ کے متعلق اس قدر بیباک کہ "تیز و طرار"[1] کے کلمات استعمال کئے ہیں۔ ان پر مزید بہتان یہ عائد کیا کہ وہ حضرت عثمانؓ سے ناخوش تھیں اور "نعثل"[2] کے نام سے پکارتی تھیں (نعوذ باللہ)!

اس کذب گوئی کی مفروضہ قصہ خوانی کی تشریح تو آگے آئے گی لیکن کیا کوئی صاحبِ ایمان یہ تصوّر کرسکتا ہے کہ حضرت عائشہؓ جیسی فقیہہ، بصیرت افروز اور مقدس معلمہ ایک عشرہ مبشرہ صحابی جنہیں نہ صرف دامادِ رسولؐ کا مرتبہ حاصل تھا۔ بلکہ جن کی شان میں بیعت رضوان منعقد ہوئی اور اس پر اللہ تعالےٰ نے اپنی خوشنودی اور رضامندی کا اعلان فرمایا اور رسولؐ نے اپنے ایک دست مبارک کو حضرت عثمانؓ کا دست فرما کر تمام صحابہ

---

[1] واضح ہو کہ تیز و طرار کے الفاظ جبیر بن مطعم کی بیوی نے استعمال کئے تھے جو اسلام نہیں لائے تھے اور جنکے لڑکے سے حضرت عائشہ کی منگنی ہو چکی تھی۔ لیکن جب نبی اکرم نے اپنا پیغام صدیقؓ اکبر کو پہونچایا تو اللہ نے جبیر کی بیوی کی زبان سے اپنے لڑکے کے نسبت کا انکار کرا دیا۔ اس نے اپنے شوہر سے کہا کہ "ایسا غضب کر نا وہ لڑکی بہت ہوشیار اور تیز و طرار ہے حضرت صدیقؓ اس رشتہ کے ٹوٹ جانے سے بہت خوش ہوئے اور آپ نے فوراً حضورؐ سے نکاح کر دیا۔ سبحان اللہ۔ جن کو اللہ نے رسول کیلئے منتخب فرمایا اور نبی اکرمؐ نے دو مرتبہ نکاح سے قبل خواب میں دیکھ کر فرمایا "اگر یہ اللہ کی طرف سے ہے تو وہ اسے پورا فرمائیگا"۔ اور اللہ نے حرم رسالت میں داخل کر کے ام المومنین کا اعزاز بخشا۔

[2] نعثل ایک یہودی تھا جس کی داڑھی بڑی تھی۔ چونکہ حضرت عثمانؓ کی داڑھی بھی بڑی تھی اسی مماثلت پر آپ نے اس نام سے پکارا۔

سے بیعت لی جس میں خود حضرت عائشہؓ بھی شریک تھیں۔ وہ ایسی عالی مرتبت ہستی کو ایک یہودی سے تشبیہ دیں گی جبکہ وہ ذوالنورین کے مقام کو اچھی طرح سمجھتی تھیں جو کہ ان کے بھی داماد تھے۔

"لقد رضی اللہ من المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ الخ (سورۃ فتح)

یقیناً اللہ ان لوگوں سے خوش ہوگیا جنہوں نے (اے محمد) تیرے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کی"

اور یہ واحد واقعہ ہے کہ کسی صحابی کے خون کا انتقام لینے کے لئے تمام موجودہ صحابہ سے بیعت لی گئی ہو۔ اور یہ بلاشبہ حضرت عثمانؓ کی فضیلت کی بڑی دلیل ہے پھر غزوہ تبوک میں حضرت عثمانؓ نے جبکہ مسلمانوں کی اچھی حالت نہ تھی۔ ایک تہائی فوج کے لئے سامان جنگ فراہم کیا چنانچہ تیرہ ہزار سے زیادہ سپاہ کا پورا خرچ آپ نے اپنے پاس سے ادا کیا۔ پھر بھی دین کے لئے قربانی کا جوش کم نہ ہوا تو بارگاہ رسالت میں حاضر ہوکر ایک ہزار اونٹ اور ستر گھوڑے مزید پیش کئے۔ نیز ایک ہزار دینار ادب کے ساتھ حضور کے سامنے پیش کر دیئے جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا۔

"مَا ضَرَّ عثمانَ مَا عمل بعد ھٰذا الیوم (آج کے بعد کوئی بھی عمل عثمان کو نقصان نہیں پہنچائے گا)"

کیا اس فیضی و ایثار کی کوئی دوسری نظیر پیش کی جا سکتی ہے۔

جب دختر رسول اور آپ کی دوسری بیوی حضرت ام کلثومؓ کا انتقال ہوگیا۔ اس موقع پر حضورؐ نے فرمایا "اگر میری کوئی اور ناکتخدا بیٹی ہوتی تو میں وہ بھی عثمانؓ کے عقد میں دے دیتا۔" پھر فرمایا۔ "اگر میری چالیس بیٹیاں ہوتیں تو

سب یکے بعد دیگرے عثمان سے بیاہ دیتا۔ یہاں تک کہ کوئی باقی نہ رہتی"
کیا یہ حدیث حضرت عثمانؓ کے مرتبہ اور فضیلتؓ دلالت نہیں کرتی۔؟

جب ۶ھ میں ایک خواب کی بنا پر حضورؐ چار سو صحابہ کے ساتھ عمرہ ادا فرمانے کیلئے مکہ تشریف لے گئے تو کفار مکہ نے آپ کو شہر میں داخل نہیں ہونے دیا۔ اور مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے تو حضرت نے کس کو اپنا سفیر بنا کر مکہ روانہ کیا تھا یہ حضرت عثمانؓ ہی تھے۔ جن کو یہ شرف حاصل ہوا اور جس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا
"عثمانؓ بہت فصیح و بلیغ ہیں، لہٰذا ان ہی کا انتخاب درست ہے"

حضرت عثمانؓ کے لئے کیا یہ شرف کچھ کم ہے کہ آپ مسلمانوں میں سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے اہل وعیال کے ساتھ ہجرت فرمائی۔ ایک مرتبہ نہیں بلکہ دو دفعہ۔ پہلی بار حبش کی طرف اور دوسری بار مدینہ کی جانب اور یہ شرف کسی کو نصیب نہ ہو سکا۔ جب مدینہ تشریف لائے تو سب سے پہلا آپ کا یہ فیض عام ہوا کہ آپ نے میٹھے پانی کا کنواں جو مدینہ میں صرف ایک ہی تھا یہودی سے ۳۵ ہزار درہم میں خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔ جن کے لئے حضور نے فرمایا تھا کہ " اگر کوئی مسلمان اس کنویں کو یہودی سے خرید لے اور اپنے بھائیوں کو اس میں سے پانی پینے دے تو میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں"۔ کیا یہ ایثار و اخلاص کی مثال کسی دوسرے نے قائم کی؟

حضرت عثمانؓ کا سب سے بڑا احسان مسلمانوں کو قیامت تک کیلئے ایک قرآن پر جمع کرنا ہے۔ آپ نے اس قرآن مجید کو جو حضرت ابو بکرؓ نے ضبط تحریر میں لا کر ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس رکھوا دیا تھا متعدد نقلیں کروانے کے بعد ان کو سلطنت کے بڑے بڑے شہروں کی جامع مسجد میں رکھوا دیا تھا اور ایک ہی قرآن بغیر کسی ذرہ برابر فرق کے قیامت تک کے لئے دنیا میں قائم

کر دیا۔ اسی بنا پر حضرت عثمانؓ کا لقب "جامع القرآن" ہے جو لوگ قرآن کو "مصحف عثمان" کہتے ہیں وہ بھی اسی قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔ کیونکہ دنیا کے پردے پر اس کے سوا اور کوئی قرآن موجود نہیں ہے۔

کیا یہ شرف کسی اور کو حاصل ہو سکا۔ ؟

ظفر صاحب جب اپنی ہر ممکن کوشش سے تینوں خلفاء پر کسی کسی طرح سے الزامات عائد کر چکے اور خاص کر خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضؓ اور ان کی خلافت پر سب و ستم اور تبرہ بازی سے جلے دل کے پھپھولے پھوڑ چکے تو سزا یافتہ اور بھاگے ہوئے مجرم کی طرح پلٹ کر دیکھا تو خاک دھول سے اَٹی ہوئی آنکھوں نے بحمد اللہ تینوں نائب رسول کو اپنے اپنے مقام و منصب جلیلہ پر اسی آن بان سے فائز دیکھا جس کی صراحت رسولؐ فرما چکے تھے۔ ان کا عمل و کردار سنت نبوی کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتا ہوا دکھائی دیا۔ نبی اکرمؐ کے واضح فرمودات ان متبرک ہستیوں کو اپنے جلو میں لئے ہوئے نظر آئے، پھر حضرت عائشہؓ کے اخلاق حسنہ اور ان کے متعلق حضورؐ کا یہ فرمان نگاہوں کے سامنے آیا کہ

"میں جب کسی اور بیوی کے پاس ہوتا ہوں تو مجھ پر وحی نازل نہیں ہوتی مگر عائشہؓ کے یہاں مجھ پر جبریل نازل ہوتے ہیں۔"

اور حضرت عائشہؓ کے یہ الفاظ کانوں سے ٹکرائے کہ

"اس سے بڑھ کر میری عزت اور کیا ہو گی۔ کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دو مرتبہ جبریلؑ کو دیکھا۔"

اور اس پاکباز ہستی پر ابلیسی ذہنوں کے عائد کردہ بہتان پر جس کی اللہ نے قرآن میں برأت فرمائی، اور اس بہتان میں حصہ لینے والو، اس کی اشاعت کرنے والو اور اس پر یقین کرنے والوں پر اللہ کا غیض و غضب دیکھا۔

بس پھر کیا تھا رگ حمیت پھڑکی اور رافضیوں کی کتب سے فوراً ایک حدیث یوں نقل کر دی۔

"میری بیٹی (فاطمہؓ) اللہ نے دنیا پر نظر ڈالی اس نے دو شخص منتخب کئے جو سب سے بہتر تھے ایک تیرا باپ اور دوسرا تیرا شوہر"

اس حدیث کا اہلسنت کی کسی کتاب میں تذکرہ نہیں ہے محض من گھڑت ہے۔ ذرا غور کیجئے کہ ایک طرف تو حضورؐ کی نگاہ میں حضرت عثمانؓ کا یہ مقام ہے کہ آپ آرزو فرما رہے ہیں کہ اگر میری چالیس بیٹیاں بھی ہوتیں تو حضرت عثمانؓ سے بیاہ دیتے"۔ اور دوسری طرف یہ بیان کرنا کہ اللہ کو روئے زمین پر سوائے علیؓ کے اور کوئی نظر ہی نہیں آیا۔ یہ وہی رافضیانہ خیال ہے کہ حضورؐ کی صرف ایک بیٹی ہے اور وہ حضرت فاطمہؓ ہیں۔ ورنہ ایک داماد کو سب سے افضل قرار دینا اور بقیہ کو فراموش کر دینا۔ کیا معنی؟ جہاں تک اللہ کا حضورؐ کو منصب رسالت پر فائز کرنے کا تعلق ہے اس سے تو انکار ہی کفر ہے۔ بے شک اللہ کا نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول کی حیثیت سے منتخب کرنا برحق ہے اور یہی اہل اسلام کا ایمان ہے لیکن حضورؐ کے بعد صرف حضرت علیؓ کو افضل قرار دینا حضورؐ کے اس فرمان کی نفی کرتا ہے۔ جو آپ نے صدیق اکبرؓ کی شان میں فرمائی۔

"افضل البشر بعد الانبیاء"

حضرت سعد بن زرارہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

"مجھے جبریلؑ نے خبر دی ہے کہ میری امت میں میرے بعد ابوبکر افضل ہیں۔"

اس کے علاوہ اور بیشتر احادیث حضرت ابوبکر صدیق کی افضیلت کے سلسلہ میں شاہد ہیں جن سے کتب بھری پڑی ہیں۔

ایک جگہ آپؐ نے صدیق اکبر کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا۔

"لوکنت متخذاً من العباد خلیلاً لا تخذت ابابکر خلیلاً۔ (بخاری)

یعنی اگر میں بندوں میں سے کسی کو گہرا اور دلی دوست بناتا تو یقیناً ابوبکر کو بناتا۔ (گہرا اور دلی دوست سوا خدا کے اور کوئی نہیں ہو سکتا)

ایک مرتبہ حضورؐ سے دریافت کیا گیا کہ عورتوں نے سب سے زیادہ آپ کو کون محبوب ہے آپ نے فرمایا۔ "عائشہؓ"، پھر دریافت کیا گیا مردوں میں کون محبوب ہے آپ نے فرمایا "عائشہؓ کے باپ"۔

جب حضورؐ کے ارشادات اور عمل سے یہ واضح ہوگیا کہ حضورؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت شک و شبہ سے بالاتر ہے تو پھر حضرت علیؓ کی خلافت کو بلافصل تسلیم کر لینے کا کیا سوال چونکہ ظفر صاحب بھی حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل تسلیم کرنے کو حقیقت پسندی سے زیادہ قریب سمجھتے ہیں۔ لہٰذا اس کو ثابت کرنے کے لئے انھوں نے جن کمزور سہاروں کی مدد لی ہے ان میں بحث کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ فرماتے ہیں۔

"رسول اللہ نے مکہ ہجرت فرمائی تو رسول اللہ کے گھر سے تشریف لے جانے پر علیؓ کو حکم ہوا کہ وہ بستر رسالت پر استراحت فرمائیں"

ظفر صاحب کے نزدیک حضرت علیؓ کا بستر رسالت پر استراحت فرمانا تو خلافت بلافصل پر دلالت کرسکتا ہے۔ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت صدیق اکبرؓ کو اپنے مصلیٰ پر امامت کے لئے منتخب فرمانا خلافت کی دلیل نہیں بن سکتا

نہ ہی ان کے نزدیک اس انتخاب کی کوئی اہمیت ہے جبکہ نبی آخرالزماںؐ خود حضرت صدیق اکبرؓ کی اقتدا فرما رہے ہوں یہ کیا نہ سمجھی ہے کہ بستر رسالت پر استراحت فرمانے کو تو نبیؐ کا حکم مان کر اس کو افضل ترین عمل قرار دیا جائے اور اس کو حضرت علیؓ کی خلافت بلا فصل کے لئے دلیل بنایا جائے، اور حضرت صدیق اکبرؓ کا حضورؐ کے رفیق اعلیٰ حیثیت سے ہمسفر ہونا ایک معمولی واقعہ قرار دیا جائے کیا صدیق اکبرؓ کو یہ حکم نہیں ہوا تھا کہ رسولؐ کے ساتھ ساتھ مکہ سے مدینہ سے ہجرت فرمائیں؟ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سب سے پہلے حضورؐ نے اپنے اس ارادے سے حضرت ابوبکرؓ کو ہی مطلع فرمایا اور موسم گرما کی دوپہر میں آپ ان کے گھر تشریف لے گئے اور مشورہ طلب فرمایا کہ کس طرح نکلنا چاہیئے زادِ راہ اور سواری کا انتظام بھی حضرت ابوبکرؓ نے کیا۔ سفر کا کھانا اور ناشتہ ان کے گھر سے اور ان کی صاحبزادی نے تیار کیا۔ پھر پیغمبر خدا نے ابوبکر صدیقؓ کے بیٹے سے دو اونٹنیاں منگوائیں اور عامر بن فہیرہ کو جو ابوبکر کے غلام تھے اپنا دلیل راہ بنایا۔ ابوبکرؓ ہی کے بڑے صاحبزادے عبداللہ کو جاسوس کے طور پر وہیں چھوڑا۔ تاکہ اہل قریش جو بھی آنحضرتؐ کے خلاف سازشیں کریں اس سے راتوں رات حضرتؐ کو غار میں باخبر کریں۔ ہم کو تعجب ہے کہ لوگوں کی عقلوں پر کیسا پردہ پڑ گیا ہے کہ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ ہجرت کا وقت وہ تھا کہ تمام کفار مکہ پیغمبر کے قتل کے درپے تھے، اور در دولت پر مجتمع ہو کر اپنے ارادے پورا کرنے کے لئے پہونچ گئے تھے۔ اور کسی کو یہ خبر نہ تھی کہ حضورؐ گھر سے نکل گئے ہیں۔ اس وقت جو آپ کا رفیق ہوا اس کی فضیلت کو فراموش کرتے ہیں حالانکہ وہ رفیق بحکم الٰہی اور بہ مرضی پیغمبر آمادہ رفاقت ہوا تھا جس کی تصدیق میں اللہ تعالےٰ خود حضرت ابوبکرؓ کو رسولؐ کا ساتھی قرار دے رہا ہے چنانچہ جب حضرت ابوبکرؓ نے کفار کو غار کے قریب دیکھا تو فکرمند اور غمگین ہوئے کہ

کہیں حضرت کو صدمہ نہ پہونچے اس وقت ارشاد ہوا۔ اذیقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا۔" جبکہ آپ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

لصاحبہ کے لفظ سے صاحبیت ابوبکر صدیقؓ کی ثابت ہوتی ہے اور یہ رتبہ کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوا کہ خدا نے کسی کو صحابیت کی تخصیص کر کے بیان کیا ہو۔

حضرت ابوبکر کی فضیلت میں مزید ارشاد ہوا۔

"الا تنصروہ فقد اخرجہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذ ھما فی الغار" الخ

"اگر تم لوگ پیغمبر کی مدد نہ کروگے تو اس کو تمہاری مدد کی حاجت نہیں اس لئے کہ خدا اس کا مددگار ہے کہ جب کفار نے پیغمبر کو مکہ سے نکالا اس وقت کس نے اس کی مدد کی اور اس وقت کون سا لشکر اور گروہ اس کا مددگار ہوا، اور سوائے ایک یار کے دوسرا کون اس کے ساتھ غار میں گیا۔"

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ جتنے اور اصحاب تھے ان میں سے کوئی اس رتبہ کو نہ پہونچ سکا کہ جس کو حضورؐ اپنے ہمراہ لیتے اور جس کو اپنا یار غار بناتے۔ سوائے ابوبکر صدیقؓ کے۔ انھیں کو ایسے نازک وقت پر اپنا رفیق بنایا اللہ تعالیٰ نے ثانی اثنین کا لفظ فرما کر یہ ظاہر کر دیا۔ کہ حضورؐ کے بعد دوسرا شخص ادائے مناسب دینی کے واسطے حضرت ابوبکر ہی ہیں۔ چنانچہ قاضی نور اللہ شوستری بھی صدیق اکبرؓ کی فضیلت کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"پھر ہم اس سے انکار نہیں کرتے کہ علیؓ کا آپ کے بستر پر سونا طاعت ہے اور فضیلت مگر صحبت ابوبکرؓ اس سے بڑی ہے کیونکہ حاضر غائب سے بلند مرتبہ

ہوتا ہے اور اس لئے کہ علیؓ نے ایک رات کی تکلیف برداشت کی اور ابوبکر رضؓ غار میں کئی دن تک ٹھہرے ۔ اور البتہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر سونے کے لئے اس لئے منتخب فرمایا کہ ابھی آپ بچے تھے آپ نے ابھی دلیل وحجت سے دعوت دینی پیش کی تھی نہ تلوار اور بھالے سے ۔ بخلاف ابوبکرؓ کے انھوں نے ایک جماعت کو دین کی طرف بلایا تھا ۔ جان ومال کی بازی لگا کر رسولؐ کو بچایا تھا ۔ اور کفار کا غیظ وغضب علیؓ کی بہ نسبت ابوبکرؓ پر زیادہ تھا ۔ اسوجہ سے انھوں نے علیؓ کو مارنے یا تکلیف پہونچانے کا ارادہ ہی نہیں کیا جب یہ پہچان لیا کہ سونے والے وہ ہیں بات ختم ہوئی ۔"

جب یہ ثابت ہوگیا کہ حضرت علیؓ کا بستر پر استراحت فرمانا اتنا اہم نہ تھا جس قدر حضرت ابوبکر کا ہمراہ رسولؐ ہونا تو پھر اس عمل کو "خلافت بلا فصل" کے لئے کیونکر دلیل بنایا جا سکتا ہے ۔ یہ بھی واضح ہے کہ جب کفار مکان میں داخل ہوئے تو حضرت علیؓ کو بستر پر پایا ۔ حضورؐ کو نہ پاکر وہ کس قدر غضبناک ہوئے ہوں گے ۔ اس کا تصور ہی کیا ہو سکتا ہے لیکن اس پر بھی انھوں نے حضرت علیؓ کو کوئی گزند نہیں پہونچائی ـــــ کیوں ـ ؟ اس کے برخلاف اگر صدیق اکبرؓ بستر پر استراحت فرما رہے ہوتے تو اپنے ایمان سے بتایئے کفار کا سلوک ان کے ساتھ وہی ہوتا ۔ جو حضرت علیؓ کیساتھ انھوں نے روا رکھا ۔ ؟ یقیناً نہیں تو پھر وہ کیا فضیلت تھی جس کی وجہ سے ایک طرف کفار آپ کے خون کے پیاسے تھے تو دوسری طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنا رفیق سفر بنانے کے خواہشمند ؟ اس کا اندازہ تو نگاہِ رسولؐ ہی کر سکتی ہے ۔ ہما شما کا کام نہیں آیئے اس سلسلہ میں امام حسن عسکری کی تفسیر سورہ بقرہ بھی ملاحظہ فرمائیں ۔

جبرئیلؑ نے پیغمبر خدا سے آکر کہا کہ اللہ جلّ شانہٗ آپ کو سلام کہتا ہے اور یہ

فرماتا ہے کہ قریش خصوصاً ابو جہل نے آپ کے قتل کی تدبیر مصمم کی ہے اس لئے آپ کو چاہیئے کہ علیؓ کو اپنی جگہ پر چھوڑ یئے کہ وہ مثل اسماعیل کے جان نثار کرے گا۔ اور ابو بکرؓ کو اپنا رفیق کیجئے کہ اگر وہ موانست کرے اور اپنے عہدہ پر قائم رہے تو جنت میں بلکہ اعلیٰ علیین میں آپ کا رفیق ہوگا۔ پیغمبر خدا نے حضرت علیؓ سے یہ حال کہا۔ حضرت علیؓ اپنے مارے جانے پر راضی ہوئے۔ بعدہٗ حضورؐ حضرت ابو بکرؓ کی طرف مائل ہوئے۔ اور فرمایا کہ اے ابو بکرؓ تو راضی ہے کہ اس سفر میں میرے ہمراہ ہو اور کفار قریش جس طرح پر مجھے قتل کیلئے تلاش کریں اسی طرح تیرے قتل کے درپے ہوں اور یہ بھی مشہور رہو ئے کہ تو نے مجھے اس کام پر آمادہ کیا اور میری رفاقت کی، سب سے تجھ پر طرح طرح کے عذاب پہونچیں۔ ابو بکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں تو وہ شخص ہوں کہ اگر تیری محبت میں سخت ترین بلاؤں میں گرفتار ہوں اور قیامت تک ان میں پڑا رہوں تو بھی میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ تجھکو چھوڑ کر دنیا کی سلطنت قبول کروں۔ میری جان و مال، میرے اہل و عیال لڑکے بالے سب آپ پر قربان ہیں آپ کو چھوڑ کر کہاں رہوں گا۔ یہ سن کر حضرتؐ نے فرمایا۔ "کہ اگر تیری زبان موافق تیرے دل کے ہے تو بالیقین خدائے تعالےٰ نے تجھ کو بمنزلہ میرے سمع و بصر کرے گا۔ اور تجھکو میرے ساتھ وہ نسبت ہوگی جو کہ سر کو جسم سے اور روح کو بدن سے ہوتی ہے۔"

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ابو بکرؓ کا بوحی الٰہی حضورؐ کے ہمراہ ہجرت کرنا اور پیغمبر خدا کا ابو بکرؓ کو سمع و بصر سے تشبیہ دینا نیز یہ فرمانا کہ "تجھکو میرے ساتھ وہی نسبت ہے جو روح کو بدن سے اور سر کو جسم سے ہوتی ہے" کیا فضیلت نہیں ہے؟ جو کچھ خدمتیں ابو بکرؓ نے کیں یعنی پیغمبر کو دوش پر چڑھا کر اور غار میں اوّل جانا اور اس کو صاف کرنا، اور قبا کو چاک کر کے سوراخوں کو

بند کرنا اور باقی ماندہ سوراخ کو اپنے کف پائے مسدود کرنا عشق و محبت اور جاں نثاری پر دلالت نہیں کرتا ہے۔ محبت کا یہ عالم تھا کہ جب حضورؐ کے ساتھ حضرت صدیق اکبرؓ چلے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ابو بکرؓ غار کی جانب متوجہ ہوئے تو کبھی آگے چلتے کبھی پیچھے۔ تھوڑی دیر دائیں جانب چلتے اور راستہ کاٹ کر بائیں ہو جاتے۔ اس پر نبی اکرمؐ نے دریافت فرمایا۔

"اے ابو بکرؓ میں نے تمہاری حالت ایسی کبھی نہیں دیکھی تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ جو متفرق راہ چل رہے ہو؟"

صدیق اکبرؓ نے فرمایا:۔

یا رسول اللہؐ دشمنوں کے شر سے آپ کی نگہبانی میرا مقصود ہے۔ خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ ادھر ادھر سے دشمن نکل آئیں۔"

اور کئی کوس تک خلیفہ اوّل ابو بکر صدیقؓ پیغمبر علیہ والسلام کو اپنی پشت پر سوار کر کے چلے اور پنجوں کے بل راستہ طے کیا کہ پورا قدم ٹکنے سے اندیشہ تھا۔ کہ کفار کھوج نہ پالیں پس ثابت ہوا کہ ابو بکر صدیقؓ میں بار نبوت برداشت کرنے کی نہایت درجہ طاقت تھی اس کے برخلاف فتح مکہ کے دن ایک موقعہ پر نبی اکرمؐ حضرت علیؓ سے فرما چکے تھے کہ

"تم بار نبوت کو برداشت کرنے کی تاب نہ لا سکو گے"۔

سبحان اللہ کیا شان ہے کہ صدیق اکبرؓ کی کہ جن کے دوش پر شاہ نبوت نے قدم رکھا۔ اور غار کے اندر اپنے زانوں پر حضورؐ کو سلایا، اور جب ابو بکرؓ کے ایک پاؤں میں جو سوراخ بند کرنے کیلئے رکھا تھا سانپ نے کاٹا۔ تو اس خیال سے کہ رسول اکرم سو رہے ہیں جنبش تک نہ کی کہ کہیں آپ بیدار نہ ہو جائیں ادھر زہر پورے بدن میں پھیل گیا اور شدت پسینہ کی وجہ سے

جب رخسار مبارک پر پسینے کے قطرہ گرے تو آپ کی آنکھ کھل گئی اپنے جاں نثار کو اس حالت میں دیکھا۔ وجہ دریافت فرمائی، اور لعاب دہن لگا دیا۔ پھر جب تک آپؐ غار میں رہے تب تک حضرت صدیق اکبرؓ کے گھر سے برابر ان کا لڑکا کھانا پہونچاتا رہا اور حضورؐ کو کھلاتا رہا۔

کیا اب بھی حضرت علیؓ کا بستر رسالت پر استراحت فرمانا خلافت بلافصل کے لئے دلیل بن سکتا ہے؟ اگر بن سکتا ہے تو پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ کا ایک رفیق کی حیثیت سے نبی اکرمؐ کے ہمراہ ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔؟

حضرت ابو بکرؓ بلاشبہ خلیفۃ الرسول اللہ تھے جس پر یقین نہ کرنا اول تو ان احادیث کو کالعدم قرار دیتا ہے جن میں صدیق اکبر کو جانشین رسولؐ کی حیثیت سے اشارہ فرمایا گیا ہے۔ ان میں سے بعض احادیث ہم گزشتہ اوراق میں درج کر چکے ہیں۔ دوسرے صدیق اکبرؓ کی خلافت پر بلا اختلاف صحابہ کا اجماع ہو چکا ہے اور بحیثیت خلیفہ اول تاریخ اپنی مہر ثبت کر چکی ہے اس سے اختلاف کی صورت میں اجماع صحابہ کو باطل قرار دینا ہوگا۔ جو کسی صورت سے جائز و ممکن نہیں بلکہ صحابہ جس کسی مسئلہ پر متفق ہو جائیں وہ حق ہوگا۔ اس کی اتباع ہر حالت میں مسلمانوں کے لئے لازمی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ حضرت علیؓ کو بلافصل خلیفہ تسلیم کیا جائے، اور پھر جب حضرت علیؓ خود صدیق اکبر کو خلیفہ اول تسلیم کرتے ہوئے بیعت فرما چکے ہوں۔ لیکن ظفر صاحب کو تو اس سے بھی انکار ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کر لی تھی۔ چنانچہ صفحہ ۵۶ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"مسلمانوں نے بلا کسی اختلاف کے آپ (حضرت ابو بکرؓ) کے ہاتھ پر بیعت کر لی سوائے حضرت علیؓ کے جن کا موقف یہ تھا کہ نیابت رسول

صرف ان کا حق ہے اور ان کی موجودگی میں کسی دوسرے کو یہ
حیثیت حاصل نہیں۔"

توبہ! توبہ! حضرت علیؓ پر کتنا شرمناک الزام لگانے کی جسارت کی ہے جس کو تسلیم کرنا تو کجا، ہم تصور بھی نہیں کر سکتے کہ حضرت علیؓ جیسے ممتاز ذی علم، دانا صحابی عدم بیعت کے مرتکب ہوئے ہوں گے[1] جبکہ نبی اکرمؐ کی یہ واضح حدیث ان کے سامنے موجود تھی۔

"جس نے جماعت کا ساتھ چھوڑ دیا اور خلیفہ کی اطاعت سے باہر ہو گیا اور اسی حالت میں بغیر توبہ کے مرگیا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔"

ایک طرف اہلبیت کی مدح سرائی بھی ہے اور دوسری طرف ان پاک باطنوں پر اتنا بڑا الزام! اسی کو کہتے ہیں "گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے"۔ خلاصہ یہ کہ حضرت ابوبکرؓ کی بیعت سے بنو ہاشم کا اختلاف میرے نزدیک نا قابل قبول ہے کیونکہ بنو ہاشم نے حضرت ابوبکرؓ پر بیعت کی، یہاں تک کہ جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو ان کی بیعت کرنے والوں میں بھی سب سے اول بنو ہاشم ہی تھے ایک اور جماعت مہاجرین کی تھی۔ جو حضرت ابوبکرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ کہتی تھی، اور مہاجرین کیلئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اولئک ھم الصادقون (وہی ہیں سچے)

لہذا اگر صدیق اکبرؓ کو خلیفہ بحق تسلیم نہ کیا جائے تو مہاجرین بھی سچے نہیں رہیں گے۔ حالانکہ یہ آیت کے حکم کے خلاف ہے۔

---

[1] حضرت علیؓ کی بیعت کے سلسلے میں تفصیلی بحث اسی کتاب کے صفحہ ۲۵ اور ۴۲ تا ۴۵ ملاحظہ فرمائیں۔

اب رہا بنو ہاشم کو امارت نہ دینے کا سوال جیسا کہ ظفر صاحب کا بھی خیال ہے کہ "خلیفہ اوّل و دوم کے تیرہ سالہ دور نے مسلمانوں کے ذہن سے اہلبیت کی اہمیت اور ان کے رتبہ کو بہت کچھ کم کر دیا تھا اور یہ اہلبیت رسول کو مسلسل نظر انداز کرنے کا نتیجہ تھا کہ قریش کا ہر شخص خلیفۃ المسلمین بننے کا خواب دیکھتا تھا۔"

یہ پوری عبارت جہل اور تعصب کا نتیجہ ہے ہر دو خلفاء رسول اللہ ؐ کے قرابت داروں کو سب پر مقدم رکھتے تھے۔ جیسا کہ قحط کے زمانے میں حضرت عمرؓ نے حضورؐ کے عم محترم حضرت عباسؓ کو خدا کے حضور سفارشی بنایا۔ اور جب بیت المقدس کی صلح کے لئے شام تشریف لے گئے تو حضرت علیؓ کو اپنا قائم مقام بنایا۔ البتہ بنو ہاشم کو امارت نہ دینے کا سوال تو انھوں نے حضرت عباسؓ سے فرمایا تھا کہ

"میں نے دیکھا ہے کہ حضورؐ آپ لوگوں کو چھوڑ کر دوسروں کو عامل مقرر فرمایا کرتے تھے۔ بخدا میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ حضرات کو اس خدمت سے ارادتاً دور رکھتے تھے حالانکہ آپ اس کے اہل تھے یا ذات رسالت کو یہ اندیشہ تھا کہ آپ لوگ اسے اپنے مرتبہ کے لئے استعمال کریں گے اور آپ پر عتاب ہوگا اور عتاب ضرور ہوگا"

حضرت عمرؓ کو یہ اندیشہ تھا کہ بنو ہاشم خلافت کو رسولؐ کی میراث سمجھ لیں گے یہی بات جیسا کہ بعض روایت سے ثابت ہے کہ فاروق اعظم نے حضرت عباس سے فرمائی تھی کہ

"لوگوں نے پسند نہ کیا نبوت و خلافت دونوں تمہیں مل جائیں چنانچہ خلافت قریش نے اپنے لئے منتخب کر لی اور یہ بالکل ٹھیک کیا"

حضرت عمرؓ کا یہ خیال کس قدر صحیح تھا کہ بنو ہاشم خلافت کو میراث رسولؐ نہ سمجھ لیں چنانچہ آج تک ذہنوں میں یہ خناس گھسا ہوا ہے کہ نیابت رسول صرف اہلبیت کا حق ہے۔

خلافت بلافصل کے سلسلہ میں ایک دلیل یہ پیش کی گئی کہ جب رسولؐ اللہ مدینہ سے باہر تشریف لے گئے تو حضرت علیؓ آپ کے قائم مقام بنے۔ بلاشبہ یہ بڑی فضیلت ہے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل سے یہ کب لازم آتا ہے کہ حضرت علیؓ کو تمام صحابہ سے افضل تصور کیا جائے یا حضورؐ کے اس حکم کو خلافت بلافصل کیلئے حجت بنایا جائے۔ وہاں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل مقصود ہے وہ حکم خواہ کسی کے لئے صادر ہو اس کا بجا لانا فرض ہے۔ کون، کب، کہاں اور کس منصب کے لئے مناسب ہے اس کے فیصلہ کا کسی کو حق نہیں اس کا انتخاب صرف نبی اکرمؐ کو کرنا ہے آپ ہی موقعہ اور مصلحت کے تحت بہتر انتخاب کر سکتے ہیں۔ جیسا کام ہوتا ہے ویسی ہی شخصیتوں کا انتخاب ہوتا ہے۔ ایک شخص میں تمام صفات جمع نہیں ہو سکتیں۔ مثلاً جب انمار، ثعلبہ اور بنی غطفان کے قبائل علاقہ نجد کے قریب جمع ہوئے تاکہ مدینہ پر حملہ آور ہوں اور حضورؐ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ چار سو صحابہ کیساتھ ان کی مدافعت کیلئے روانہ ہوئے اور آپ نے اس غزوہ میں حضرت عثمانؓ کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا، اور غزوہ ذات الرقاع میں بھی مدینہ میں حضورؐ کی نیابت کا شرف حاصل ہوا۔

تو کیا ہم ان مثالوں کو حضرت عثمانؓ کی خلافت بلافصل ثابت کرنے کے لئے بطور استدلال پیش کر سکتے ہیں؟ اگر یہی خیال ہے کہ رسولؐ کی قائم مقامی ہی خلافت بلافصل کی دلیل ہے تو سنیئے۔

شکست احد کے بعد جب یہ خبر پہونچی کہ ابو سفیان پھر حملہ کرنا چاہتا ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کو اس کے مقابلہ کے لئے روانہ فرمایا۔ اور چوتھے سال غزوہ بنی نضیر میں ابو بکرؓ کو امیر لشکر مقرر فرما کر خود حضورؐ دولت خانہ تشریف لیگئے، اور چھٹے سال جب غزوہ بنی لحیان کے لئے نکلے اور اس قبیلہ نے آنحضرت کی آمد کی خبر سنی تو پہاڑ کی چوٹیوں پر قلعہ بند ہوگیا۔ آنحضرت نے ایک دو روز وہیں پڑاؤ کر کے مختلف سمت فوجی دستے روانہ فرمائے، اور ان میں سب سے عمدہ دستہ ابو بکر صدیقؓ کی سرکردگی میں تھا۔ جو کراع الغمیم کی طرف روانہ ہوا۔ غزوہ تبوک میں فرمان پیغمبری نے شرف صدور پایا کہ لشکر ظفر پیکر مدینہ سے باہر نکل کر ثنیۃ الوداع کے مقام پر اکٹھا ہو اور امیر لشکر صدیقؓ ہوں اور انھیں کی صواب دید پر سب ہوا۔ غزوہ خیبر میں جب پیغمبر علیہ السلام کو درد شقیقہ کی شکایت لاحق ہوئی اور ادھر قلعہ کا معاملہ درپیش تھا۔ تو آپ نے ابو بکرؓ کو امیر لشکر مقرر فرما کر قلعہ کی طرف روانہ فرمایا چنانچہ اس روز صدیق اکبرؓ نے سخت لڑائی لڑی۔ حضرت ابو بکرؓ کو بنو کلاب کی سرکوبی کے لئے بھیجا اور سلمہ بن رکوع کو معہ سال کے آپ کی ہمرکابی میں کیا۔ پھر آپ نے بنو کلاب سے لڑائی لڑی اور بنو فزارہ پر بھی امیر لشکر حضرت ابو بکرؓ ہی تھے۔ غزوہ تبوک کے بعد حضورؐ کو معلوم ہوا، کہ ایک قوم وادی الرمل میں جمع ہوئی ہے اور شبخون کا ارادہ رکھتی ہے۔ حضورؐ نے ابو بکرؓ کو اپنا نشان دے کر اور امیر لشکر بنا کر اس جماعت کی سرکوبی کے لئے بھیجا اسی طرح بنی عمر اور بنی عوف کے درمیان جب خانہ جنگی واقع ہوئی اور آپ کا اصلاح کے لئے ان کے محلے میں تشریف لے جانے لگے تو حضرت بلالؓ سے ارشاد فرما گئے کہ اگر نماز کا وقت آجائے اور میں نہ آسکوں تو ابو بکرؓ سے کہو کہ وہ نماز

پڑھائیں چنانچہ عمر کے وقت ایسا ہی ہوا۔ نویں سال جب حج فرض ہوا تو حضورؐ کا جانا بعض امور کی وجہ سے ملتوی رہا تو آپ نے ابوبکرؓ کو امیر حج بنا کر صحابہ کی جماعت کثیر کیساتھ مکہ روانہ کیا اس جماعت میں حضرت علیؓ بھی شامل تھے، اور صدیق اکبرؓ سے فرمایا کہ وہ مخلوق کو اس عبادت کے قواعد سے آگاہ کریں۔

اب غور فرمائیے تینوں امور دین یعنی جہاد، حج اور نماز میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی موجودگی میں حضرت ابوبکرؓ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ اب کونسا امر دینی باقی رہ جاتا ہے جس میں حضرت ابوبکرؓ لیاقت، نیابت یا امامت کی اہلیت نہیں رکھتے تھے۔ اور پھر آپ نے حضرت ابوبکرؓ کو اپنا مشیر و وزیر بنایا۔ بغیر آپ کی موجودگی کے دین کے کاموں سے کوئی کام انجام نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

" ابوبکرؓ اور عمرؓ دونوں دین کے لئے کان اور آنکھوں کی طرح ہیں اور فرمایا مجھکو حق تعالےٰ نے چار وزیر عطا کئے دو اہل زمین سے یعنی ابوبکرؓ اور عمرؓ اور دو اہل آسمان سے یعنی جبریلؑ اور میکائیلؑ "

اگر کسی کام کے لئے نہ بھیجنا عدم لیاقت و امامت کا سبب ہے تو لازم آتا ہے کہ حضرات حسنینؓ بھی امامت کے لائق نہ تھے۔ کیونکہ حضرت علیؓ نے ان ہر دو کو کسی لڑائی یا کسی کام کے لئے نہیں بھیجا۔

اگر امامت کے لئے صرف ایمان میں سبقت لازم ہے تو حضرت خدیجہؓ بھی امامت کی مستحق ہوتی ہیں۔ کیونکہ سب سے پہلے آپ ہی ایمان لائیں اگر آپ یہ کہیں گے کہ حضرت خدیجہؓ میں یہ مانع تھا کہ وہ عورت تھیں تو ہم کہیں گے کہ حضرت علیؓ میں بھی کچھ موانع تھے اور وہ وقت کا ابھی نہ آنا تھا جب آپ سے وہ مانع ہٹ گیا آپ خلیفہ ہو گئے، اور وہ مانع تھا خلفاء ثلاثہ کا ترتیب کے

ساتھ خلیفہ ہونا جو تمام صحابہ حتیٰ کہ علیؓ کے نزدیک اصلح تھے۔

"ایک دلیل یہ بھی دی ہے کہ رسول اللہ نے تمام غزوات میں سے کسی میں بھی حضرت علیؓ کو کسی کا ماتحت اور کسی دوسرے کی سرداری میں رہنے کا حکم نہیں دیا جب کہ حضرت ابوبکرؓ عمرؓ اور عثمانؓ مختلف اوقات میں مختلف سرداران لشکر کی ماتحتی میں رہے جس سے اگر یہ نتیجہ اخذ کیا جائے کہ رسولؐ کے بعد حضرت علیؓ کی افضیلت شک وشبہ سے بالاتر ہے تو غلط نہ ہوگا اور انھیں عوامل کی بنا پر ان کو نبوت ورسالت کا حامل قرار دیا جاتا ہے۔"

حضرت علیؓ کسی غزوہ میں کسی کے ماتحت رہے یا نہیں اس کا جواب تو بعد میں دوں گا پہلے یہ دیکھنا ہے کہ ظفر صاحب کا یہ کہنا کہ کسی کی ماتحتی میں نہ ہونا ہی فضیلت ونبوت کی دلیل ہے کہاں تک درست ہے ان کے خیال میں چونکہ حضرت علیؓ کو کسی دوسرے کی سرداری یا ماتحتی میں نہیں رکھا گیا۔ اس وجہ سے وہ رسولؐ کے بعد افضل اور خلیفہ بلافصل ہیں۔ گویا جو شخص کسی کی ماتحتی یا سرداری میں رہا ہو اس کی فضیلت اس شخص کے ہم پلہ نہیں ہو سکتی جو کسی کا ماتحت ہو۔ دوسرے لفظوں میں وہ نبوت ورسالت کا حامل بھی نہیں ہو سکتا۔

اب ظفر صاحب سے کیا کہیں کہ اس مفروضہ دلیل سے وہ خود دام میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ حضرت علیؓ کی فضیلت ثابت کرتے کرتے وہ نبی اکرمؐ کی تنقیص کے بھی مرتکب ہو گئے ہیں، جو سراسر کفر ہے۔ وہ حضرات جو اس قسم کی دلیلوں کو فخر ومباہات سے پیش کر کے ایمان ولیقین سے تعبیر کرتے ہیں ان کی خوش فہمی یا تو بے غیرتی کی دلیل ہے یا سادہ لوحی کی اور یہ دونوں چیزیں

یکساں قابل ماتم ہیں۔ تاریخ داں بننے سے پہلے تاریخ کے اوراق کا مطالعہ آخر کیوں نہیں کیا جاتا۔ کہ غزوہ خیبر میں جیش اسلامی کے مختلف دستوں میں سے حملہ آور دستہ میں جس کی کمان حضرت محمود بن سلمہؓ کے ہاتھ میں تھی افسر دوجہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود ایک سپاہی کی حیثیت سے شریک تھے۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے امام دوجہاں ہونے کے باوجود حضورؐ نے سیدنا صدیق اکبرؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی اقتدا میں نماز ادا فرمائی کیا حضرت محمود بن سلمہؓ کو اس شرف سے جو نبی اکرم نے ان کو بخشا۔ نبی اکرمؐ سے زیادہ افضل قرار دیا جائے گا؟ یا نبی اکرمؐ کا حضرت محمود بن سلمہؓ کی سرداری میں رہنا حضورؐ کی فضیلت یا نبوت و رسالت کے مانع آئے گا؟ یقیناً نہیں تو پھر حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اگر مختلف سرداران لشکر کی ماتحتی میں رہے تو ان کی فضیلت کس طرح مجروح ہو سکتی ہے۔ یا حضرت علیؓ کا کسی کی ماتحتی میں نہ رہنا نبوت و رسالت یا خلافت بلافصل کا کیوں کر موجب ہو سکتا ہے۔

حالانکہ حضرت علیؓ کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ کسی کی ماتحتی میں نہیں رہے غلط ہے۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو ایک کثیر جماعت کے ساتھ امیر حج بنا کر روانہ کیا تو حضرت علیؓ بھی اس جماعت میں شریک تھے اور انھوں نے صدیق اکبرؓ کی سرداری میں حج ادا کیا۔ پھر جب امامت کیلئے صدیق اکبر کا انتخاب ہوا تو مقتدی کی حیثیت سے حضرت علیؓ نے نمازیں ادا کیں۔ جنگ احد میں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر بن عوامؓ کو سپہ سالار مقرر فرمایا اور مصعبؓ بن عمیر کو علم دیا تو تمام موجود صحابہ نے ان کی سرداری میں جہاد کیا اور حضرت علیؓ اس صحابہ کی جماعت میں شامل

تھے۔ لہٰذا ظفر صاحب کا یہ دعوہ کہ رسول اللہ نے علیؓ کے لئے سوائے ما بینٔ ماتحتی کے ان پر کسی کی بالادستی نہیں فرمائی غلط ہے۔

جہاں تک ان احادیث کا تعلق ہے۔ جو اہلبیت خصوصاً حضرت علیؓ کے وفضائل پر دلالت کرتی ہیں خدا کے فضل سے وہ سب اہل سنت ہی کی ذکر کردہ ہیں۔ جو انھوں نے خوارج کے مقابلہ میں بیان کیں کیونکہ خوارج حضرت علیؓ اور اہلبیت کی شان میں لعن طعن کیا کرتے تھے۔

دوسرے یہ کہ وہ دلائل جن سے حضرت علیؓ کی خلافت ثابت ہوتی ہے وہ بھی قابل تسلیم ہیں کہ ایک وقت جناب امیرؓ خلیفہ برحق ہوں گے اور خلافت راشدہ کے مستحق بھی۔ لیکن ان میں نہ تو وقت وزمانہ کا تعین ہے نہ اس کی تشریح ہے کہ ان کا زمانہ نبوت سے متصل ہوگا۔ لیکن وہ دلیلیں جو جناب امیر کی خلافت بلافصل پر دلالت کرتی ہیں، اور خلفاء ثلاثہ کی امامت کو سلب کرتی ہیں یا ترتیب امامت کے خلاف ہیں ناقابل قبول ہیں۔ جن پر مذہب شیعہ اور ظفر صاحب ہی کا ایمان ہو سکتا ہے۔

اب ہم ظفر صاحب کی پیش کردہ ان احادیث پر بحث کریں گے جن سے انھوں نے حضرت علیؓ کی خلافت کو بلا فصل ثابت کرنے کی کوشش کی ہے:۔

— اَمَا[1] تَرضٰی اَن تَکُونَ مِنِّی بِمَنزِلَۃِ ھَارُونَ مِنْ مُوسیٰ اِلّا اَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِی۔

---

[1] ظفر صاحب لفظ اَمَا ترضیٰ کے بجائے الا ترضیٰ تحریر فرماتے ہیں گویا موصوف حدیث میں بھی لفظی ترمیم وتنسیخ کی جرأت رکھتے ہیں۔

ترجمہ۔ کیا تم اس پر خوش نہیں کہ تم میرے لئے ایسے ہو جیسے
ہارونؑ موسیٰؑ کے لئے مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔"

ظفر صاحب نے انتہائی غلو سے کام لیتے ہوئے محض قیاس کی بنیاد پر یہ فیصلہ کر دیا کہ اس ارشادِ رسولؐ نے علی کا رتبہ رسولوں جیسا کر دیا ہے اور اگر لا نبی بعدی کا اضافہ نہ ہوتا تو علی کا شمار بھی مرسلوں میں ہوتا۔ حدیث کے سیاق و سباق سے قطع نظر اس پر ظاہری اعتبار سے رائے زنی کرنا محض مطلب براری کے لئے معنی و مطالب گڑھ لینا بد دیانتی کی کھلی دلیل ہے آخر مذکورہ حدیث سے یہ مطلب کب نکلتا ہے کہ لا نبی بعدی کا اضافہ اگر نہ ہوتا تو علی کا شمار مرسلوں میں ہوتا اس سے مساوات کب لازم آتی ہے ہاں مساوات اگر تمام صفات میں مراد لیں تو لازم آتا ہے کہ حضرت علی تمام خصوصیات پیغمبری میں رسولوں کے ساتھ شریک ہوں مثلاً نبوت، رسالت، خاتمیت، تمام مخلوق کی طرف بعثت۔ چار بیبیوں سے زائد نکاح جائز ہونا، قیامت کے روز رسول جیسا بلند درجہ حاصل ہونا۔ شفاعت کرنی نصیب ہونا۔ مقام محمود ملنا، وحی کا اترنا وغیرہ وغیرہ۔ جب اس میں شرکت بالاجماع باطل ہے تو غیر نبی کو رسولوں جیسا گمان کرنا یا منصب رسالت کی خصوصیات کا حامل سمجھنا کیا کفر نہیں ہے! کیا منزلت کے یہی تعریف ہے کہ ہم غیر نبی کی صفات کو ایک نبی کی صفات کے مشابہہ قرار دیں! اور اگر بعض صفات میں مساوات مراد لیں بھی تو اس سے مقصد کب حل ہوتا ہے۔ اگر مذکورہ حدیث کے اصل مفہوم کو چھوڑ کر نظریاتی اختلاف کی بنا پر اس ارشاد رسولؐ سے کوئی یہ مطلب لیتا ہے۔ کہ علیؓ کی منزلت مثل رسولوں کے ہے۔ تو پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے اس واضح ارشاد کی آخر کیا توجیہہ ہوگی۔

لو کان بعدی نبیٌ لکان عمرؓ

اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتے

کیا یہ صریح و محکم حدیث اسپر دلالت نہیں کرتی کہ نبی اکرمؐ کے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے۔

اب ہم مذکورہ حدیث کے سیاق و سباق پر بحث کرتے ہیں۔

غزوہ تبوک کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو اہلبیت کی عورتوں اور بچوں پر خلیفہ بنایا اور خود غزوہ کے لئے روانہ ہوئے تو حضرت علیؓ نے عرض کیا یارسول اللہ کیا آپ مجھکو عورتوں پر بچوں پر خلیفہ بناتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کیا تم اس پر خوش نہیں کہ تم میرے لئے ایسے ہو جیسے ہارون موسیٰ کے لئے مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔" ایک فرقے نے اس سے استدلال لیا کہ یہ خلافت عورتوں بچوں کی خلافت نہ تھی بلکہ دوسری خلافت تھی۔ حالانکہ اہل سیر سے یہ ثابت ہے کہ اس موقع پر حضورؐ نے مدینہ کا صوبیدار محمدؓ بن مسلمہ کو بنایا۔ اور سباعؓ عرفطہ کو مدینہ کا کوتوال اور ابن ام مکتوم کو اپنی مسجد کا پیش امام اگر حضرت علیؓ کی خلافت عام ہوتی تو ان امور کے کیا معنے تھے۔

لہذا معلوم ہوا کہ یہ خلافت محض امور خانگی کی غور پرداخت اور اہل و عیال کی دیکھ بھال سے متعلق تھی اور یہ حقیقت سے قریب بھی ہے کہ اس قسم کی دیکھ بھال ایسے ہی آدمی سے سرانجام پا سکتی ہے۔ جو محرم اور خانہ زاد ہو۔

دوسری مطابقت یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ کوہ طور کی طرف روانہ ہوئے

تو حضرت ہارونؑ ان کے خلیفہ ہوئے۔ اسی طرح جب حضورؐ غزوہ تبوک کے لئے روانہ ہوئے تو حضرت علیؓ ان کے خلیفہ ہوئے لیکن یہ استخلاف اتنی ہی مدت تک درست ہوگا جب تک کہ بادشاہ وقت دار السلطنت سے باہر رہے۔ ان کی واپسی پر استخلاف بھی ختم ہو جائے گا۔ چنانچہ جس طرح حضرت موسیٰؑ کی واپسی پر حضرت ہارونؑ کا استخلاف ختم ہو گیا تھا۔ اسی طرح نبی اکرم کی واپسی پر حضرت علیؓ کا استخلاف بھی ختم ہو گیا۔

اگر یہ خیال ہے کہ جس طرح موسیٰؑ کے خلیفہ اور وصی ہارونؑ تھے اسی طرح حضورؐ کے وصی و خلیفہ حضرت علیؓ تھے تو اس تمثیل میں کتنی مغایرت و مخالفت ہے۔

۱۔ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے حقیقی بھائی اور
حضرت علیؓ چچا زاد بھائی جن کے والد بھی کافر تھے

۲۔ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے بڑے بھائی تو
حضرت علیؓ ۲۳ برس چھوٹے

۳۔ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ سے پہلے انتقال کر گئے اور
حضرت علیؓ ۳۰ برس بعد تک زندہ رہے

۴۔ حضرت موسیٰؑ پر حضرت ہارون کے قتل کا الزام قوم نے لگایا اور
حضورؐ پر حضرت علیؓ کے قتل کا الزام نہیں لگایا گیا۔

۵۔ حضرت موسیٰؑ نے حضرت ہارونؑ کا سر اور داڑھی پکڑ کر کھینچا تھا۔
حضورؐ نے ایسا کبھی نہیں کیا۔

۶۔ حضرت ہارونؑ کے سامنے بچھڑے کی پرستش آلِ یعقوب نے شروع کی تو حضرت علیؓ کے سامنے آلِ رسولؐ نے کسی بچھڑے کی پرستش

نہیں کی۔

۷۔ حضرت موسیٰؑ کی دعا سے حضرت ہارونؑ کو پیغمبری دی گئی اور حضرت علیؓ کے لئے پیغمبر نے کوئی دعا نہیں کی۔ بلکہ عقیدہ ظفر تو یہ ہے کہ جبریلؑ پیغمبری علیؓ کے لئے لائے تھے، اور غلطی سے محمدؐ کو دے گئے اور محمدؐ نے علیؓ کو خلافت اور لڑکی دیکر راضی کر لیا۔ (نعوذ باللہ)

۸۔ حضرت موسیٰؑ کی زندگی میں حضرت ہارونؑ آپ کی غیر موجودگی میں خلیفہ ہوتے تھے۔ لیکن حضرت موسیٰ کی وفات کے بعد یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا خلیفہ ہوئے تو اس سے یہ لازم آیا کہ حضرت علیؓ بھی حضورؐ کی زندگی میں آپ کی غیر موجودگی میں خلیفہ ہوں نہ کہ وفات کے بعد بلکہ حضورؐ کے بعد دوسرے خلفاء ہوں جیسے صدیقؓ، عمرؓ، عثمانؓ تاکہ تشبیہ پوری طرح صحیح ہو سکے۔

لہذا ثابت ہوا کہ اس حدیث سے حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل پایہ ثبوت کو ہرگز نہیں پہونچتی۔

اب ظفر صاحب کے اس عقیدے کی بھی اصلاح ضروری ہے کہ دینی و روحانی نیابت و خلافت روز اول سے صرف حضرت علیؓ کو حاصل تھی اور دنیاوی و مادی نیابت جس میں حکومت کا نظم و نسق جیسی ذمہ داریاں شامل ہیں وہ بے شک اپنے اپنے وقت پر رسولؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے سپرد ہوتی رہیں۔ بالفاظ دیگر دین صرف حضرت علیؓ کے حصہ میں آیا اور دنیا خلفاء ثلاثہ کے سپرد ہوئی یعنی دینی امور میں اصحاب ثلاثہ کسی درجہ کے حامل نہ تھے صرف دنیاوی و مادی صلاحیتیں ان میں تھیں۔ اگر ایسا ہی خیال ہے تو حضرت علیؓ کو دنیاوی خلافت

حقدار سمجھنے اور اوّل خلافت نہ ملنے پر ماتم اور ہنگامہ کیوں؟ جب خلفائے ثلاثہ دنیاوی اور مادّی امور کی انجام دہی کے لئے منتخب کئے گئے تھے۔ تو بقول آپ کے خلافت عامہ کے بھی وہی حقدار ہوئے۔ پھر خلافت خاصہ (دینی امور) پر شروع سے منتخب کیا ہوا فرد ہر سہ خلیفہ کے انتخاب پر کیوں ناحق طلب کرتا رہا۔ جس طرح اور جلیل القدر صحابہ جن کے سپرد اشاعت وتبلیغ دین کے کام سپرد تھے، اور وہ آخر وقت تک دنیاوی امور سے بے تعلق رہ کر دینی امور کے فرائض انجام دیتے رہے۔ حضرت علیؓ نے یہ راہ اپنے لئے کیوں نہ متعین کی۔ ؟ یہی نہیں بلکہ خلافت عامہ قبول بھی کر لی پھر آپ کے اس معروضہ بیان کی کیا صحت باقی رہ جاتی ہے کہ ہر سہ خلیفہ حضرت علیؓ کی حق تلفی کرتے رہے اور ان کو خلافت سے محروم رکھا (نعوذ باللہ) کیسی کیسی باتیں خلفاء ثلاثہ اور عشرہ مبشرہ صحابیوں کے خلاف ظفر صاحب نے سپرد قلم کر دی ہیں۔ جو یقیناً ایک سُنی مسلمان کے قلم سے ادا نہیں ہوسکتیں یہ کہاں تک درست ہوسکتا ہے۔ کہ ہم دینی رہنمائی کے لئے صرف حضرت علیؓ پر انحصار کریں اور دوسرے صحابہ کرام کو حصول علم دین کا ذریعہ مانیں ہی نہیں۔ گویا یہ سارے صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں بلکہ حضرت علیؓ کے شاگرد تھے؟ کیا کبھی ایسا ہوا کہ حضورؐ کو خدا کی طرف سے جو احکام پہونچے ہوں وہ آپ نے صرف حضرت علیؓ کو بتلائے ہوں اور دنیا تک انھیں پہونچانے کی خدمت تنہا حضرت علیؓ نے انجام دی ہو۔ ؟ یا کسی نے حضورؐ سے کوئی دین کی بات پوچھی ہو۔ اور حضورؐ نے فرمایا ہو کہ علیؓ سے جاکر پوچھو؟ اگر نبوت کی ۲۳ سالہ زندگی میں ایسا کبھی نہیں ہوا تو آخر اس قول کا کیا مطلب ہے کہ دینی نیابت حضورؐ کے بعد روز اوّل سے صرف حضرت علیؓ کو حاصل تھی؟ اس کے برخلاف حضورؐ کی یہ حدیثیں ہیں۔

ابوداؤد میں حضرت ابوذرؓ حضورؐ کا یہ ارشاد روایت کرتے ہیں ۔

ان اللہ وضع الحق علی لسان عمر یقول بہ

"اللہ نے حق عمرؓ کی زبان پر رکھ دیا ہے اسی کے مطابق وہ بات کرتا ہے"

اِقْتَدَوا بالـذین مِن بَعدِی ابی بکر و عمر

"میرے بعد دین میں پیروی ابوبکرؓ و عمرؓ کی کرو۔"

خود حضرت علیؓ نے ایک تقریر میں برسر منبر صاف صاف فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کے بہترین آدمی ابوبکرؓ ہیں اور ان کے بعد عمرؓ۔

بخاری و مسلم میں ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک روز حضورؐ نے فرمایا

"رات میں نے خواب میں دیکھا کہ لوگ میرے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں اور وہ چھوٹے بڑے کرتے پہنے ہوئے ہیں۔ کسی کا کرتا سینہ تک ہے کسی کا زیادہ نیچے تک اور عمرؓ میرے سامنے پیش کئے گئے تو ان کا کرتا زمین پر گھسٹ رہا تھا۔ حاضرین نے پوچھا کہ پھر حضورؐ نے اس کی کیا تاویل فرمائی؟ ارشاد ہوا۔ کہ کرتے سے مراد دین ہے۔"

کیا حضرت عمرؓ کی یہ فضیلت کچھ کم ہے کہ حضور نے خود یہ دعا فرمائی کہ

"یا اللہ دین کو عمر یا ابوجہل سے تقویت دے"

اور حضرت عمرؓ ایمان لانے کے بعد دین کے کیسے ستون بن گئے۔

اب یہ سمجھنا کہاں تک درست ہو سکتا ہے کہ بعثت نبوی کا مقصد صرف حضرت علیؓ کو دین کے اسرار و رموز سے آگاہ کرنا تھا اور صحابہ کرام کو اس فیوض نبوی سے کچھ بھی حاصل نہ ہو سکا۔

من کنت مولاہ فعلی مولاہ

میں جس کا مولا ہوں علی بھی اس کے مولیٰ ہیں

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اپنی مشہور کتاب "منہاج السنۃ" میں شیعوں کی اس وضعی حدیث پر تفصیلی گفتگو کی ہے اور فرمایا ہے کہ شیعوں نے یہ جھوٹی روایت مشہور کی ہے کہ آخری حج "حجۃ الوداع" سے واپس مدینہ آتے ہوئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مقام خم غدیر پر ٹھہرے وہاں آپ نے کھڑے ہوکر لوگوں کے سامنے علیؓ کے دونوں بازو تھام لئے، انھیں بلند کیا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

الیوم اکملت لکم دینکم

اس پر حضورؐ نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ اس نے دین کی تکمیل کردی ہے اور میری رسالت اور علیؓ کی ولایت پر رضامندی کا اظہار کیا پھر فرمایا اے اللہ جو علیؓ سے دوستی رکھے تو بھی اس سے دوستی رکھ جو اس کی مدد کرے تو بھی اس کی مدد کر۔

شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ یہ آیت الیوم (الی آخرہ) غدیر خم پر آنحضورؐ کے پہنچنے سے سات روز پہلے اس وقت نازل ہوئی تھی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عرفات میں ٹھہرے ہوئے تھے لہٰذا یہ حدیث وضعی ہے اور علماء موضوعات نے اس حدیث کو بالاتفاق جھوٹی بتایا ہے۔

اور اگر اس کو صحیح مان بھی لیا جائے تو اس سے خلافت کا مفہوم کب نکلتا ہے۔ سوائے اس کے کہ حضورؐ کے پیش نظر یہی معنی تھے کہ جیسے پیغمبر کی محبت تم پر فرض ہے اسی طرح حضرت علیؓ کی بھی محبت فرض ہے۔ اور اس کلام میں کسی اعتراض کی گنجائش نہیں ہے بلکہ یہی مذہب اہلسنت کا ہے چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے یہ معلوم ہوگیا تھا کہ حضرت علیؓ کے دور خلافت میں فسادات اور شورشیں اٹھ کھڑی ہوں گی اور لوگ امامت سے منکر ہوجائیں گے، عام بیعت خلافت نہ ہوسکے گی جس طرح خلفاء ثلاثہ

پھر حضور کے فرمان کو کس نے مانا تھا؟

کے عہد میں ہوئی تھی۔ اس اندیشہ کی بنا پر آپ نے لوگوں کو تلقین کی۔ ایک اور واقعہ سے بھی اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے کہ حضور کے پیش نظر اس حدیث سے حضرت علیؓ کی دوستی و محبت ہی تھی نہ کہ خلافت۔

ملک یمن کی مہم میں صحابہ کی ایک جماعت حضرت علیؓ کے ساتھ تھی جن میں حضرت بریدہؓ اسلمی، حضرت خالد بن ولید وغیرہ نے واپسی پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علیؓ کے بارے میں کچھ بے جا شکایتیں کیں۔ حضور نے دیکھا کہ اکثر لوگوں کی زبانوں پر اس قسم کی باتیں آچکی ہیں۔ اگر انفرادی طور پر لوگوں کو اس سے روکا گیا۔ تو پاس داری کا خیال رکھا جائے گا۔ لہذا آپ نے ایک عام خطبہ میں اس نصیحت کو

الستُ اَولیٰ بالمؤمنین من انفسہم ط

"کیا میں تمہاری جانوں سے زیادہ تم کو پسندیدہ نہیں ہوں"

سے شروع کیا جو نص قرآنی تھا۔ یعنی جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ از راہ شفقت و خیر خواہی ہے نہ کہ کسی کی پاس داری۔ اور پھر حضرت علیؓ کو خلیفہ کرنے یا نہ کرنے سے دین کی تکمیل کا کیا تعلق تھا۔ نعمت کا اتمام تو بیشک خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں ہو گیا تھا، مسلمان دینی و دنیاوی برکات سے مالا مال ہو گئے۔ مشرق سے مغرب تک اسلام پھیل چکا تھا، ہزاروں مسجدیں بن گئیں لاکھوں نمازی پیدا ہو گئے دائرہ اسلام وسیع ہوا، کفر کی سرحدیں گھٹ گئیں۔ شام مصر اور ایران فتح ہوا۔ کابل اور سندھ تک اسلام کا پھریرہ بلند ہوا جھنڈی نصب ہوئے اس کے برخلاف چھ برس کی حکومت میں بجز خانہ جنگیوں کے ایک ملک بھی کفار کا دائرہ اسلام میں آیا؟ کسی نئی جگہ اذان کی آواز بلند ہوئی؟ لیکن ہم پھر بھی ایک مسلمان کی حیثیت سے حضرت علیؓ کو خلیفہ برحق

ہی سمجھتے ہیں اور خلافت کی ترتیب پر ہمارا ایمان ہے۔ نہ کہ حضرت علیؓ کی خلافت کو بلا فصل قرار دے کر اصحاب ثلاثہ کی خلافت کو "خلافت عامہ" سے منسوب کرنا اور ان کو دینی قیادت کیلئے نااہل متصور کرنا ہمارا ایمان و مذہب ہے۔

انا مدينة العلم وعلى بابها

یہ حدیث بھی طعن سے پر ہے۔ آئیے سب سے پہلے تو یہ دیکھیں کہ بلحاظ روایت اس حدیث کا کیا مقام ہے اگر روایت ہی کمزور ثابت ہوگئی تو لمبی چوڑی بحث کے دروازے کھولنے سے کیا فائدہ۔ جیسا کہ ظفر صاحب نے بغیر سوچے سمجھے اس کی صحت و اہمیت پر پورا زور صرف کر دیا۔ اس حدیث کے متعلق بخاریؒ نے لکھا ہے کہ

"یہ منکر ہے اور اس کی نقل کا کوئی طریقہ بھی صحیح نہیں ہے۔

ابن جوزیؒ نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ روایت جتنے طریقوں سے بھی مروی ہے سب کی سب موضوع ہے۔ شیخ محی الدین نوویؒ، حافظ شمس الدین ذہبیؒ اور شیخ شمس الدین جزریؒ نے بھی اس کو موضوع قرار دیا ہے۔ صرف ترمذیؒ نے اس حدیث کو لیا ہے اس میں بھی انا مدینۃ العلم کے بجائے یہ الفاظ ہیں انا دار الحکمۃ وعلی بابھا (میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں) راوی اس کے خود حضرت علیؓ ہیں۔ امام ترمذی اس کو نقل کرنے کے بعد تبصرہ فرماتے ہیں کہ "یہ حدیث غریب وہ منکر ہے۔"

اب جس حدیث کا سند کے لحاظ سے یہ مقام ہو اس پر اتنا بڑا فیصلہ کر دینا کہ رسول کو پانے کیلئے پہلے علیؓ کا حاصل کرنا ناگزیر ہے۔ کہاں

تک درست ہو سکتا ہے۔ گویا دین کے احکام صرف حضرت علیؓ سے حاصل کئے جائیں اور دوسرے صحابہ کو حصول علم کا ذریعہ ہی نہ مانیں۔ یہ فیصلہ اگر کوئی کرتا ہے تو اس کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کو علم کے اس بہت بڑے حصہ سے محروم ہونا پڑے گا۔ جو دوسرے صحابہ کے ذریعہ سے منقول ہوا ہے۔ مثلاً حضورؐ نے حضرت زید بن ثابتؓ کے متعلق فرمایا کہ صحابہ میں" علم میراث کے وہ سب سے بڑے ماہر ہیں" حضرت معاذؓ بن جبل کے متعلق فرمایا۔ "حلال وحرام کو وہ سب سے زیادہ جانتے ہیں" حضرت ابی بن کعبؓ کے متعلق فرمایا "قرآن کے سب سے بڑی قاری وہ ہیں۔" حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے متعلق فرمایا کہ

"مجھے نہیں معلوم کہ میں تمہارے درمیان کتنی مدت رہوں گا۔ بس تم ابوبکرؓ و عمرؓ کی اقتدا کرنا۔"

مسند احمد میں حضرت امام حسنؓ بن علیؓ کی روایت ہے کہ ان کے والد سیدنا علیؓ نے بیان کیا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا۔ اتنے میں ابوبکرؓ و عمرؓ سامنے سے آتے نظر آئے۔ حضورؐ نے مجھ سے فرمایا۔

"اے علیؓ! یہ دونوں پیغمبروں کے بعد تمام سن رسیدہ اور جوان اہل جنت کے سردار ہیں۔"

ایک راوی ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ علقمہ نے کوفہ کی مسجد کے منبر پر ہاتھ مار کر کہا کہ اس منبر پر میں نے حضرت علیؓ کو خطبے میں یہ فرماتے سنا ہے کہ

خیر الناس کان بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر ثم عمر۔

اس کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بکثرت ارشادات اور عمل کو سامنے رکھا

جائے تو یہ حدیث کس طرح ٹکراتی ہے۔ مثلاً حضور نے بہت سے صحابہ کو اپنی حیات طیبہ میں مختلف ممالک اسلامیہ کے علاقوں میں عامل مقرر کیا۔ تحصیل صدقات کے منصب پر مامور فرمایا۔ نماز پڑھانے کی خدمت سپرد کی۔ تعلیم اور تبلیغ دین کے لئے صحابہ کو روانہ فرمایا۔ فوج کا افسر بنا کر مہمات پر بھیجا۔ یہ ایسے تاریخی حقائق ہیں جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا تو کیا یہ سب خدمات علم دین کے بغیر ہی انجام دی جاتی تھیں یا یہ کہ سارے صحابہ حضور کے نہیں بلکہ حضرت علیؓ کے شاگرد تھے۔؟ اگر یہ دونوں باتیں غلط ہیں تو پھر صحیح یہی بات ہے کہ ان صحابہ نے مدینۃ العلم یا دارالحکمۃ سے براہ راست علم و حکمت کی تعلیم حاصل کی تھی، اور یہ سب حضرت علیؓ کی طرح شہر علم اور حکمت کے دروازے تھے۔

اب غور فرمائیے! کہ حدیث انا مدینۃ العلم اگر صحیح ہے اور اس سے وہی مطلب لیا جا رہا ہے۔ جس کو ظفر صاحب نے روایت کیا ہے تو آخر ان احادیث کے متعلق کیا کہا جائے گا جو دوسرے صحابہ کے متعلق معتبر سندوں سے وارد ہوئی ہیں؟ اور اسے کیسے صحیح سمجھ لیا جائے کہ علیؓ مدینۃ العلم کے واحد باب ہیں، اور جس کو شہر میں داخل ہونا ہے وہ صرف اسی ایک دروازہ سے داخل ہو سکتا ہے؟ زیادہ سے زیادہ اگر تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ تو یہی صحیح ہو سکتا ہے کہ اس شہر کے دروازوں میں سے ایک دروازہ علیؓ ہیں۔ اس کے برخلاف دیلمی نے کتاب فردوس میں اسے ان الفاظ میں لکھا ہے:۔

"میں علم کا شہر ہوں ابو بکرؓ اس کی بنیاد ہیں عمرؓ اس کی دیواریں ہیں عثمانؓ اس کی چھت ہیں اور علیؓ اس کا دروازہ ہیں"

اب بتلایئے کیا بغیر بنیاد ، دیواروں اور چھت کے دروازہ ممکن ہے کھلی ہوئی بات ہے کہ گھر کا تصور اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ یہ چاروں اجزاء مرکب ہوں ان میں سے کسی ایک کو علیحدہ کر دیجئے نہ گھر کا تصور ہو سکتا ہے اور نہ دروازہ کی اہمیت۔

معلوم ہوا کہ رسول کو پانے کے لئے پہلے صدیق اکبر کا حاصل کرنا ناگزیر ہے۔ پھر عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ کا حصول۔ اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ حضرت علیؓ علم کا دروازہ ہیں تو اس سے یہ کیا ضروری ہے کہ وہ خلافت کے حقدار اور حضورؐ کے بعد امام بلا فصل بھی ہوں۔

اس سے تو یہی مطلب نکل سکتا ہے وہ لائق امامت تھے اور ان کو امامت ملی اگر انا مدینۃ العلم کو خلافت بلا فصل کیلئے دلیل بنایا جائے گا تو ہم اس بھی زیادہ قوی دلیل پیش کر کے ظفر صاحب سے دریافت کرتے ہیں کہ وہ انصاف کریں کہ رسول کا صحیح اور مناسب جانشین کون ہو سکتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔

مَاصَبَّ اللّٰہُ شَیْئًا فِی صَدْرِی اِلَّا وَصَبَبْتُہٗ فِی صَدْرِ اَبِی بَکْرٍ۔

" اللہ نے میرے سینے میں کوئی چیز نہیں ڈالی جو میں نے ابو بکرؓ کے سینے میں نہ ڈالی ہو۔ "

یا یہ حدیث :۔

یَاْبَی اللّٰہُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَا بَکْرٍ

اللہ اور مسلمان قبول نہیں کریں گے مگر ابو بکرؓ کو

ابن عدی نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا :-

"ابوبکر و عمر کی محبت ایمان ہے اور ان سے عداوت نفاق ہے"

حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حُبُّ ابی بکرٍ و

شکرہٗ واجبٌ علیٰ کل امتی ۔"

ابوبکر کی محبت اور ان کا شکر میری ساری امت پر واجب ہے

ابن عساکر نے حضرت جابر رضؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا :-

"ابوبکر و عمر کی محبت ایمان کا ایک جز ہے اور ان کے ساتھ

عداوت کفر ہے ۔"

قرآن مجید میں بھی آیۂ استخلاف میں خلافت خلفاء ثلاثہ کے منکر کو کافر فرمایا ہے اور اسی پر آیت کو ختم کیا ہے ۔ ومن کفر بعد ذالک فاولٰئک ھم الفاسقون (جو آیت سننے کے بعد اور اس علم پر کہ اللہ تعالےٰ نے ان کو خلیفہ بنایا ۔ خلفاء ثلاثہ کی خلافت کے منکر ہوئے بس وہی کامل فاسق ہیں) پس ثابت ہوا ۔ اور یہ خلافت ہر لحاظ سے جامع ہے نہ کہ محض عام جیسا کہ ظفر صاحب نے خلفاء ثلاثہ کی خلافت کو دنیاوی اور مادی قرار دیا ہے حالانکہ ان کی خلافت ہر لحاظ سے دینی خلافت تھی جس کے پہلے سربراہ اور خلیفۃ الرسول اللہ حضرت صدیق اکبر رضؓ تھے ۔

حضرت ابوبکر رضؓ حضور ؐ کے بعد خلیفہ ہوں گے اس کا علم تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تھا ۔ چنانچہ احادیث اس پر صاف دلالت کرتی ہیں مثلاً مسلم کی روایت ہے کہ آپ نے مرض وفات میں ابوبکر رضؓ اور ان کے صاحبزادے

کو بلایا تھا کہ عہد نامہ لکھ کر سپرد کر دیں پھر فرمایا کہ حق تعالے اور مسلمان خود بخود سوائے ابو بکرؓ کے کسی کو خلیفہ نہیں بنائیں گے۔ اب لکھنے کی حاجت کیا ہے تو آپ نے ارادہ ترک فرما دیا، اور پھر سقیفہ میں حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہ بنؓ الجراح نے سب سے پہلے بیعت کی تھی۔ اس وقت ان دونوں نے یہی فرمایا تھا کہ

امنت خیرنا وافضلنا (تم ہم میں افضل ہو اور بہتر)

اور تمام حاضرین انصار و مہاجرین نے اس کلمہ کو تسلیم کیا تو گویا حضرت ابو بکرؓ کی افضلیت تمام صحابہ کے نزدیک قطعی اور مسلمہ ہے اور یہ کہنا کہ انصار میں سے سعد بن عبادہ نے بیعت نہیں کی بالکل غلط ہے بلکہ اہل سُنت کی صحیح روائیت سے یہی ثابت ہے کہ سعد بن عبادہ نے بیعت کر لی تھی۔ حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ نے بھی بیعت کی اور یہی تمام صحاح اہل سُنت سے ثابت ہے۔

اب ہم ان مطاعن پر بحث کریں گے جو ظفر صاحب نے خلفاء ثلاثہ، دوسرے صحابہ کرام اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی شان میں اپنی کتاب میں ذکر کئے ہیں۔ گو کہ یہ تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ عالم میں کوئی بھی ایسا نہیں جن کے حق میں بد زبانوں اور عیب جوؤں نے زبان طعن نہ کھولی ہو۔ آدم علیہ السلام سے لیکر ہمارے پیغمبر علیہ السلام تک کسی پیغمبر کو نہیں چھوڑا گیا۔ جن کی طرف کچھ نہ کچھ غلط بات منسوب نہ کی ہو۔ حالانکہ ان سب کی تردید آیات و احادیث سے کی جا چکی ہے۔ اسی طرح رافضی اور رافضیانہ عقائد میں گرفتار حضرات نے بھی خلفاء ثلاثہ اور صحابہ کرام کی شان میں یہی وطیرہ اختیار کر رکھا ہے

لیکن عقلمندوں کے لئے یہ بات ڈھکی چھپی نہیں کہ چاند پہ تھوکنے سے انہیں کے منہ پہ آئے گا، ان بزرگوں کی قدر منزلت پہ کوئی فرق نہیں آئیگا۔

طعن ۱۰

حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ دونوں یہی چاہتی تھیں کہ نیابت رسول ان کے والد کو ملے۔ اور یہ ان کی فطری خواہش تھی۔ ساتھ ہی انہیں اس کا بھی احساس تھا کہ حضرت علیؓ کو جو فضیلت حاصل ہے اس کی وجہ سے حضرت علیؓ کی موجودگی میں ان کی خواہش بر آور نہیں ہو سکتی ہیں، اور نہ ہی یہ مناسب ہو سکتا ہے کہ حضرت علیؓ کے مقابلہ میں ان کو لایا جائے۔ ان دونوں کی خواہش کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ شدت علالت کی وجہ سے رسول اللہؐ خود فرائض امامت انجام دینے کے قابل نہیں رہے تو آپ نے کسی اور کو امامت نماز کیلئے حکم دیا جس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہؐ نے ہدایت فرمائی ہے کہ

"ابو بکرؓ امت کے فرائض انجام دیں"

اور حضرت حفصہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہؐ نے حکم دیا ہے کہ :۔

"عمرؓ نماز پڑھائیں"

ظفر صاحب کے بیان سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ حضورؐ کی منشا کے خلاف حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ دونوں نے اپنے اپنے والد کو امامت کے لئے منتخب فرمایا، اور حضورؐ کے ارشاد کے خلاف ایک غلط بات حضورؐ کی طرف سے منسوب کر کے دونوں نے اپنے اپنے والد کا نام لیا۔ گویا ہر دو ازواج مطہرات نے غلط بیانی اور کذب سے کام لیا اور وہ بھی آنحضرتؐ کے روبرو اس کے معنی یہ

ہوئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ

"نصف دین عائشہؓ سے حاصل کرو"

باطل قرار پاتا ہے اور بعض دیگر روایات و احادیث حضرت عائشہؓ و حضرت حفصہؓ کو براہ راست حضورؐ سے پہنچی اور ہم تک آئیں۔ کالعدم قرار پا جاتی ہیں کیونکہ آپ کی نظر بسیط میں دونوں کاذبہ اور خیانت کی مرتکب ہوئی ہیں (نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ) لعنت اللہ علی الکاذبین۔ گویا ان ہر دو ازواج مطہرات کے سامنے حضورؐ کی یہ حدیث معدوم ہو گئی کہ

"جو کوئی ہماری طرف غلط بات منسوب کرے گا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے"

حقیقت تو یہ ہے کہ غلط بیانی کی مرتکب ازواج مطہرات نہیں ہو سکتیں اس پر ہمارا ہی کیا ہر مسلمان کا ایمان ہے البتہ حضورؐ کی طرف سے غلط بیان منسوب کرنے کی ساری ذمہ داری ظفر صاحب کے سر ہے لہٰذا اس حدیث کے بموجب وہ اپنا مقام پہچان لیں اور توبہ کریں۔ (واللہ غفور الرحیم)

بقول ظفر صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "کسی اور کو" امامت کیلئے حکم دیا تھا۔ وضاحت فرمایئے "کسی اور کے نام" سے آپ کی کیا مراد و منشا ہے۔؟

واقعہ کی اصل نوعیت اس طرح ہے۔

یہ بات غلط ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام مرض میں حضرت ابو بکرؓ کا نام امامت کے لئے نہیں لیا تھا۔ اور حضرت عائشہ نے یہ تجویز پیش کی تھی۔ بلکہ اس کے برعکس آنحضورؐ نے بنفس نفیس حضرت ابوبکرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا، اور حضرت عائشہؓ متامل ہوئیں تو آنحضورؐ نے دوبارہ سختی سے اپنا فرمان

دہرایا۔ حدیث کی صحیح ترین کتاب بخاری، کتاب الاذان، باب من اسمع الناس تکبیر الامام اور اس کے بعد کے ابواب میں پوری تفصیل موجود ہے۔ دوسری مستند ترین کتاب مسلم، کتاب المناقب میں ایک حدیث وارد ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خلافت کے لئے تحریری طور پر حضرت ابوبکر کا نام تجویز کرنا چاہتے تھے لیکن پھر آپ نے یہ خیال ترک کر دیا، اور فرمایا کہ اللہ اور مومنین خود ہی ایسا نہیں ہونے دیں گے کہ کوئی دوسرا شخص اہل تر اور افضل تر قرار دیا جائے یہ تفصیلات وحوالہ جات تو اہلسنت کی کتابوں میں محفوظ ہیں نہ معلوم ظفر صاحب نے کس کس غیر اہلسنت فرقہ کی کتب سے بغیر کسی حوالے کے یہ تلمیحات عظیم منقوش فرمائی ہیں۔

اس واقعہ کی مزید تشریح یوں ہے۔

عشاء کی نماز کا وقت تھا صحابہ کرام مسجد میں نماز کے لئے آپ کے منتظر تھے تو اس وقت آپ نے فرمایا کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی عرض کیا گیا "نہیں یا رسول اللہ آپ کا انتظار ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " پانی لاؤ اور مجھ پر ڈالو تاکہ میں اٹھوں " یہ فرما کر آپ بیہوش ہو گئے۔ اسی طرح تین مرتبہ اتفاق ہوا۔ مگر آپ سے نہیں اٹھا گیا۔ اس وقت آپ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا یا رسول اللہ! میرے والد نہایت رحمدل اور رقیق القلب ہیں جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو ضبط نہ کر سکیں گے اور ان کو تاب و طاقت نماز پڑھانے کی نہ رہے گی۔ اگر حضرت عمرؓ کو یہ حکم دیجئے تو بہتر ہے اس پر حضورؐ نے یہی فرمایا کہ ابوبکر سے کہو نماز پڑھائیں[1]

---

[1] ابن زمعہؓ فرماتے ہیں کہ جس وقت لوگوں کو حضورؐ نے نماز کیلئے حکم فرمایا تو حضرت ابوبکرؓ چونکہ تشریف نہیں رکھتے تھے اس لئے حضرت عمرؓ آگے بڑھے مگر حضورؐ نے فرمایا نہیں! نہیں! نہیں! (تین مرتبہ) ابوبکر نماز پڑھائیں گے۔

اس وقت حضرت عائشہؓ نے حضرت حفصہؓ سے کہا کہ تم حضورؐ کی خدمت میں عرض کرو تو حضرت حفصہؓ نے بھی وہ بات عرض کر دی جو حضرت عائشہؓ پہلے عرض کر چکی تھیں تب حضورؐ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہدو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اور اے عورتو! تم حضرت یوسفؑ کی ہم نشین عورتوں کی طرح ہو یعنی کیا تم مجھ کو امر حق سے باز رکھنا چاہتی ہو جیسا کہ یہ عورتیں حضرت یوسفؑ کو باز رکھنا چاہتی تھیں۔ اس وقت حضورؐ کے ارشاد کے بموجب حضرت صدیق اکبرؓ تعمیل حکم کے لئے تیار ہو گئے لوگوں کو آپ نے نماز پڑھائی ابھی نماز ہو رہی تھی کہ رسول خداؐ نے مرض میں افاقہ دیکھ کر فرمایا۔ کہ کسی کو بلاؤ میں اس کے سہارے باہر جاؤں گا۔ چنانچہ حضرت بریدہؓ اور ایک دوسرے شخص آئے۔ آپؐ ان دونوں کے سہارے مسجد میں تشریف لائے۔ جس وقت ابوبکرؓ کو حضور پرنورؐ کا تشریف لانا معلوم ہوا تو ارادہ کیا کہ اپنی جگہ سے پیچھے ہٹ جائیں۔ اس پر آپؐ نے ان کو اشارے سے فرمایا کہ تم اپنی جگہ پر قائم رہو۔ پھر یہ فرما کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبرؓ کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ حضرت صدیقؓ نے نماز ختم کی۔ چنانچہ آپ حضورؐ کے وصال تک متواتر آٹھ روز تک امامت کا فرض ادا کرتے رہے۔

حضرت عائشہؓ نے اس وجہ سے دوسرے شخص کو امام بنانے پر اصرار کیا کہ لوگ صدیق اکبرؓ کو منحوس نہ سمجھیں اور آپ سے محبت ترک کر دیں۔ کیونکہ میں سمجھ رہی تھی کہ جو شخص آپ کے قائم مقام ہوگا اس کو لوگ منحوس سمجھیں گے اور میری خواہش تھی کہ حضورؐ بجائے ابوبکرؓ کے کسی اور کو حکم فرما دیں۔

یہ ایک برہان قاطع و حجت ساطع ہے حضرت ابوبکرؓ کی تقرری امامت اور خلافت پر ہے کیونکہ جس وقت نبی کریمؐ نے اپنی جگہ بطور خلیفہ امامت کرنے کا یہ حکم حضرت

ابو بکرؓ کے واسطے دیا تھا اس وقت دیگر تمام صحابہ حتیٰ کہ حضرت علیؓ بھی حاضر و موجود تھے لیکن حکم تقرری امامت حضرت ابوبکرؓ کا برقرار رکھا۔ اسی واسطے حضرت علیؓ حضرت ابوبکرؓ سے یہ کہا کرتے تھے کہ اے حضرت ابو بکرؓ! آپ کو خود حضرت رسول اللہؐ نے مقدم فرمایا ہے، پھر کون ہے جو کہ آپ کو موخر کرے، اسی طرح حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ

"حضرت علیؓ یہ فرمایا کرتے تھے کہ آنحضرتؐ نے خود ابوبکر کو نماز کے لئے مقدم کیا اور ان کو امام بنایا، اور میں اس وقت حاضر تھا غائب نہ تھا، تندرست تھا، مریض نہ تھا، اگر حضورؐ چاہتے تو مجھے امام بناتے، لیکن آپؐ نے مجھے نہ بنایا اور میں اس امر میں راضی ہوں جس میں کہ خدا اور رسولؐ راضی ہیں۔"

دار قطنی اور حاکم اور ابن عساکر نے روایت کی ہے کہ:

"حضرت علیؓ نے فرمایا کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالےٰ سے سوال کیا کہ تجھ کو (اے علی) تین صاحبوں پر مقدم کروں لیکن اللہ تعالےٰ نے انکار فرمایا اور ابوبکرؓ کو مقدم کرنے کا حکم دیا۔"

ابو عمرؓ نے استیعاب میں حسن بصریؒ سے روایت کیا ہے وہ قیسؓ بن عباد سے روایت کرتے ہیں کہ

"وہ کہتے تھے کہ مجھ سے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ حضورؐ کے مرض وفات میں کچھ دن اور کچھ راتیں ایسی تھیں کہ جب اذان ہوتی تو آپؐ فرماتے اے لوگو! ابوبکر سے کہدو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں پھر جب حضورؐ نے وفات پائی تو میں نے اس امر پر نظر کی نماز اسلام کی علامت ہے اور دین کا ستون ہے۔ لہذا جب ابوبکرؓ اس میں

ہمارے امام ہو چکے تو ہم سب نے اپنی دنیا کا سردار ہونے کے لئے اس شخص کو پسند کر لیا جس کو رسولؐ نے ہمارے دین کی سرداری کے لئے پسند فرمایا تھا۔ بلا تکلف ہم سب نے ابو بکرؓ سے بیعت کر لی"

صحیح بخاری کی روائت ہے کہ ابن سعد نے فضل بن عمرو الفقیمی سے ایک روایت نقل کی ہے کہ ابو بکرؓ نے حضورؐ کی حیات میں تین مرتبہ نماز پڑھائی لیکن اس روایت کو نقل کرنے کے بعد ابن سعد خود ہی فرماتے ہیں کہ ان تین نمازوں سے وہ نمازیں مراد ہیں جن میں حضورؐ نے خود ابو بکر کی اقتدا کی، ورنہ یوں تو انہوں نے سترہ مرتبہ نماز پڑھائی۔ [1]

حضرت ابو بکرؓ کی امامت کے دوران ایک روز ظہر کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنبھالا لیا حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ سے کہا کہ مسجد لے چلو۔ جماعت کھڑی ہو چکی تھی۔ آہٹ پا کر حضرت ابو بکر صدیق پیچھے ہٹنے لگے حضورؐ نے اشارہ سے روکا اور حضرت ابو بکرؓ کے برابر بیٹھ گئے۔ نماز کے بعد حضورؐ ممبر پر بیٹھ گئے اور آخری خطبہ دیا اور فرمایا۔

---

[1] کیا اب بھی ظفر صاحب کو شک ہے کہ حضورؐ نے کس کو نماز کیلئے منتخب فرمایا جبکہ ابو بکرؓ نے ۱۷ مرتبہ نماز پڑھائی اور تین بار حضورؐ نے اقتدا فرمائی اور ایک مرتبہ بھی حضورؐ نے حضرت علیؓ کو نماز کیلئے امامت کیلئے حکم نہ دیا جہاں آپ نے اپنی کتاب خلافت و حکومت میں بہت سی باتیں بے بنیاد لغو اور بے دلیل بیان کی ہیں صرف ایک ہی مرتبہ حضرت علیؓ کی امامت کو بیان کر دیتے کون تحقیق کرتا ہے لاعلمی، لادینی کا تو دور ہے۔ آپ محمود احمد عباسی صاحب کی کتاب "خلافت معاویہ و یزید" پر تبصرہ فرماتے ہیں جس کا کوئی واقعہ بلا دلیل معہ متن و صفحہ نہیں اللہ تعالٰے ہم میں سے ہر دور میں دشمنان اسلام و ایمان کی سرکوبی کیلئے پیدا کرتا رہا ہے اس دور میں محمود احمد عباسی کو منتخب کیا ہے۔ کہاں وہ کہاں آپ؟

"اللہ نے اپنے ایک بندہ کو اختیار بخشا تھا کہ چاہے دنیا کی نعمتیں لے لے چاہے اللہ کے یہاں جو نعمتیں ملنے والی ہیں انھیں قبول کرے۔ اس بندے نے آخرت کی نعمتوں کو قبول کیا ہے پھر حضور نے فرمایا جن کی دولت اور جن کی رفاقت کا میں بہت ممنون ہوں وہ ابوبکرؓ ہیں میں اپنی امت میں کسی کو دوست بنا سکتا تو ابوبکرؓ کو بناتا۔ لیکن بس اسلام کا رشتہ ہی دوستی کے لئے کافی ہے۔ مسجد کی طرف کوئی کھڑکی ابوبکرؓ کی کھڑکی کے سوا نہ رہنے پائے" الخ

وفات کے دن صبح کے وقت کسی قدر سکون تھا حضور نے پردہ ہٹا کر مسجد میں جھانکا۔ حجرہ مبارک اور مسجد برابر تھے نماز فجر پڑھی جارہی تھی حضرت ابوبکرؓ امامت فرمارہے تھے۔

کیا اب بھی یہ شک باقی رہ جاتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی منشار کے خلاف ازواج مطہرات نے اپنے والد کو ذاتی طور پر اور فطری دباؤ کے تحت امامت کے لئے پیش کیا بقول ظفر صاحب حضور نے "کسی اور کو" امامت نماز کیلئے حکم دیا! کیا سترہ وقت کی نمازوں میں کسی وقت بھی حضور معترض ہوئے کہ ان کی جگہ امامت کون کر رہا ہے؟ کس کے حکم سے کر رہا ہے۔ جبکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ صدیق اکبرؓ کو امامت کا حکم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دیا۔ بنفس نفیس مسجد نبوی میں تشریف لے گئے اور صدیق اکبرؓ کے پہلو میں بیٹھ کر تین وقتوں کی نمازیں ان کی اقتدا کی۔ منبر سے خطبہ بھی ارشاد فرمایا۔ اگر حضرت صدیق اکبرؓ کی امامت کا حکم لسان رسالت سے نہ ہوتا یا منشار رسول نہ ہوتا۔ تو کیا ان کی مجال تھی کہ وہ مصلیٰ نبوی پر قدم

رکھتے اور رسولؐ کی تادیب سے بچ سکتے اس کے برخلاف آپ برابر یہی حکم فرماتے رہے کہ صدیق اکبرؓ نماز پڑھائیں۔ اب ظفر صاحب کا یہ قول کہ حضرت عائشہؓ نے اپنے والد کے نام بغیر فرمان نبوی لئے دیا۔ کس قدر مکروہ الزام ہے۔ کیا غیرت مندی کا یہی معیار ہے۔ حالانکہ واقعات نے ثابت کر دیا ہے کہ حضرت عائشہؓ ذاتی طور پر بوجہ رقیق القلب ہونے کے صدیق اکبرؓ کو منصب امامت پر فائض ہونے کے حق میں نہیں تھیں اور آپ نے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا اظہار بھی فرمایا لیکن آپؐ نے سختی سے حکم دیا کہ صدیق اکبرؓ ہی امامت کریں۔

ساتھ ہی ظفر صاحب کی اس غلط فہمی کو بھی دور کر دوں کہ حضرت علیؓ جیسی جلیل القدر اور برگزیدہ شخصیت اس موقع اور وقت پر وہاں موجود ہی نہیں تھے۔ اگر ایسا ہی ہے تو کیا اس کو حضور کی زیادتی یا لاعلمی قرار دیا جائیگا کہ آپ نے حضرت ابوبکرؓ کو امامت کے لئے منتخب فرمایا۔ اور حضرت علیؓ کو نظر انداز کر گئے۔ ایسا ہرگز نہیں یہ تو سبائی فرقہ کا عقیدہ ہے۔ حقیقت اس کے برخلاف ہے۔ متعدد احادیث حضرت صدیق اکبرؓ کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔ لہذا چند ملاحظہ ہوں۔

۱۔ حضور نے فرمایا:-

واللہ ماطلعت الشمس ولا غربت بعد النبیین والمرسلین علی احد افضل من ابی بکر۔

بجز کسی ایسے شخص پر آفتاب نہ طلوع ہوا اور نہ غروب ہوا انبیائؑ اور رسولؐ کے بعد جو افضل ہوا۔ وہ ابوبکرؓ ہوا۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکرؓ انبیاء و رسول کے بعد تمام

امتوں سے افضل ہیں۔

۲۔ حضرت سعد بن زرارہؓ کہتے ہیں کہ

"حضورؐ نے فرمایا کہ مجھے جبرئیلؑ نے خبر دی کہ میری امت میں میرے بعد ابوبکرؓ افضل ہیں۔

۳۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ

حضورؐ نے حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمرؓ کی شان میں فرمایا ہے کہ یہ دونوں انبیاء و مرسلین کے علاوہ تمام اولین و آخرین سن رسیدہ شخصوں کے جنت میں سردار ہوں گے۔ (ترمذی)

۴۔ محمدؐ بن علیؓ بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ نبی اکرمؐ کے نزدیک کون افضل ہے۔ آپ نے فرمایا حضرت ابوبکرؓ۔ میں نے کہا ان کے بعد فرمایا حضرت عمرؓ ان کے بعد حضرت عثمانؓ کا نام لیتے ہوئے ڈرا اور عرض کیا کہ پھر آپ افضل ہیں آپ نے فرمایا۔ میری کیا ہستی ہے میں ایک معمولی مسلمان ہوں۔ (بخاری)

۵۔ زکریا بن رویہ کندی نے حمید بن انس سے روایت کر کے بیان کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جبرئیلؑ نبی اکرمؐ کے پاس اللہ کی طرف سے وحی لیکر آئے اور کہا کہ اے محمدؐ! اللہ تعالےٰ آپ کو سلام فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ عتیق بن ابی قحافہ (ابوبکرؓ) سے کہدیجئے کہ میں ان سے راضی ہوں نیز ابن عیینہؓ نے بیان کیا ہے کہ اللہ نے رسولؐ کے متعلق سب مسلمانوں کو عتاب کیا سوا حضرت صدیقؓ کے ان پہ کچھ عتاب نہیں ہوا، اور فرمایا کہ ؎

" اگر تم نبی کی مدد نہ کرو تو کچھ پرواہ نہیں۔ اللہ نے ان کی مدد کی

جب کافروں نے انہیں نکالا یعنی نبی کے ہمراہ دوسرا ایک اور ان کا ساتھی تھا جب [redacted] غار میں تھے۔"

۶۔ ضحاک بن مزاحم نے نزال بن سبرہ ہلالی سے روایت بیان کی وہ کہتے تھے کہ ایک دن ہم نے کہا اے امیرالمومنین ہم سے اپنے اصحاب کی حالت بیان کیجئے حضرت علیؓ نے فرمایا۔

"جو لوگ رسولؐ کے اصحاب تھے وہی میرے اصحاب ہیں۔ ہم نے کہا ابوبکرؓ کی حالت بیان کیجئے انھوں نے فرمایا کہ ابوبکرؓ وہ شخص ہیں جن کا لقب خدا نے صدیق رکھا۔ (جبریلؑ کی زبان پر بھی اور محمدؐ کی زبان پر بھی) نماز میں [redacted] رسولؐ کے بنائے ہوئے خلیفہ تھے۔ آنحضرتؐ نے ان کو ہماری دینی پیشوائی کیلئے منتخب فرمایا تھا بس ہم ان کی دنیاوی پیشوائی کے لئے راضی ہوگئے۔ (اسدالغابہ)

خالدؓ بن ولید اور مالکؓ بن نویرہ کا قتل

طعن ۲۔

خالد بن ولیدؓ نے مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھیوں پر ارتداد کا الزام عائد کر کے قتل کرا دیا۔ اور ستم یہ کہ مالک کی بیوی کو اپنے گھر میں داخل کر لیا اور اسے اپنی بیوی بنا لیا۔ خالد بن ولید عرصہ سے اس عورت کی خواہش رکھتے تھے۔ مگر اس کے شوہر کی موجودگی میں دسترس نہ تھا۔ اور ان کا بس نہ چلتا تھا۔ ارتداد کا بہانہ بنا کر مالک بن نویرہ کو قتل کیا۔ اور یوں اپنی خواہش کی تکمیل کی۔ حضرت عمرؓ کے لئے یہ ناممکن تھا کہ صحیح صورت

حال جان کر بھی خاموش رہتے۔ الخ

جواب:۔

ظفر صاحب نے خالدؓ جیسی عظیم الشان شخصیت کو بھی اپنے بد باطن اور ناپاک قلم سے نہیں بخشا۔ اللہ کا یہ مجاہد جسے دربار رسالت سے "سیف اللہ" کا خطاب ملا۔ جن کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"میں اس تلوار کو ہرگز نیام میں نہ ڈالوں گا جسے اللہ نے کفار پر مسلط کیا ہے۔"

فتح قنسرین کے موقع پر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

"خالدؓ نے خود ہی اپنے آپ کو امیر بنا لیا۔ اللہ ابوبکرؓ پر اپنی رحمت نازل فرمائے وہ مجھ سے زیادہ مردم شناس تھے۔"

حضرت خالدؓ کی وفات پر حضرت عمرؓ نے فرمایا

"اسلام کی فصیل میں ایک ایسی دراڑ پڑ گئی جو کبھی پُر نہ ہو سکے گی۔"

حضرت عمرؓ پر جب قاتلانہ حملہ کیا گیا اور لوگوں نے آپ سے کہا کہ اپنا جانشین مقرر فرما دیں تو امت کے لئے آسانی رہے گی۔ آپ نے فرمایا۔

"اگر خالدؓ بن ولید زندہ ہوتے تو میں انھیں خلافت سونپ دیتا پھر جب میں اپنے رب کے حضور حاضر ہوتا اور وہ مجھ سے پوچھتا کہ اے عمرؓ تو نے امت محمدیہ پر کس شخص کو خلیفہ بنایا؟ تو میں عرض کرتا۔ اے اللہ! میں نے تیرے بندے اور حبیب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ کہتے سنا تھا۔ کہ خالدؓ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے جسے اس نے مشرکوں پر مسلط کیا ہے"

نبی اکرمؐ نے بنو الحارث بن کعب کو اسلام کا پیغام پہونچانے کے لئے حضرت خالد کو نجران بھیجا۔ جب وہ لوگ اسلام لے آئے تو حضورؐ نے آپ کو یہ حکم بھی دیا کہ ان میں رہ کر شریعت اسلام اور دینی امور کی تعلیم دیں۔

اب ایسی عظیم المرتبت ہستی کے متعلق یہ الزام لگانا کہ مالک بن نویرہ کا قتل محض اس کی بیوی کو حاصل کرنے اور شہوانی خواہشات کی تکمیل کیلئے تھا کوئی مسلمان بھی جس کے دل میں اپنے اسلاف کی کچھ بھی قدر و منزلت ہو خالدؓ جیسے صحابی یا کسی اور صحابی کے متعلق یہ باور نہیں کرسکتا کہ انھوں نے شہوات نفسانیہ کی خاطر کسی شخص کو قتل کیا۔ یہی بات جو ظفر صاحب آج فرما رہے ہیں۔ مالک نے بھی کہی تھی۔ جس کے جواب میں حضرت خالدؓ نے یوں فرمایا تھا:۔

"مجھے تیری بیوی نے نہیں بلکہ تیرے ارتداد کے سبب اللہ تعالیٰ نے قتل کیا ہے۔"

حضرت خالدؓ کی زبان سے اس الزام کی تردید ہو جانے کے بعد بھی کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ ایک مرتد کی ترجمانی کے مقابلہ میں ظفر صاحب اگر صحابی رسولؐ کی پاک دامنی کو فوقیت دیتے اور ان کے قول کی تصدیق فرماتے تو یقیناً ان کی نجات کا ذریعہ بنتا۔

شیعہ و سنی کی مستند کتابوں میں جو واقعات درج ہیں ان کی تفصیلات یوں ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جب بنو تمیم کے ایک وفد نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام قبول کیا تو حضورؐ نے قبیلہ کی مختلف شاخوں کیلئے مختلف امیر مقرر کئے۔ ان امراء میں صفوان بن صفوان، قیس بن عاصم

زرقان بن بدر، مالک بن نویرہ شامل تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مالک بن نویرہ کو بطاح کی ریاست ملی ہوئی تھی۔ گردو نواح اور اپنے علاقہ کے صدقات کی وصولی بھی اسی کے سپرد تھی۔ مالک بن نویرہ کا تعلق قبیلہ بنو یربوع سے تھا۔ نہ کہ بنی یرموع سے جیسا کہ ظفر صاحب نے تحریر کیا ہے اسی میں قبیلہ بنو یربوع کی ایک عورت سجاح نے حضورؐ کی وفات کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا اور مدینہ پر چڑھائی کرنے پر آمادہ ہوئی۔ مالک بن نویرہ نے سجاح سے صلح تو کر لی تھی۔ لیکن مدینہ پر حملہ کرنے کی مخالفت کی اور کہا۔

"ابوبکرؓ کی فوجوں سے مقابلہ کرنے سے بہتر یہ ہے کہ اپنے قبیلہ کے مخالف عنصر کا صفایا کر دیا جائے۔"

حضرت خالدؓ بن ولید جب طلحہ بن خویلد اسدی کی مہم سے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا فارغ ہوئے تو اطراف کی جانب روانہ ہوئے اور فوج کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر حکم دیا کہ جب قوم پر تاخت کرو اگر اس میں اذان کی آواز سن لو تو لوٹ مار اور قتل و غارت سے ہاتھ کھینچو، اور اگر اذان کی آواز نہ سنائی دے تو اس مقام کو دار الحرب قرار دے کر لوٹ مار کرو۔ چونکہ مالک بن نویرہ نے حضورؐ کی وفات کے بعد زکواۃ روک دی تھی۔ اور جنگ کے لئے تیار ہو گیا تھا۔ اس لئے حضرت خالدؓ نے بطاح پہونچکر اس سے مقابلہ کا ارادہ کیا۔ حضرت خالدؓ بطاح پہونچے تو وہاں قبیلہ کا کوئی فرد موجود نہ تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مالک بھی حضرت خالد کے ارادہ سے باخبر تھا۔ حضرت خالد نے فوجی دستوں کو نواحی علاقوں میں روانہ کیا اور حضرت صدیقؓ کی ہدایت کے مطابق آپ نے حکم دیا کہ

■ جب تم کسی بستی کے قریب پہونچو تو اذان دو۔ اگر بستی والے بھی

جواب میں اذان دینے لگیں تو ان سے کوئی تعرض نہ کرو۔ لیکن اگر وہ اذان نہ دیں تو انھیں قتل کردو۔ اور ان کا مال و اسباب چھین لو۔ جو قبیلہ اسلام لے آئے اس سے زکواۃ طلب کرو۔ اگر دیدے تو ٹھیک ورنہ اسے بھی قتل کر ڈالو۔"

چنانچہ فوجی دستہ جس میں ابو قتادہ انصاریؓ بھی تھے مالک بن نویرہ کو حضرت خالدؓ کے پاس پکڑ لائے۔ گرفتار کرنے والوں میں دو رائے قائم ہوگئی تھیں ایک رائے حضرت ابو قتادہؓ کی تھی کہ میں نے اس کی قوم سے اذان کی آواز سنی، دوسری رائے سریہ کی دوسری جماعت کی تھی جو اس کے خلاف تھی۔ اس کے برخلاف بعض واقعات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہونچ جاتی ہے کہ مالک کا اسلام مشتبہ تھا اور وہ اپنے ارتداد پر قائم تھا۔ مثلاً جس روز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے مسلمانوں کے سینے شق ہوئے جاتے تھے اس روز مالک بن نویرہ کے گھر کی عورتوں نے مہندی لگائی، ڈھول بجائے اور خوب فرحت و شادمانی ظاہر کی۔ اور اہل اسلام کی مصیبت پر خوش ہوئے اس کے علاوہ مالک بن نویرہ نے خود خوشی کا اظہار کیا اور جو صدقات اپنی قوم سے وصول کئے تھے۔ وہ ان کو واپس کرا دیئے، اور بولا

"اچھا ہوا کہ اس شخص کی موت سے تم نے مصیبت سے چھٹکارہ حاصل کیا۔"

پھر حضرت خالد کے سامنے جب وہ لایا گیا تو گفتگو کے دوران میں اس نے نماز پڑھنے کا تو اقرار کرلیا۔ لیکن زکواۃ دینے میں پس و پیش کیا۔ حضرت خالدؓ نے اس سے کہا کہ

"کیا تجھے معلوم نہیں کہ نماز اور زکواۃ اکھٹی قبول ہوتی ہیں جب تک دوسرا رکن ادا نہ کیا جائے پہلا رکن بھی قبول نہیں ہوتا۔"

اس پر مالک نے کہا۔ "قال رجلکم او صاحبکم" تمہارے آدمی یا تمہارے صاحب نے ایسا کہا ہے یہ الفاظ پیغمبر علیہ السلام کی شان کے خلاف تھے اور اس زمانے میں کفار اور مرتدین ایسے الفاظ ادا کرنے کے عادی تھے۔ یہ تمام شواہد اس کے مرتد ہونے کے ثبوت میں ہیں جس کی وجہ سے حضرت خالدؓ نے حکم دیا اس قتل کردیں

اب ہم ظفر صاحب سے سوال کرتے ہیں کہ اگر مالک بن نویرہ کی سی حرکتیں کسی سے سرزد ہوجائیں یا کوئی شخص عاشورہ کے روز حضرت حسینؓ اور خاندان رسول کی شہادت پر خوشی کا اظہار کرے اور حسینؓ اور دوسرے خاندان رسول کی شان میں اہانت و تحقیر کے کلمات ادا کرتے تو اس کو کیا کہا جائے گا؟ ذکر رسولؐ کی وفات پر خوشی کا اظہار اور اہانت آمیز الفاظ ادا کرنا۔ کیا آپ اس کو مرتد نہیں کہیں گے؟ مالک بن نویرہ نے حضورؐ کی وفات پر جس خوشی کا اظہار کیا تو کیا واقعی وہ آپ کی نظر میں مسلمان تھا؟ آپ مسلمان سمجھتے ہوں تو سمجھئے واقعات سے تو ایسا ثابت نہیں ہوتا کیا آپ مسلمان کی یوں بھی تعریف کرسکتے ہیں کہ جو محمد صلعم کی ہجو اور توہین کرے وہ بھی مسلمان ہے؟

یہ خبر مدینہ پہونچی۔ حضرت قتادہؓ پہلے ہی حضرت خالدؓ سے ناراض ہو کر دارالخلافہ پہونچ چکے تھے جس پر صدیق اکبرؓ نے لشکر چھوڑ آنے پر ناراضگی کا اظہار کیا اور فی الفور واپس جانے کا حکم دیا اور امیر کی اطاعت پر زور دیا۔ چنانچہ قتادہؓ واپس ہوگئے ادھر حضرت عمرؓ نے بھی صدیق اکبرؓ سے مالک کے قصاص کا مطالبہ کیا، اور فرمایا کہ خالدؓ کو معزول کردیا جائے۔ حضرت عمرؓ شروع میں یہی سمجھے کہ یہ قتل ناحق ہوا ہے لیکن جب ابوبکرؓ نے خالدؓ کو اپنے حضور بلایا اور معاملہ کی پوری کیفیت پوچھی تو ابوبکرؓ نے خالدؓ کو حق بجانب جان کر ان سے کوئی تعرض نہ کیا اور ان کو امیر الامراء کے عہدہ پر پھر بحال کردیا۔

اب دوسری بات یہ کہ خالدؓ نے اسی رات اس عورت کو اپنی صحبت میں رکھا کسی

معتبر کتاب سے ثابت نہیں۔ حالانکہ مالک نے اس عورت کو ایک مدت سے طلاق دے رکھی تھی۔ اور اس کو ویسے ہی ڈال رکھا تھا۔ جو زمانہ جاہلیت کی رسم تھی لہٰذا اس عورت کی عدت بھی ختم ہو چکی تھی۔ ایک روایت استیعاب میں بھی اسی طرح آئی ہے۔

"ابو بکرؓ نے خالدؓ کو فوجوں پر امیر بنایا۔ بس اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر یمامہ اور دوسری جگہوں پر فتح نصیب کی اور ان کے ہی ہاتھوں سے بہت سے مرتد قتل ہوئے ان میں سے مسلیمہ کذاب اور مالک بن نویرہ بھی تھے۔"

اور پھر حضرت صدیق اکبرؓ نے سنّت کی پوری پوری پیروی کی کیونکہ حضورؐ کے زمانہ میں بھی خالد بن ولیدؓ نے صدہا مسلمانوں کو شبہ ارتداد پر قتل کیا تھا۔ مگر حضورؐ نے کوئی تعرض نہیں کیا۔ چنانچہ کتب سیر کا ایک قصہ جس پر اجماع کی صحت ہے کہ حضورؐ نے خالد کو ایک لشکر کا امیر بنایا۔ اور روانہ فرمایا انھوں نے ایک قوم پر چڑھائی کی جو اسلام تو لے آئی تھی۔ مگر قواعد اسلام سے ابھی پوری طرح واقف نہ تھی۔ خالدؓ حملہ آور ہوئے تو ان سب کی زبان سے یہ کلمہ ادا ہوئے صبانا صبانا (ہم بے دین ہو گئے۔ ہم بے دین ہو گئے) ان کا مطلب تو یہ تھا۔ کہ اپنے دین قدیم سے ہم پھر گئے اور اسلام لے آئے۔ مگر خالدؓ نے ان کو مار ڈالنے کا حکم دیا۔ حضور کو جب معلوم ہوا تو بہت رنجیدہ ہوئے اور فرمایا۔

"اے اللہ میں تیرے حضور میں اس غلطی سے پاک ہوں جو خالدؓ سے سرزد ہوئی۔"

اور حضرت خالدؓ پر حد قصاص جاری نہ کی نہ ان سے دیت دلائی کیونکہ کفر کا شبہ ان کے دل میں بیٹھ چکا تھا۔ لہٰذا اگر حضرت صدیق اکبر ایک شخص کے خون کی بابت اسی جیسے شبہ کی وجہ سے حضرت خالدؓ سے تعرض نہ کریں تو ان کا کونسا قصور ہے خصوصاً جبکہ حضرت ابو بکرؓ مالک کی دیت بھی بیت المال سے دلادیں۔ اس کے

باوجود ظفر صاحب صدیق اکبر پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ انھوں نے کوئی قطعی حکم نہیں دیا اور معاملہ التوا میں ڈال دیا۔

اور پھر قصاص یا مواخذہ کا سوال تو اس وقت پیدا ہوتا جب مالک کے وارث اس کا مطالبہ کرتے۔ اس کے برخلاف مالک کا بھائی متمم بن نویرہ نے حضرت عمرؓ کے سامنے اپنے بھائی کے مرتد ہو جانے کا اعتراف کیا۔ لہٰذا حضرت عمرؓ اپنی اس مخالفت پر نادم ہوئے جو وہ اس باب میں صدیق اکبر کے عہد میں رکھتے تھے، اور آپ نے اس کا اعتراف کیا لہٰذا حضرت صدیق نے جو کچھ کیا وہ عین ثواب تھا۔ اور حق پر تھا اس کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں خالد سے کوئی تعرض نہ کیا نہ جیل میں ڈالوایا۔ نہ حد جاری کی۔ حالانکہ حد جاری کرنے میں آپ نہایت سخت گیر تھے بلکہ آپ نے تمام سلطنت میں یہ فرمان بھیج دیا اور تصریح فرمادی کہ میں نے خالد کو کسی ناراضی یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا بلکہ اس لئے کیا کہ مجھے ڈر پیدا ہوا کہ کہیں لوگ خالدؓ کی ذات پر بھروسہ نہ کرنے لگیں میں چاہتا ہوں کہ لوگ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ جو کچھ کرتا ہے اللہ کرتا ہے بندہ کچھ بھی حیثیت اور اختیار نہیں رکھتا۔

حضرت عمرؓ کے اس فرمان عام کے بعد بھی اگر کوئی شخص تنگ نظری کا شیوہ اختیار کرے اور حضرتؓ خالد کو خودسری اور خودرائی کا موجب الزام ٹھہرائے ان کے کردار و افعال کا مواخذہ کرے تو اس کو چاہیئے کہ پہلے اپنے کردار افعال کا محاسبہ کرے مگر ایسا شخص تو وہی ہوگا جو علم سے بے بہرہ اور عقل سلیم سے کورا ہو وہ تو تعصب کی آگ میں خود جل رہا ہے۔ محاسبہ اور غور و فکر کی کہاں مہلت۔

"واللہ یھدی من یشاء الی صراط المستقیم"

طعن ۳

حضرت عائشہؓ حضرت عثمانؓ سے ناخوش تھیں اور اپنی ناخوشی اور تنفر کا اظہار اس طرح کیا کہ حضرت عثمانؓ کو نعثل کہہ کر پکارا۔ نیز حضرت عائشہ نے قصاص عثمانؓ کے لئے سفر اختیار کیا وہ شرعی نقطۂ نگاہ سے غلط ہی نہیں بلکہ قرآن کے احکام کے خلاف بھی تھا کیونکہ نہ تو وہ ان کی وارث تھیں نہ ہی ان سے کوئی قرابت تھی۔ دراصل وہ حضرت علی کی خلافت کو صحیح نہیں سمجھتی تھیں اس لئے حضرت علیؓ سے مخاصمت اور کدورت کی بنا پر انھوں نے قصاص کا فتنہ برپا کیا اور اصلاح امت کے نام پر لوگوں کو جمع کیا دراصل قصاص عثمانؓ کے پس پشت کچھ اور ہی عوامل کارفرما تھے۔ کیونکہ شہادت عثمانؓ سے تو آپ مطمئن تھیں۔ جب آپ نے بصرہ کا قصد کیا تو حضرت ام سلمہؓ نے بھی آپ کو اس غلط اقدام سے روکنا چاہا اور لکھا کہ اگر بحیثیت زوجہ رسول کریم ہمیں گھروں کے اندر رہنے کا قرآنی حکم نہ ہوتا تو میں آپ کے ساتھ ہوتی۔ قاضی بصرہ نے بھی قرآنی حکم کا حوالہ دے کر باز رکھنا چاہا لیکن آپ کا قدم بڑھتا ہی رہا اور دس ہزار مسلمانوں کی جانیں ضائع ہوئیں گو اس واقعہ کے بعد آپ آخر دم تک متاسف رہیں اور رو رو کر فرماتی تھیں کہ کاش میں شامل

پہلے ہی مر گئی ہوتی اور مجھے یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔

جواب ۔حضرت عائشہؓ پر یہ الزام کہ انھوں نے حضرت عثمانؓ کو نعثل کہہ کر پکارا انتہائی مکروہ اور ناروا اتہام ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ محبوبۂ رسول خدا کی شان میں یہ بہتان کسی خاص قسم کے دیدہ دلیر کے قلم سے ہی سرزد ہو سکتا ہے یا ایسا شخص اس گناہ کا مرتکب ہو سکتا ہے جس کے عقائد ہی گمراہ ہوں ہمیں حیرت ہے کہ ایک مسلمان کا ذہن ایسی نازیبا حرکت کی طرف کیونکر مرتکب ہو جاتا ہے۔ اس کی تحریر و تقریر سے اس قسم کے سنگدلانہ کلمات کیونکر ادا ہو جاتے ہیں۔ افسوس! ذرا دیر کے لئے بھی وہ یہ نہیں سوچتا کہ آج وہ جن ہستیوں کی بدولت دین اسلام پر قائم ہے اور مسلمان ہونے پر اسے فخر ہے وہ انھیں بابرکت ہستیوں کے غلاموں کے غلاموں کی خاک پا ہی کا توفیض ہے ورنہ خدا ہی بہتر جانتا کہ ہمارا حشر کافروں میں ہوتا یا مشرکوں میں۔ لیکن آج کا مادہ پرست انسان انھیں ہستیوں کو اپنے ناپاک ذہن و قلم سے سربازار رسوا کر رہا ہے اور ایک خلیفہ راشد عشرہ مبشرہ صحابی اور دامادِ رسول کو ایک یہودی نعثل سے تشبیہ دے رہا ہے اور ستم بالائے ستم یہ کہ زوجۂ رسولؐ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی زبان مبارک سے ان بیہودہ کلمات کو ادا کر رہا ہے اس کا سہرا کس کے سر ہے؟ ظفر صاحب کے اس کے جواب میں سوائے اس کے ہم کیا کہہ سکتے ہیں کہ

"ومن یبتغ غیر اسبیل المومنین نولہ ماتولی ونصلہ جہنم وسائت مصیرا"

اور جس نے مسلمانوں کی صحیح راہ کی اتباع نہ کی تو ہم اسے ادھر ہی پھیر دیتے

ہیں۔ جدھر وہ پھرا ہے اور پھر جھونک دیں گے جہنم میں، کیا برا ٹھکانہ ہے"

اگر ذرا بھی خالی الذہن ہو کر اس مکذوبہ روائت پر تحقیق کی جاتی تو معصیت کا ارتکاب نہ ہوتا۔ یہ روایت ابن قیتبہ، ابن عاثم کوفی اور سماطی جیسے جھوٹے اور افترا پردازوں کی روایت کردہ ہے جن کا شمار جھوٹوں میں کیا گیا ہے جنگ جمل اور دوسری لڑائیوں کے حالات کا نقشہ زیادہ تر انھیں کا زبون کے بہتان سے پر ہے۔ پھر کہاں کا انصاف ہے کہ حضرت عائشہ رضی کے متعلق خدا اور رسولِ خدا کی جو شہادتیں وارد ہوئی ہیں ان کو بالائے طاق رکھ کر ان چند بے ایمان جھوٹے کوفیوں کی روائت پر ایمان لا کر اپنے دین وایمان کو ضائع کیا جائے پھر آخر اہلسنت کے نزدیک ابن قیتبہ کی روائت کی کیا حقیقت ہو سکتی ہے، جبکہ ترمذی، ابن ماجہ اور ابو حاتم رازی نے متعدد طرق سے روائیت کی ہے کہ حضرت عائشہ رض فرمایا کرتی تھیں کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان رض سے فرمایا۔ اے عثمان شائد اللہ تعالےٰ نے تم کو قمیص پہنائے پھر اگر لوگ وہ تم سے اتارنا چاہیں تو اس کو ان کے لیے نہ اتارو، اور آپ نے یہ تین مرتبہ فرمایا"

لیکن حدیث پر ظفر صاحب کیوں ایمان لانے لگے۔ ان کے نزدیک تو حدیث ایک ناخوشگوار بوجھ ہے اور ایک ذخیرہ رطب ویابس ہے جس پر ہر فریق اپنی صحت کا دعدہ کر سکتا ہے اس کے برخلاف تاریخی روایات کی صحت پر ان کے ایمان کا یہ عالم ہے کہ صفحہ ۱۰ پر فرماتے ہیں کہ

"پیش نظر اوراق میں آپ کو جو کچھ ملے گا وہ تاریخ کے وہ ٹکڑے ہیں جن کی تردید یا ان کے خلاف ثبوت ناممکن ہے ؛ اور

تاریخی واقعات ناقابل تردید اور مسلّم ہیں۔

اب بتائیے ایسا شخص جو صحت حدیث کا منکر ہو اور رسُول کا ہر قول و فعل اور عمل اس کے نزدیک مشکوک ہو، ہم اس کی امانت و دیانت، قول و فعل اور تحریر و تقریر کو اسلام کی کسوٹی پر کیوں کر پرکھ سکتے ہیں۔ کیونکہ حدیث سے انکار یا اس کی صحت پر شک کرنا ہی کفر ہے۔ جس منکر حدیث جماعت کا ظفر صاحب نے تذکرہ کیا ہے خدا کے واسطے اس کو مسلمانوں کی جماعت کہہ کر اسلام اور پیغمبر اسلام کا مذاق تو نہ اڑاتے۔ اپنی تحقیق اور مطالعہ کے گھمنڈ کے نشہ میں اتنے بدمست نہ ہو جائیے کہ یہ خمار ایمان کے لئے زہر قاتل ثابت ہو۔ اتنے بھولے نہ بنئے ـــ کیا آپ کو نہیں معلوم کہ منکر حدیث کی جماعت متفقہ طور پر خارج از اسلام قرار دی جا چکی ہے؟ ہاں ظفر صاحب بھی اگر منکر حدیث کی صف میں شامل ہو کر یہ فرمانے لگیں کہ "حدیث ایک ذہنی بوجھ ہے" یا حدیث کی اہمیت سے انکار اس کی مشکوک صحت کی وجہ سے ہے تو پھر کس کا ڈر ہے ان میں جرأت ہو تو منکر حدیث ہونے کا اعلان کر دیں۔

ہر دور میں ملاحدہ کا یہی وطیرہ رہا ہے کہ اسلام اور اس کی تاریخ کو نئی نئی تعبیرات سے لوگوں کے دین و ایمان کو برباد کیا جائے۔ ظفر صاحب کی یہ تحقیق وہی فرسودہ کوشش ہے جو پرویزی فرقہ نے جاری کر رکھی ہے۔ پرویز سے مراد یہاں کوئی فرد نہیں ہے بلکہ وہ مکتب فکر مراد ہے جو قرآن کو سمجھنے کے لئے صرف اپنی عقل کو "کل" سمجھتا ہے۔ حالانکہ قرآن کہتا ہے۔

"انزل اللّٰہ علیک الکتاب والحکمۃ وعلمک

ما لم تکن تعلم ۔ (پ۵ رکوع ۱۴)

اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی اور سکھلایا جو آپ نہیں جانتے تھے ۔"

پھر فرمایا :-

واذکروا نعمۃ اللہ علیکم وما انزل علیکم من الکتاب والحکمۃ ۔ (پ۲ رکوع ۱۳)

"اور اللہ تعالیٰ کی نعمت یاد کرو جو تم پر ہے اور جو تم پر کتاب وحکمت نازل کی"

ان ایات میں کتاب کے ساتھ حکمت کا ذکر ہے جس سے مراد نبی اکرام صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ ہی مراد ہے چونکہ آپ کی ذات اور اعمال و اقوال سراپا مبنی بر حکمت اور حکم کے تابع تھے۔ اس لئے انہیں حکمت فرمایا اتباع سنت پر فرمایا۔

"وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ

اور ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول مگر صرف اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے"

دوسری جگہ ارشاد ہوا۔

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ

(جو اطاعت کرے رسول کی اس نے حکم مانا اللہ کا)

بس ثابت ہوا اطاعت رسول کے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ناممکن ہے ان آیات سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واجب الاطاعت ہیں اور آپ کی فرمانبرداری درحقیقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ہے گویا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا تصور اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب رسول کے بتائے اور

سکھائے ہوئے اطاعت خداوندی کے طریقوں کو اپنایا جائے۔ اسی اطاعت کا نام اطاعت رسول ہے۔ پھر کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ اللہ اپنی اطاعت کے اہم ترین ذریعہ سنت نبوی کی حفاظت کا انتظام نہ کرتا۔ لہذا رسولؐ کے قول و عمل اس کی تعلیمات اور سرمایہ حدیث کو اپنا رہبر اور معلم تسلیم کرنا ہی ہوگا۔

خیر! یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ ہم عرض یہ کر رہے تھے کہ اگر دلائل کو نظریات کے تابع بنانے کا طرز فکر اپنایا جائے تو حدیث ہی کیا قرآن ہی سے عیسائیت بھی ثابت ہو سکتی ہے۔ یہودیت بھی، اشتراکیت بھی اور سرمایہ داری بھی اور انسان تمام ضابطوں اور تمام قاعدوں کو روندتے ہوئے "تحریف" کی سرحدمیں داخل ہو سکتا ہے۔

غرضیکہ اب بھی کوئی ان جھوٹے بے ایمان راویوں پر ایمان رکھتا ہے اور حضرت عثمانؓ کے متعلق حضرت عائشہؓ سے نعثل کے غلط الفاظ منسوب کر کے ام المومنین پر بہتان عائد کرتا ہے تو ہم اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ

لعنت اللہ علی الکاذبین

اب[1] رہا قصاص عثمانؓ کے لئے قدم اٹھانا اور خلیفہ عادل کے خون کا بدلا لینا تو یہ تمام مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے۔ ورثہ کے ساتھ اس کی تخصیص نہیں ہے کیونکہ خلیفہ عادل مسلمانوں کا نائب ہے۔ رعایا کی جان و مال کی حفاظت کرتا اور مال غنیمت کی تقسیم کا ذمہ دار ہوتا ہے پھر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ احکام الٰہی کے نفاذ کے لئے خصوصاً قصاص کیلئے قدم کیوں نہ اٹھائیں! اور وہ بھی ایک خلیفہ مظلوم کا قصاص کے لئے جو بلا عذر شرعی شہید کر دیا گیا ہو۔ رہا، اعتراض کہ وہ خلافت علیؓ کو صحیح نہیں سمجھتی تھیں اور حضرت عائشہؓ کے دل میں حضرت علیؓ کی کدورت تھی تو

---

[1] قصاص عثمانؓ اور جنگ جمل پر گزشتہ اوراق میں بحث کی جا چکی ہے لہذا یہاں بیان مختصر کیا جائیگا۔

یہ انتہائی درجہ گمراہ کن الزام ہے۔ خدا کی پناہ۔ ایک طرف تو صحابہ کرام کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ولٰکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان۔

اور لیکن اللہ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور تمہارے دلوں میں اس کو رونق بخشی اور مکروہ کیا تمہارے نزدیک کفر، بدکاری اور گناہ کو

پھر فرمایا۔

رضی اللہ عن المومنین (اللہ تعالیٰ راضی ہوا مومنین سے)

اور دوسری طرف ان کی شان میں یہ بدگوئی اور اہانت و تحقیر کرنا کہ ان کے دلوں میں رنجش یا کدورت تھی کیا نص قرآنی کے خلاف نہیں ہے؟ جبکہ یہ واضح ہو گیا کہ ان کے قلوب نفاق اور مکر و فریب سے پاک تھے۔ اور پھر ہر دو حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ نے ایک دوسرے کے فضائل و مناقب کثرت سے روایت کئے ہیں چنانچہ دیلمی نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حب علی عبادۃ۔"

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علی کی محبت عبادت ہے)

پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ نبی اکرم کی صریح حدیث کے ہوتے ہوئے جس کو وہ خود روایت کر رہی ہوں حضرت علیؓ کی محبت کے بجائے کدورت کو جگہ دیں۔

اب رہا ام المومنین کا گھر سے باہر نکلنا تو یہ کوئی خلاف شرع بات نہیں ہے کیونکہ باہر نکلنا اگر مطلقاً منع ہوتا تو آیت پردہ کے نازل ہونے کے بعد حضور ازواج کو حج، عمرہ، اور غزوات کے لئے باہر نہ نکالتے۔ نہ ہی والدین سے ملنے مزاج پرسی کرنے اور تعزیت کے لئے باہر جانے دیتے جب خود اللہ تعالیٰ نے

پردہ اور ستر کا لحاظ رکھتے ہوئے ازواج مطہرات اور مومنات کو ضرورت کے تحت باہر نکلنے کی اجازت دی ہو تو اعتراض کرنا بکواس ہے چنانچہ فرمایا

"اے نبی! کہئے اپنی بیویوں، صاحبزادیوں اور مومنین کی عورتوں سے کہ اپنے اوپر چادر ڈالے رکھیں۔ یہ اس سے قریب ہے کہ پہچانی جائیں اور نہ ایذا پہونچائی جائیں، اور اللہ گناہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"

حدیث سے ثابت ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضور ؐ نے فرمایا۔

لَكُنَّ اَنْ تَخرُجْنَ لِحَاجَتِكُنَّ ۔ "تم کو اجازت دی گئی ہے کہ تم اپنی حاجت کے لئے نکلو"

ہاں عورتوں کے سفر کے لئے مردوں کا ساتھ ہونا شرط ہے چنانچہ حضرت عائشہ ؓ کے سفر میں عبداللہ ؓ بن زبیر آپ کی سگی بہن کے بیٹے آپ کے ہمراہ تھے اور طلحہ ؓ بن عبداللہ آپ کی بہن ام کلثوم ؓ بنت ابی بکر ؓ کے شوہر بھی تھے۔ اس طرح زبیر ؓ بن عوام جو آپ کی دوسری بہن اسماء بنت ابی بکر ؓ کے شوہر تھے اور ان ہر دو کی اولادیں آپ کے ساتھ تھیں۔

ابن قتیبہ جس کی کتاب پر شیعوں کو اللہ کی کتاب سے زیادہ اعتماد ہے لکھتا ہے۔

جب عائشہ ؓ کو حضرت علی ؓ کی بیعت کی خبر پہونچی تو آپ نے لوہے کا ہودج تیار کرنے کا حکم دیا اور اس میں آنے جانے کا راستہ رکھا گیا تو آپ طلحہ ؓ و زبیر ؓ کے صاحبزادوں کے ساتھ نکلیں"

پھر تمام امت امہات المومنین کی اولاد کا درجہ رکھتی ہے لہذا ان کا امت کے ہر فرد کے ساتھ باہر نکلنا درست ہے چنانچہ خلیفہ ثانی نے جب ازواج مطہرات

کو حج کیلئے بھیجا تو حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو ان کے ہمراہ کیا اور کہا تم ان کے سعادت مند بیٹے ہو پس تم میں سے ایک ان کی سواری کے آگے رہے اور ایک پیچھے۔"

لہٰذا ایسے نازک موقعہ پر جبکہ امت میں وفساد بپا ہو کوفی اور مصری جنہوں نے خلیفہ کو شہید کیا تھا مدینہ میں ظلم کا بازار گرم کر رکھا ہو جن سے دین کو نقصان پہنچ رہا ہو۔ حضرت عائشہؓ کا اصلاح امت کے لئے قدم اٹھانا کیونکر غیر شرعی ہو سکتا ہے جبکہ

قصاص کی اہمیت کا اندازہ تو حضرت علیؓ کو بھی ہوا۔ لیکن بلوائیوں کے ہاتھوں وہ اس قدر بے بس تھے کہ وہ اس کو انجام نہ دے سکے چنانچہ نہج البلاغہ میں موجود ہے۔

"آپ کے بعض ساتھیوں نے آپ سے کہا کاش آپ ان کو سزا دیتے جنہوں نے عثمانؓ پر بلوہ کیا۔ آپ نے فرمایا۔
اے بھائیو! میں اس چیز سے ناواقف نہیں ہوں جس کو تم جانتے ہو لیکن ایسا کیسے ہو جبکہ وہ اپنی شوکت پر ہیں۔ وہ ہم پر مالک ہیں اور یہ وہ ہیں جن کے ساتھ تمہارے غلام چڑھ آئے ہیں اور ان کے ساتھ تمہارے صحرائی اکٹھا ہو گئے ہیں اور یہ تم ہی میں ہیں جیسی چاہتے ہیں برائیاں کرتے ہیں۔"

ایسی حالت میں جبکہ خلیفہ راشد حضرت علیؓ خود فتنہ پردازوں کے ہاتھوں مجبور ہوں حضرت عائشہؓ کا اصلاح امت کے لئے نکلنا غلط اقدام کہا جا سکتا ہے؟
ظفر صاحب نے کذب بیانی سے کام لیتے ہوئے یہ ایک الزام گھڑا کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ کی طرف سے حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ کو خلافت کی پیشکش

کی گئی تھی ۔ نیز حضرت زبیرؓ بھی خلافت کے خواہشمند تھے لہٰذا حضرت علیؓ پر بیعت کرنے کے بعد ایک مرتبہ حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ ہماری بیعت اس بات پر تھی کہ امور خلافت میں آپ ہمیں بھی شریک رکھیں گے " اس پر حضرت علیؓ نے انھیں جھڑک دیا۔ ان کے چلے جانے کے بعد عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت علیؓ سے عرض کیا۔

"طلحہؓ و زبیرؓ ولایت کے خواہشمند ہیں۔ ان دونوں کو کوفہ و بصرہ کی ولایت دیدیجئے یہ پھر نہ جھنکیں گے ۔"

یہ تمام تر داستان دیولنے کی بڑ ہے۔ جنگ جمل تک تاریخ کے کسی اوراق میں میں حضرت معاویہؓ کی مداخلت کسی طریقے سے ثابت نہیں کی جاسکتی یہ سب رافضیانہ عقاید کی پیروی ہے۔ دراصل ظفر صاحب نے صحابہ کرام کو بھی اپنا جیسا ایسا انسان سمجھ رکھا ہے لہٰذا زبان کو لگام نہیں۔

غور تو کیجئے! حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ عشرہ مبشرہ صحابیوں کی سیرت کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے وہ کیا ظفر کی جہالت اور متعصب ذہن کی دلیل نہیں ہے۔؟ یہ ساری عداوت صرف اس وجہ سے ہے کہ یہ دونوں عشرہ مبشرہ صحابی حضرت عائشہؓ کے بہنوئی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے داماد تھے۔ تعجب ہے حضرت زبیرؓ پر خلافت کی دعویداری کا الزام لگاتے ہوئے ذرا غیرت نہیں آئی کہ یہ وہی صحابی ہیں جن کو لسان رسالت سے حواری کا لقب عطا ہوا۔ جو حضرت عمرؓ کی قائم کردہ مجلس شوریٰ کے رکن تھے جنھوں نے حضرت علیؓ کی خلافت کے حق میں خود کو دست بردار کرلیا تھا جب وہ خود حضرت علیؓ کی خدمت کے حامی اور متمنی تھے۔ ان سے یہ توقع رکھنا کہ وہ حضرت علیؓ کی خلافت کے خلاف کسی سازش میں شریک تھے، ظلم نہیں تو کیا ہے۔ یا حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ کو قاتلین عثمانؓ میں شامل

کرنا گمراہ و فاسد عقائد کی ترجمانی نہیں تو کیا ہے حقیقت سے چشم پوشی اور اصل واقعات پر پردہ پوشی کہاں تک کی جائے گی تاریخ کے اوراق اس حقیقت کے بھی گواہ ہیں کہ حضرت طلحہؓ بھی حضرت عمرؓ کی قائم کردہ مجلس شوریٰ کے ممبر تھے۔ جن کی امانت، دیانت وصداقت پر بھروسہ کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے خلافت کا اہل قرار دیا۔ لیکن حضرت طلحہؓ نے بھی ایثار سے کام لیتے ہوئے حضرت عثمانؓ کے حق میں دست برداری کا اعلان کیا۔ کیا یہ قربانی ان حضرات کی اعلیٰ ظرفی اور بلند و پاک کردار کا بین ثبوت نہیں ہے؟ اب بھی اگر کوئی شقی ان برگزیدہ صحابہؓ پر جن کو لسان رسالت نے عشرہ مبشرہ کا مژدہ سنایا تھا، ایک عشرہ مبشرہ صحابی کا قاتل سمجھتا اور حضرت علیؓ کے خلاف کسی سازشی گروہ میں ملوث کرتا ہے تو اس کو قرآن کے اس واضح حکم کے خلاف جہاد کرنا ہوگا۔

"يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَّهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا۔

ان کا رب ان کو بشارت دیتا ہے۔ اس کی طرف سے رحمت و رضامندی کی اور جنتوں کی جن میں ان کے لئے برقرار رہنے والی نعمتیں ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے"

معلوم ہوا اگر صحابہ میں سے کوئی نافرمانی کا مرتکب ہوا ہے تو وہ غلط فہمی کی بنا پر ورنہ سہواً وارادتاً اور مکر و فریب سے وہ کسی لغزش کے مرتکب نہیں ہو سکتے۔ جن کے بارے میں حق تعالےٰ یہ فرمائیں

أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ۔

(وہی سچے مومن ہیں ان کے لئے درجے ہیں ان کے رب کے نزدیک
اور معافی اور اچھا رزق۔)

اور دوسری طرف ان کی صداقت و دیانت کو فریب سے تعبیر کیا جائے اور اصلاح امت کی خاطر بڑھے ہوئے قدموں کو مفاد پرستی اور موقع پرستی سمجھا جائے تو مجھے اجازت دیجئے میں ایسے ذہنوں کی بابت اعلانیہ کہوں کہ ان کا تعلق شیعوں کے فرقہ زیدیہ کی شاخ دکینہ سے ہے جس کا مذہب یہ ہے کہ وہ حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ کو (نعوذ باللہ) کافر کہتے ہیں اور باقی صحابہ کو بھلائی سے یاد کرتے ہیں۔ کیا ایسے بدعقیدوں کو اسلام یا پیغمبر اسلام سے کوئی نسبت ہو سکتی ہے؟ ایسے ہی لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

ظفر صاحب کا یہ طعن کہ جنگ جمل کے واقعے سے حضرت عائشہؓ آخر دم تک رورو کر یہ فرماتی تھیں کہ کاش میں ۲۰ سال قبل مرگئی ہوتی اور مجھے یہ دن نہ دیکھنا پڑتا" محض افترا ہے۔ صحیح اسی قدر ہے کہ جب کبھی یوم جمل کو یاد کرتیں اس قدر روتیں کہ چادر تر ہو جاتی تھی۔ بے شک زوجہ رسول اور ام المومنین کے لئے یہ کچھ کم اذیت تھی کہ اصلاح امت، بدکردار سبائیوں کو کیفر کردار تک پہونچانے اور تدبیر سے حضرت علیؓ کو ان شورش پسندوں کے چنگل سے چھڑانے کی خاطر جو آپ نے کوششیں کیں۔ وہ عین موقع پر عبداللہ بن سبا کی سازش سے قتل و خونریزی میں بدل گئیں۔ چنانچہ جب قعقاعؓ نے حضرت علیؓ کو یہ خوشخبری دی کہ حضرت عائشہؓ، طلحہؓ و زبیرؓ اس پر متفق ہو گئے ہیں کہ جب تک حالات ٹھیک نہ ہو جائیں قاتلین عثمانؓ سے پہلو تہی اختیار کی جائے گی۔ حضرت علیؓ بہت خوش ہوئے تین دن تک قیام فرمایا۔ صلح کی بات چیت طے ہو گئی اور تیسرے دن جب یہ بات طے پائی کہ حضرت

طلحہؓ و زبیرؓ سے حضرت علیؓ کی ملاقات ہو گی اور اس مجلس میں قاتلین عثمانؓ نہ ہوں گے یہ شرط سبائی گروہ کے حق میں خطرناک تھی چنانچہ وہ حیران و پریشان عبداللہ بن سبا کے پاس پہونچے اور چارہ کار کو پوچھا اس نے کہا رات ہی رات قتال شروع کر دو اور حضرت امیر سے یہ ظاہر کرو کہ دھوکا ادھر سے ہوا ہے آخر رات ہی رات ام المومنین کے لشکر پر شبخون مارا گیا۔ دونوں محترم ہستیوں کو ایک دوسرے کے خلاف صف آرا کیا گیا۔ طلحہؓ و زبیرؓ نے اپنی طرف سے عذر کیا۔ لیکن افسوس جنگ کی آگ بھڑک چکی تھی یہ اصل واقعہ ہے اس میں حضرت عائشہؓ طلحہؓ یا زبیرؓ کی کہاں تک زیادتی ہے اور شورش پسند فرقہ سبائی گروہ کا اس خونریزی میں کہاں تک دخل ہے اس کا الزام ہر صحیح الدماغ شخص سبائی گروہ ہی پر عائد کرے گا۔ نہ کہ ظفر صاحب کی طرح کہ سارا قصور ام المومنین اور ان کے لشکر پر عائد کرے گا۔ طلحہؓ و زبیرؓ کے خلاف ظفر صاحب کا قلم تو بڑی بے باکی سے الزامات کے دفتر کے دفتر مرتب کرتا چلا جاتا ہے لیکن قتل وغارتگری کے اصل محرک سبائی گروہ کے ساتھ ان کی عقیدت کا یہ عالم ہے کہ ایک لفظ بھی اس کے خلاف ان کے قلم سے ادا نہیں ہوتا۔ قاتلان عثمانؓ کے اس منافق گروہ سے ظفر صاحب کی وابستگی اور چاپلوسی کی آخر کیا توجیہہ کی جائے گی؟ حالانکہ اہلسنت کی کتابوں میں حضرت علیؓ کے متعلق یہ الفاظ مروی ہیں کہ جب ام المومنین کے لشکر کو شکست ہوئی اور حضرت علیؓ مقتولین کی لاشوں کا ملاحظہ فرما رہے تھے تو اپنی رانوں کو پیٹتے تھے اور فرماتے تھے

يٰلَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَنْسِيًّا۔

"کاش میں اس سے پہلے مرجاتا اور ایک بھولی ہوئی چیز ہو جاتا"

اگر حضرت عائشہؓ سے بھی ایسے ہی الفاظ ثابت ہوں تو ان کی بھی اسی قسم کی

ندامت کیوں نہیں سمجھا جاتا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس قسم کے احساسات تو دونوں بزرگوں کی انصاف پسندی اور مرتبہ شناسی کی دلیل ہیں۔ آخر اس میں ہجو کا کیا سوال۔

طعن ۴

"حضرت عثمان غنیؓ اور رفض ظفر"

جہاں تک ظفر صاحب کا اصحاب رسولؐ پر زہر افشانی کا تعلق ہے قارئین پچھلے اوراق میں ملاحظہ کر چکے ہیں۔ اب میں انتخاب عثمانؓ اور عہد عثمانؓ کے بارے میں ظفر صاحب کے ان بے جا اعتراضات کی نشاندہی کرنا چاہتا ہوں جو انھوں نے بجنسہٖ منافق بلوائیوں کی طرح حضرت عثمانؓ پر عائد کئے ہیں (حالانکہ عہد عثمانی سے لے کر آج تک نہ معلوم کتنی بار ان گھناونے الزامات کی تردید ہو چکی ہے اور خود حضرت علیؓ بھی ایک ایک الزام کا مدلل جواب دے کر حضرت عثمان کی پوزیشن صاف کر چکے ہیں۔) یہ سب کچھ ہوا۔ مگر آج ظفر صاحب پھر سبائیہ گروہ کے قائد کی حیثیت سے انہیں بے بنیاد الزامات کو دہرانے کی ناکامیاب کوشش فرما رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ظفر صاحب چولا بدل کر جماعت سبائیہ کی رفض ظفر نام نہاد روایات کو زندہ کرنا چاہتے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

یہ کہاں کی دیانت ہے کہ اگر کوئی روایت چند طرق سے مروی ہو اس میں سے صرف اسی روایت کو منتخب کیا جائے جس سے کسی محترم شخصیت

کی تذلیل مقصود ہو۔ دشمن صحابہ کے اعتراض کو آنکھ بند کر کے من وعن نقل کرتے چلے جانا ظفر صاحب نے اپنا مسلک بنا لیا ہے۔ جبکہ اس چودہ سو برس کے اندر صحابہ و تابعین کے دور سے لیکر ہر دور میں ان کو باطل قرار دیا جا چکا ہے۔ ایسا کرنا انتخاب کرنے والے کی طبعی کجی و طبعی اقتضا کا پتہ دیتی ہے۔ جو یقیناً کسی مخفی سوزش قلبی ہی کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔

اب آئیے ظفر صاحب کے ارشادات اور ان کے متعلق احقر کے معروضات سنیئے:-

ظفر صاحب نے انتخاب عثمانؓ کو ایک سوچی سمجھی اسکیم قرار دیتے ہوئے شوریٰ کے فیصلہ کو عزیز داری قرابت داری اور پاسداری پر محلول کیلئے تنگ نظری ملاحظہ ہو حضرت عثمانؓ کی نامزدگی کے دن کو قبیلہ پرستی کے مظاہرہ کا دن قرار دیئے ہیں۔ ان کا غم وغصہ صرف اس وجہ سے ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت علیؓ کو خلیفہ کیوں نہیں نامزد کر دیا جبھی تو سبائیوں کے چبائے ہوئے نوالے چباتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ حضرت عثمانؓ کے بہنوئی ہونے کی وجہ سے عبدالرحمٰنؓ نے رشتہ داری کا پاس کیا۔ اس پر بھی ان کی عصبیت جاہلی کو سکون نہ ہوا۔ تو حضرت عباسؓ سے یہ روایت بیان کردی

"اے علیؓ عبدالرحمٰنؓ سے نیکی کی توقع نہ کرنا وہ عثمانؓ کی طرفداری ہر حال میں کریں گے۔"

شاباش! کیا سعادت مندی ہے؟ عشرہ مبشرہ صحابہ کے متعلق یہ بدگوئی و بدظنی ظفر صاحب کا بدترین فسق اور بدترین ظلم ہے۔ ممکن ہے بعض حضرات صحابہ کی یہ بدگوئی سنکر اتنے ہی پر اکتفا کریں کہ

"صحابہ کا بدگو خدا کے یہاں خود جوابدہ ہوگا۔"

مگر میں صحابہ کا خادم ہوں ان کے خلاف ہر اینٹ کا جواب پتھر سے دینا زیادہ نافع سمجھتا ہوں۔ میرے نزدیک صحابہ کی برائی سننے کے بعد خاموشی جائز نہیں اور پھر سیدنا عثمان غنی کے متعلق جو خلافت علی منہاج النبوۃ کے خاتم تھے ان کی برائی سننے کے بعد خاموش رہنا خود حضورؐ کی شان نبوت کے خلاف منکر خاموش رہنے کے برابر ہے کیونکہ حضورؐ نے خود سیدنا عثمانؓ و علی کی شہادتوں میں فرق فرمایا ہے کہ سیدنا عثمانؓ کی خلافت کو تو اہم سمجھ کر اس کی حفاظت کا حکم فرمایا تاکہ شان نبوت پر اثر نہ پڑے مگر سیدنا علیؓ کو حفاظت خلافت کا کوئی حکم نہیں دیا۔ ظفر صاحب کا قلم شطرنج کے گھوڑے کی طرح دورخی مار مارتا ہے جس کی مثال اس عبارت سے ظاہر ہوتی ہے کہ ایک طرف تو خلیفہ اول و دوم پر یہ الزام عائد کیا ہے کہ دونوں نے اپنے تیرہ سالہ دور میں اہلبیت کی اہمیت اور مرتبہ کو بہت کچھ کم کر دیا تھا۔ تو دوسری طرف حضرت عمرؓ کی یہ رائے حضرت علیؓ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

"اگر لوگوں نے علی کو ذمہ دار بنا دیا تو وہ قوم کا کام سنبھال لیں گے"۔

غرضیکہ ان کی عبارت سے اگر صحابہ کبار پر زد پڑتی ہے تو اس کا انھیں احساس نہیں ہے ان کا مقصد تو صرف حضرت علیؓ کی مدح سے ہے۔

اب ہم حضرت عمرؓ کے جانشینوں کے متعلق صحیح بخاری کی ایک روایت پیش کرتے ہیں جن میں حضرت عمرؓ نے ان چھ بزرگوں کے متعلق یہ وصیت فرمائی تھی۔

لوگوں نے عرض کیا اے امیر المومنین وصیت کر دیجئے اور کسی کو

جانشین بنا دیجئے۔ فرمایا اس امر کے متعلق ان چھ بزرگوں سے بہتر کسی کو نہیں پاتا۔ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخر وقت تک راضی رہے۔ جن کے متعلق حضورؐ نے فرمایا تھا کہ یہ لوگ جنتی ہیں۔ پھر آپ نے حضرت عثمانؓ، علیؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، سعدؓ اور عبدالرحمنؓ بن عوف کے نام لئے۔ اور فرمایا عبداللہؓ بن عمر تمہارے ساتھ موجود رہیں گے مگر ان کا اس معاملہ میں کوئی حصّہ نہ ہوگا۔ اب اگر حکومت سعد کو ملے (نہ کہ علیؓ کو) تو وہ اس کے اہل ہیں ورنہ پھر تم میں سے جو کوئی حاکم بنایا جائے اسے چاہیئے کہ ان سے مدد لیں کیونکہ میں نے انھیں جو معزول کیا تھا تو کسی کمزوری یا خیانت کی بنا پر نہیں کیا تھا۔"

اب طبری کی روائیت بھی ملاحظہ ہو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

ابو عبیدہ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ بناتا ابو حذیفہ کے غلام سالم بھی زندہ ہوتے تو میں ان کو مقرر کرتا پھر ان چھ صحابہ کا نام لے کر فرمایا۔ عثمانؓ و علیؓ تو عبدمناف کی اولاد (یعنی رسول اللہ کے خاندان) ہی کے ہیں۔ عبدالرحمنؓ اور سعدؓ دونوں حضورؐ کے ماموں ہیں، زبیرؓ حضورؐ کے حواری اور پھوپھیرے بھائی ہیں۔ طلحہؓ بھی طلحۃ الخیر ہیں۔ حضورؐ ان سب سے آخر وقت تک راضی تھے۔ ان میں سے کسی کو چن لینا اور جب کسی کو والی بنا لینا تو اس کی اطاعت اور پوری مدد کرنا۔ (طبری ج ۵ ص ۳۴)

اب غور فرمایئے وہ حضرات جن سے اللہ اور اللہ کا رسول آخر وقت تک خوش تھے اور جن کو زندگی ہی میں جنت کی بشارت سے بھی سرفراز فرمایا۔ ان کے اندر

ظفر صاحب کو کوئی خوبی نظر ہی نہیں آتی۔ کیسی بے باکی سے حضور کے ماموں حضرت عبدالرحمنؓ کے حق میں سیدنا عباسؓ سے یہ جھوٹی روایت منسوب کردی کہ "عبدالرحمنؓ سے نیکی کی توقع نہ کرنا چاہیئے۔" ظفر صاحب نے اپنے حساب میں تو یہ مکذوبہ روایت پیش کرکے حضرت عباسؓ کو دوراندیش اور سیاسی سوجھ بوجھ سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن حقیقتاً حضرت عباسؓ کو بھی غیبت کا مرتکب بنایا ہے۔ کیا یہ عصبیت نہیں ہے کہ بجز علیؓ کے پانچ صحابہ کی سیرت کو برے پہلو سے بیان کیا جائے۔

ظفر صاحب نے بہت زور دے کر حضرت علیؓ کا یہ ارشاد رقم کیا ہے۔

"انتخاب خلیفہ میں عزیز و رشتہ داری کا پاس نہ کیا جائے"

کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ یہ عزیزداری و رشتہ داری کا معاملہ ظفر صاحب نے حضرت علیؓ خلیفہ رابع کے یہاں پایا تو اس سے نفرت کی یا نہیں؟ یا محض قبیلہ پرستی کا مظاہرہ صرف عبدالرحمنؓ یا عہد خلافت عثمانی ہی میں ہوا اور عہد خلیفہ چہارم میں اس کا نشان نہ تھا؟

اتنا اور سمجھا دیجئے کہ وہ کونسی گھڑی تھی جب حضرات طلحہؓ، زبیرؓ، سعدؓ ابن وقاص اور عبداللہ بن عمرؓ نے ملکر عبدالرحمنؓ بن عوف سے یہ خیال ظاہر کیا ہو کہ حضرت علیؓ کو خلیفہ بنا دیجئے اور عبدالرحمنؓ نے اکثریت کے فیصلہ کو پس پشت ڈال کر من مانی کارروائی کی ہو۔ اللہ اللہ آج کا قصہ گو جس کا کام ہی من گھڑت واقعات و روایات کی پیروی کرنا ہو اس سے حق کی امید ہی کیسے کی جا سکتی ہے۔ "پیتل کے بندے" کا مصنف جب "خلافت و حکومت" پر رائے زنی کرنے لگے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے جاہل کے ہاتھ میں قلم پکڑا دیا۔ خیر میں اپنی معلومات کی بنیاد پر حتی الوسع موصوف کے تراشیدہ

زہر آلود الزامات کی تیزی کو معتدل بنانے کے لئے جرعہ تریاق دینے کی سعی کر رہا ہوں۔

ظفر صاحب کو عبداللہ بن عمرؓ پر الزام لگاتے ہوئے غیرت آنی چاہیے۔ جبکہ حضرت عمرؓ خود یہ وصیت کر گئے تھے کہ

"ان کا اس معاملہ میں کوئی حصہ نہ ہوگا"

پھر وہ کیونکہ کسی فریق کی موافقت یا مخالفت کر سکتے تھے۔ عبداللہ بن عمرؓ ارکان شوریٰ کے ممبر ضرور تھے لیکن وہ صرف حضرت عمرؓ اور شوریٰ کے دوسرے ممبروں کے درمیان واسطے تھے جس کا اظہار وہ خود بھی اس طرح کر چکے تھے۔

"میں اس شورہ میں شامل ہونا نہیں چاہتا"

کیا ظفر صاحب کی نگاہوں سے حضرت عمرؓ کے یہ الفاظ بھی غائب ہو گئے تھے کہ

اگر تم میں سے تین آدمی ایک طرف ہوں اور تین آدمی دوسری طرف ہوں تو عبداللہ بن عمرؓ کو حکم بنا نا اور اگر عبداللہ کا فیصلہ تسلیم نہ کیا جائے تو اس گروہ کا ساتھ دینا جس میں عبدالرحمن بن عوف ہوں"

تو کیا شوریٰ میں ایسا موقع پیش آیا کہ تین آدمی ایک طرف اور تین آدمی دوسری طرف ہوئے ہوں؟ یقیناً نہیں تو پھر عبداللہ بن عمرؓ کی اپنی رائے ظاہر کرنا کیا معنی! اس کے برخلاف تاریخی حقیقت اس طرح ہے

الف دو دن تک جب ارکان شوریٰ کسی نتیجہ پر نہ پہونچ سکے تو سب سے پہلے حضرت عبدالرحمن نے ایثار سے کام لیتے ہوئے اپنے آپکو خلافت سے دستبردار کر لیا

(ب) بعد میں حضرت طلحہؓ حضرت عثمانؓ کے حق میں حضرت زبیرؓ حضرت علیؓ کے حق میں اور حضرت سعدؓ حضرت عبدالرحمنؓ کے حق میں دستبردار ہو گئے

تو اب صرف [redacted] بزرگ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ رہ گئے تھے۔ جن
میں سے خلیفہ منتخب کرنا تھا۔

(ج) عبدالرحمنؓ بن عوف نے اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کیلئے ضروری سمجھا کہ اتحاد و یگانگی کا نور نفاق و انشقاق کی تمام تاریکیوں کو چھانٹ دے چنانچہ انھوں نے حضورؐ کے صحابہ سے لے کر امراء لشکر، رؤسائے قوم سے ملاقاتیں اور مشورے شروع کئے اور ایک واضح اکثریت نے حضرت عثمانؓ کے حق میں رائے دی۔

(د) اگلے دن مسجد نبوی میں عبدالرحمنؓ ان دونوں بزرگوں کو لے گئے اور فرمایا۔ "حضرات! دوسرے شہروں کے لوگ چاہتے ہیں کہ اپنے گھروں سے جانے سے پہلے یہ معلوم کریں کہ ہمارا امیر کون ہے؟ حضرت سعیدؓ بن زید نے کہا ہم آپ کو امارت کا اہل سمجھتے ہیں۔ عبدالرحمنؓ نے فرمایا۔ میرے سوا کسی کا نام لو۔ حضرت عمارؓ بن یاسر اور حضرت مقدادؓ بن عمرو نے علیؓ کا نام پیش کیا، اور عبداللہؓ بن ابی سرح اور عبداللہؓ بن ابی ربیعہ نے عثمانؓ کو تجویز کیا۔

قبل اس کے کہ بات زیادہ بڑھتی عبدالرحمنؓ بن عوف نے حضرت علیؓ سے کتاب و سنت کے بعد سنتِ شیخین پر عمل کرنے کی شرط کرنی چاہی تو سیدنا علیؓ نے اسے تسلیم نہیں کیا اور کچھ اس قسم کا جواب دیا تھا کہ میں خود اپنی صوابدید پر عمل کروں گا لیکن ابن عوفؓ نے جب یہی شرط حضرت عثمانؓ کی کی تو انھوں نے شرط قبول کر لی۔ اس پر ابن عوف نے اپنا سر مسجد کی چھت کی طرف اٹھایا اور تین بار کہا "یا اللہ! میں سنتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں" اور حضرت عثمانؓ سے بیعت کر کے ان کے انتخاب کا اعلان کر دیا۔

انتخاب عثمان اور بیعت کے سلسلہ میں ظفر صاحب نے حضرت علیؓ جیسے نیک و پاک باطن بزرگ پر یہ شرمناک الزام تراشا کہ عبدالرحمان کا فیصلہ سُنکر حضرت علیؓ اور ہاشمی مسجد سے اُٹھ کر چلے گئے۔ مجھے سخت حیرت ہے وہ ظفر جو حضرت علیؓ اور بنو ہاشم کی مدح میں رطب اللسان نظر آتا تھا یکا یک اپنا چولا کیسے بدل ڈالا۔ ایک جلیل القدر صحابی اور داماد رسول کو اتنی بڑی عصبیت جاہلی کا مرتکب قرار دیا کہ بھری مسجد سے خلیفہ کی بیعت کئے ہوئے بغیر اُٹھ کر چلے گئے۔ توبہ توبہ۔ خدا کی قسم اس لغو و لچر روائیت کو قبول کرنا تو کجا سننا بھی گوارا نہیں۔ حضرت علیؓ کا یہ مقام ہرگز نہیں ہے۔ جس کی نشان دہی ظفر صاحب فرما رہے ہیں۔ مت بھولئے یوم التغابن قریب ہے اور صحابہ کے خلاف ایک ایک بدگوئی کا حساب آپ کو دینا ہوگا۔ اس سلسلہ میں ابن سعدؒ کی روائت ہے کہ

"حضرت عثمانؓ کی سب سے پہلے بیعت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے کی اور ان کے بعد حضرت علیؓ نے۔"

پھر ایک اور سند سے بیان کیا ہے کہ

"حضرت عثمانؓ کی سب سے پہلے بیعت حضرت علیؓ نے فرمائی ان کے بعد اور لوگوں نے"

طبری نے بھی اسی قسم کی روائیت بیان کی ہے کہ

عبدالرحمٰنؓ منبر پر اس جگہ بیٹھے جہاں نبی اکرمؐ جلوہ افروز ہوتے تھے، اور حضرت عثمانؓ کو ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد دوسری سیڑھی پر بٹھا لیا۔ لوگ ان کے پاس آتے اور بیعت کرتے۔ سب سے پہلے حضرت علیؓ نے ان کی بیعت فرمائی"

ظفر صاحب کو ایک شکایت یہ بھی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے رشتہ داروں کو گورنر مقرر کیا ! یہ اعتراض یا تو عصبیت کا نتیجہ ہے یا پھر تاریخ کی معتبر شہادتوں تک ظفر صاحب کی نظر نہیں پہونچیں۔ اس لئے میں سب سے پہلے خلیفہ راشد حضرت عثمان کا بیان جواب نقل کرتا ہوں — جن کا دعویٰ ہے کہ

"میں نے تو بس انھیں کو گورنر مقرر کیا جنھیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکرؓ و عمرؓ نے گورنر بنایا تھا۔"

خلیفہ راشد کے اس جواب کے بعد ان کے خلاف زہریلے الزامات کا سلسلہ ختم ہو جانا چاہیئے تھا۔ لیکن ظفر صاحب نے سیدنا عثمان غنیؓ کے خلاف جو فتنہ اٹھایا ہے۔ اس کا بانی وہ خود حضرت عثمان کو ٹھہراتے ہیں، اور اصل بلوائیوں کے نام لیتے ہوئے ان کی رگ حمیت مجروح ہو رہی ہو تو بھلا وہ عثمان غنیؓ کے مذکورہ فرمان پر کیوں کر ایمان لا سکتے ہیں؟ دراصل اس چنگاری کا ذمہ دار وہ مردود ابن سبا یہودی ہے جو ۳۱ھ میں عہد عثمانی میں منافقت سے اسلام لایا اور اس نے سیدنا عثمانؓ سے کوئی عہدہ مانگا تو روشن ضمیر خلیفہ نے عہدہ دینے سے انکار کیا۔ اسی جذبہ انتقامی کے تحت اس نے یہ پروپیگنڈہ شروع کیا کہ علیؓ وصی رسولؐ ہیں۔ خلافت رسول علیؓ کا حق ہے۔ ابو بکرؓ و عمرؓ غاصب ہیں وغیرہ وغیرہ اس تحریک میں جو لوگ شریک ہوئے حکیم ابن جبلہ، مالک اشترؓ، کمیل ابن حمق وغیرہ تھے۔ یہ تمام چنگاری انھیں لوگوں کی بھڑکائی ہوئی تھی جن کے فعل پر ظفر صاحب پردہ داری فرما رہے ہیں۔ یہی ابن سبا ہے جس نے ۳۵ھ میں ایک اقتصادی مسئلہ مال و ملکیت کا اٹھا کر حضرت عثمانؓ اور ابوذرؓ میں اختلا

پیدا کر دیا اور جیسے حضرت ابو درداءؓ نے پہچان کر صاف کہدیا تھا کہ

"مجھے تو یہودی معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہاں سے کمبخت"

خدارا انصاف فرمایئے انھیں فسادیوں کو ظفر صاحب مسلمان کہہ کر مخاطب ہیں۔ میں پوچھتا ہوں اگر یہی منافق ان کی نظر میں مسلمان ہیں اور مالک اشتر جیسے شورش پسند ان کے بھائی تو قرآن کا یہ فرمان کن لوگوں کے لئے ہے۔

"ان المنافقین فی الدرک الاسفل"

ظفر صاحب مالک اشتر کو سینے سے لگاتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کا مالک اشتر کے خوف سے بیعت کرنے کا جو تاثر پیش کیا گیا ہے وہ بے بنیاد ہے"

اب حضرت شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی کی تحریر ملاحظہ فرمایئے

مالک اشتر نہ صحابی تھا نہ صحابی زادہ، بلکہ فتنہ و فساد کا محور تھا۔ عثمانؓ کو اسی نے شہید کیا۔ طلحہؓ و زبیرؓ کو ڈرا کر بغاوت کا سبب بنا۔"

جس کے بارے میں سیدنا علیؓ نے یہ رائے ظاہر فرمائی تھی۔

"جہاں تک مجھے معلوم ہے تو لڑکپن میں بھی بڑا بدمزاج تھا اور بڑے ہونے پر بڑا بد اخلاق ہے۔"

(خضری ج ۲ صفہ ۴۳ و طبری)

ملاحظہ فرمایا! ایسے قاتل عثمان کو ظفر صاحب نے مسلمانوں کی صف میں شامل کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ یہ تاثر بھی قائم کیا ہے۔ کہ مالک اشتر کچھ مسلمانوں کے ساتھ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جلد بیعت لینے

کی استدعا کی کیونکہ اس کا امکان تھا کہ بنو امیہ طاقت حاصل کر کے مزید کشت وخون کا باعث نہ بن جائیں۔

ظفر صاحب نے یہاں قصداً ان مسلمانوں کی وضاحت نہیں فرمائی کہ مالک اشتر کے ہمراہ کس رتبہ و مرتبہ کے مسلمان تھے۔

دیکھا آپ نے کس چابکدستی اور جانبداری سے ظفر صاحب نے یہودی مجوسی اور قاتلین عثمان جنہوں نے مدینہ میں کشت خون کا بازار گرم کیا ان کو اپنا دینی بھائی قرار دیا اور بنو امیہ جو ظفر صاحب کے ماموں ہیں اور جنہوں نے ان قاتلین کو کیفر کردار تک پہونچا کر خلیفہ سوم کی روح اور نبی اکرم کے اس فرمان کو عملی جامہ پہنا کر اتباع رسول کا حق ادا کیا ان کے نزدیک خونی اور ظالم ہیں۔ چنانچہ امام طبرانی نے معجم اوسط میں ایک حدیث حضرت زبیرؓ سے روایت کی ہے۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ایک کافر قریشی کو باندھ کر قتل کرایا پھر فرمایا آج کے بعد سے کوئی قریشی باندھ کر قتل نہ کیا جائے۔ بجز اس شخص کے جو عثمانؓ بن عفان کو شہید کرے۔ دیکھو ایسا نہ کروگے تو پھر تم بھی بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کئے جاؤ گے"

(جمع الفوائد ذکر عثمانؓ)

معلوم ہوا حضورؐ قاتلین عثمان سے قصاص لینے کو بہت ضروری سمجھتے تھے لیکن آج کا عقرلی ذہن قاتلین عثمان کو تو تنقید سے بالاتر سمجھتا ہے اور خلیفہ راشدہ اور قاتلین عثمان کی سرکوبی کرنے والی جماعت بنو امیہ کے سو عیب نکالتا ہے۔ ظفر صاحب اپنی اس بدعقیدگی کا خمیازہ خود قیامت

میں بھٹکیں گے۔

میرے نزدیک ایسے گندم نما جو فروش حضرات جو اپنے پراگندہ خیالات اور تنگ نظری کے تحت صحابہ کو مجرم ٹھہرائیں ان سے حق و انصاف کی توقع رکھنا بعید از قیاس ہے چنانچہ میرے لئے ایسے نا عاقبت اندیش حضرات کا احترام نا قابل برداشت ہے اور قارئین سے معذرت خواہ ہوں کہ میں آئندہ سے ظفر صاحب کے بجائے صرف ظفر سے مخاطب ہوں گا۔ کیونکہ جس شخص کو صحابہ کا احترام ملحوظ خاطر نہ ہو تو پھر میرے نزدیک اس کی عزت کرنا بھی واجب نہیں۔

عہد عثمانی کے جن عہدیداروں پر الزام لگایا گیا ہے ان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

(۱) حضرت معاویہؓ اموی جو صرف دمشق کی ولایت پر تھے۔ حضرت عثمانؓ نے پورے شام کا گورنر بنا دیا۔

(۲) حضرت عمروؓ بن عاص کو مصر کی گورنری سے ہٹا کر اپنے رضاعی بھائی عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح عامری کو مقرر کیا۔

(۳) حضرت ابو موسیٰؓ اشعری کو بصرے کی گورنری سے معزول کر کے اپنے ماموں زاد بھائی عبداللہؓ بن عامر بن کریز اموی کو ان کی جگہ مامور کیا۔

(۴) حکم بن العاصؓ کو مدینے آنے کی اجازت دیکر رسولؐ کے ایک صریحی حکم کے خلاف عمل کیا۔

(۵) مروانؓ جن کو حضورؐ شہر بدر فرما چکے تھے۔ نہ صرف واپس بلا لیا بلکہ اپنا پرائیوٹ سکریٹری بنا لیا۔

(۶) حضرت ابوذر غفاریؓ کو محض معاویہؓ کی خوشی کے لئے ان کا شام میں داخلہ ممنوع کر دیا۔

یہ وہی الزامات ہیں جو آج سے تیرہ سو برس پہلے مفسدوں نے عہد عثمانی میں حضرت عثمانؓ کو معزول یا شہید کئے جانے کے جواب میں تراشے تھے۔ جن کو سنتے سنتے کان پک گئے ہیں۔ لیکن جب تک ان مفسدوں کی وکالت کرنے والے بدباطن لوگ موجود ہیں شائد یہ سلسلہ ختم نہ ہو۔ یہ اعتراض نقل کرنے کے بعد ظفر لکھتے ہیں:۔

"ان باتوں کا یہ ردّعمل ہوا کہ علی الاعلان یہ کہا جانے لگا کہ یہ خلافت اسلامیہ نہیں ہے۔ حکومت بنو امیہ ہے"

فتنہ پردازوں کے نمک خوار سے یہی اُمید تھی غضب خدا کا کس ڈھٹائی سے فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت خلافت اسلامیہ نہ تھی۔ رشک امیہ میں اتنے بدحواس ہوگئے۔ کہ تعصب کے اندھے پن نے یہ نہ دیکھا کہ حضرت عثمانؓ غنی بھی اموی ہیں جن کی خلافت کو وہ غیر اسلامی قرار دے رہے ہیں۔ سچ فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

"اللہ بچائے ایسے مکار دوست سے جو نیکیاں دیکھتا ہے تو انھیں دفن کر دیتا ہے اور ایک بھی برائی دیکھتا ہے تو ہر طرف اُسے گاتا پھرتا ہے"

پھر آگے فرماتے ہیں:۔

حضرت عثمانؓ نے بنو امیہ ہی کو اپنا مشیر و قوت بنا لیا اور مہاجرین وانصار عملی طور پر ان سے الگ ہوگئے۔

اب ظفر جی سے کیا کہیں کہ خلافت عثمانی میں ۲۳ عامل تھے (ملاحظہ ہو طبری)

ان میں سے کل دو اموی تھے۔ شام میں حضرت معاویہؓ، بصرہ میں عبد اللہ بن عامر یہ دونوں برقرار رہے لیکن دو حضرات (ولید بن عقبہ اور سعید بن عاص) یکے بعد دیگرے کوفہ کے عامل بنائے گئے تھے۔ لیکن شرپسندوں نے جب ان کی جھوٹی شکایتیں کیں تو نیک نفس خلیفہ نے رعایا کا مقصد سمجھ کر ان کو معزول کر دیا تھا۔ باقی عمال جو اہم عہدوں پر مقرر تھے وہ حسب ذیل آٹھ حضرات ہیں:۔

(۱) مروانؓ بن حکم اموی (کاتب) (۲) زیدؓ بن ثابت انصاری (قاضی مدینہ) (۳) ابو درداءؓ انصاری (قاضی دمشق) (۴) عبد اللہؓ بن عباس ہاشمی (امیر الحج) (۵) عقبہؓ بن عمرو (افسر بیت المال) (۶) جابرؓ مزنی (افسر خراج) (۷) سماکؓ انصاری (افسر خراج) (۸) قعقاعؓ بن عمرو (افسر افواج کمک) ان آٹھ عہدیداروں میں صرف ایک مروانؓ اموی ہیں باقی دوسرے قبائل کے ہیں۔ جن میں انصار و ہاشمی بھی شامل ہیں۔ اس تاریخی حقیقت کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا کہ بنو امیہ اپنی قائدانہ لیاقت فطری صلاحیت اور ایمانی قوت کے سبب عہد عثمانی ہی میں ہی نہیں بلکہ عہد نبویؐ، عہد صدیقیؓ، عہد فاروقیؓ، میں بھی ہمیشہ اونچے عہدوں پر فائز رہے اور ان کی تعداد عثمانی دور سے زیادہ ان تینوں ادوار میں تھی۔ عہد رسالت میں گیارہ اموی سادات کو منصب کتابت وحی و منصب امارت و سیادت میں رکھا گیا ان میں سات حضرات کاتب وحی بھی رہے اور منصب امارت پر بھی جلوہ افروز ہوئے۔ اسی طرح عہد صدیقیؓ میں بھی عہد نبوی عہد نبویؐ کے کسی اموی عامل کو معزول نہیں کیا گیا۔ بجز اس کے کہ جو عہد رسالت میں شہید ہوئے اس طرح ان کے تعداد چھ ۶ رہ گئی۔ حضرت عمرؓ فاروق کے

زمانہ میں پانچ اموی عہدیدار منصب جلیلہ پر فائز کیے گئے۔

یہ چار دور کے اموی عہدیداروں کی تعداد ہے اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ؐ نے امویوں کو زیادہ عہدہ دیئے یا حضرت عثمانؓ نے ابوبکرؓ وعمرؓ نے امویوں کو زیادہ عہدہ دیئے یا عثمانؓ نے۔ ایک طرف امویوں کی یہ شان وعظمت ہے دوسری طرف ظفر کی تاریخ سے یہ لاعلمی

اب اس کو بغض عثمانؓ قرار دوں یا بغض امیہ کہ عمال کے تبادلے یا ان کی معزولی اگر حضرت عمر یا حضرت علی فرمائیں تو ان کا انداز فکر و عمل صحیح اور حق بجانب قرار دیا جائے لیکن وہی اسی انداز فکر سے اگر حضرت عثمانؓ اموی عملی قدم اٹھائیں تو اس کو شورش اور اقربا پروری کے الزامات لگائے جائیں۔ میں پوچھتا ہوں جب حضرت عمرؓ نے خالدؓ سیف اللہ مغیرہؓ بن شعبہ اور سعدؓ بن ابی وقاص فاتح ایران کو معزول کیا عمیر بن سعد کو معزول کرکے امیر معاویہؓ کو مقرر کیا یا حضرت علیؓ نے جنہوں عنان حکومت لیتے ہی تمام عمال عثمانی کو یک قلم موقوف کیا جن پر گذشتہ چاروں متبرک ادوار میں بھروسہ کیا جاچکا تھا۔ ان کی جگہ بنی ہاشم کو حکومت میں بھرا جو صریح سنتِ رسولؐ اور سنتِ شیخین کے خلاف تھا۔ اس پر ظفر کی گز بھر کی زبان دراز نہیں ہوئی۔ اب اس کو ان کی نگاہ کا نقص کہوں یا دل کا کھوٹ۔

حضرت عثمان پر اقربا پروری کا الزام لگانے والے ذرا عہد مرتضوی کے بھی عہدیداروں پر نگاہ کریں پھر انصاف سے فیصلہ کریں کہ اقربا پروری کا الزام حضرت علیؓ پر بھی عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ مثلاً

(۱) حضرت عبداللہ بن عباسؓ۔ حضرت علیؓ کے چچیرے بھائی تھے وفات نبوی کے وقت ۱۳ سال کے تھے۔ عہد عثمانی میں امیر الحج بنائے گئے

اور عہد مرتضوی میں ایک برگزیدہ صحابی ابو موسیٰؓ اشعری کو معزول کر کے ان کو کوفہ کا گورنر بنایا گیا۔

(۲) حضرت عبیداللہؓ بن عباس۔ وفات رسولؐ کے وقت آپؓ نو سال کے تھے۔ عہد مرتضویؓ میں عہد صدیقیؓ کے عامل یعلیٰؓ بن منبہ صحابی کو معزول کر کے یمن کے گورنر بنائے گئے۔

(۳) حضرت قثم بن عباسؓ۔ حضرت علیؓ کے چچیرے بھائی تھے وفاتِ نبویؐ کے وقت بہت کم سن تھے عہد مرتضوی میں مکہ و طائف کے گورنر بنائے گئے۔

(۴) محمدؓ بن ابی بکر۔ عہد رسالت میں ۶ ماہ کی عمر تھی۔ تین برس کی عمر تھی جب صدیق اکبر کا انتقال ہوا تو ان کی والدہ نے حضرت علیؓ سے عقد کر لیا ۲۶ سال کے تھے کہ حضرت علیؓ نے ایک قدیم الاسلام صحابی حضرت قیس بن سعدؓ انصاری کو معزول کر کے ان کو مصر کا گورنر بنایا گیا۔

(۵) حضرت سعید ابن عباسؓ۔ حضرت علیؓ کے چچیرے بھائی تھے۔ عہد مرتضوی میں ۲۲ سال کے تھے۔ عبیداللہؓ بن حضرمی صحابی کی جگہ مکہ کے گورنر ہوئے مگر اہل مکہ کی بغاوت فرو نہ کر سکے۔

(۶) جعدہؓ بن ہبیرہ۔ حضرت علیؓ کے بھانجے اور داماد تھے عہد مرتضوی میں گورنر خراسان ہوئے۔

(۷) حضرت ثمامہ بن عباسؓ۔ مدینہ کا گورنر مقرر کیا۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے رشتہ داروں کو عہدے دیئے ہیں۔ اب اگر جرأت ہو تو حضرت عثمانؓ کی طرح نبی اکرم پر بھی خویش نوازی کا اور اقربا پروری کا الزام لگا دیجئے اور آپ سے کیا بعید

ہے۔ کون آپ کی زبان پکڑے گا۔ تو لیجئے سن لیجئے۔ آنحضورؐ نے:۔

۱۔ اپنے چچازاد بھائی اور داماد حضرت علیؓ کو ۹ھ میں یمن کا قاضی اور خمس کا متولی بنایا۔

۲۔ اپنے برادر نسبتی یزید بن ابی سفیانؓ کو تیمار کا والی مقرر کیا۔

۳۔ اپنے بھتیجے حارث بن نوفلؓ ہاشمی کو جدہ کا عامل مقرر کیا (اسد الغابہ ج۱ صفحہ ۳۵۱)

(۴) اپنے برادر نسبتی حضرت معاویہؓ کو کاتب وحی مقرر کیا (حضر موت میں سفارت نبوی کی خدمت انجام دی تھی)

(۵) اپنے خسر حضرت ابوسفیانؓ کو نجران کا والی مقرر کیا۔ جن کی ایک آنکھ غزوہ طائف میں اور دوسری غزوہ یرموک میں شہید ہو گئی تھی۔ اس پر حضورؐ نے ان کو جنت کی بشارت و دعا دی تھی۔

(۶) اپنے برادر نسبتی حضرت مہاجر بن امیہ کو ۱۱ھ میں صنعا کا گورنر مقرر کیا۔

ظفر جی فاروق اعظمؓ پر بھی اقربا پروری اور خویش نوازی کا الزام لگا دیجئے کیونکہ انھوں نے بھی حضرت قدامہؓ بن مظعون اپنے برادر نسبتی کو بحرین کی ولایت سپرد کی تھی۔ جو حضرت عبداللہ اور حضرت ام المومنین حفصہؓ کے سگے ماموں اور سگے پھوپھا تھے۔

اب ظفر خویش نوازی کا الزام کس کس پر عائد کریں گے؟ ان کو تو صرف اموی خاندان کا ایک مظلوم خلیفہ ہی ہدف طعن کے لئے مل گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اپنے عزیز و اقارب کو عہدہ دینا جبکہ وہ حکمرانہ صلاحیتیں رکھتے ہوں کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے چنانچہ جس طرح حضرت علیؓ

نے اپنے عزیز و اقارب کو جن پر پوری طرح اعتماد کر سکتے تھے۔ والی مقرر کیا۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ بھی انھیں لوگوں سے کام لینے پر مجبور تھے۔ جن پر وہ پوری طرح اعتماد کر سکیں۔

امویوں کے متعلق امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:۔

"حضورؐ نے اپنی حیات میں بنو امیہ کو گورنری کے عہدے پر فائز کیا۔ حضورؐ کے بعد ابوبکرؓ و عمرؓ نے بھی جو بنو امیہ کی قرابت سے متہم نہ تھے انھیں بڑے بڑے عہدے دیئے۔ قبائل قریش میں کوئی قبیلہ ایسا نہیں جس میں حضورؐ کے مقرر کردہ گورنروں میں بنو عبد شمس (بنو امیہ) سے زیادہ رہے ہوں۔ کیونکہ ایک تو امویوں کی تعداد زیادہ تھی دوسرے ان میں شرافت اور سیادت تھی لہذا نبی اکرمؐ نے غلبہ اسلام کے وقت مکہ کی مقدس سرزمین کا گورنر عتاب بن اسید اموی کو بنایا جو فتح مکہ ہی کے دن اسلام لائے تھے۔ اور نجران کا حاکم ابوسفیانؓ بن حرب کو بنایا اور خیبر کا خالدؓ بن سعید اموی کو اور ابان بن سعیدؓ اموی کو بحرین کا گورنر بنایا۔ یہ حضرات حضورؐ کے وفات تک اپنے عہدوں پر برقرار رہے اسی وجہ سے حضرت عثمانؓ کہتے تھے کہ میں نے ان لوگوں کے سوا کسی کو عامل نہیں بنایا۔ جنھیں نبی اکرم اور شیخین نے عامل بنایا تھا۔ اور انھیں کی جنس اور ان کے قبیلہ سے عامل مقرر کیا۔ (منہاج التنبیہ ج ۳ صفحہ ۱۷۵)

اب فتح مکہ کے دن یا اس کے بھی بعد اسلام لانے والوں کے متعلق ظفر کے الفاظ سنیے:۔

"فتح مکہ پر ایمان لانے والوں کو اسلامی برادری اعتماد و بھروسہ کا مرتبہ نہ دے سکی جو ان کو حاصل تھا۔"

پھر چند سطریں چھوڑنے کے بعد

"رسول اللہ خود بھی فتح مکہ کے دن ایمان لانے والوں پر اعتماد نہیں فرماتے تھے۔ اور ان کو "مولفۃ القلوب" کے زمرہ میں خیال فرماتے تھے۔ کیونکہ ان کے ایمان کمزور تھے۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جو دین سے ہٹ گئے یا اسے قبول ہی نہیں کیا۔ جیسے صفوان بن امیہ"

لفظ "مولفۃ القلوب" کو پیش کر کے ظفر نے اپنے حسد کی چنگاری کو سرد کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس بازاری شخص کی طرح جو دوسرے کو موٹی سی گالی دے کر اپنے قلب و ذہن کو لذت اور مسرت بخشتا ہے۔ اسی طرح ظفر نے بھی اعلانیہ ان اموی صحابہ کو جن پر رسول نے پوری طرح بھروسہ کیا تھا۔ سلواتیں سنائی ہیں۔ حالانکہ حضورؐ نے ان حضرات کو غلام بنانا پسند کیا نہ انھیں قید فرمایا بلکہ مفتوحین مکہ کو بخوشی بحکم خدا فرمایا کہ اذھبوا فانتم الطلقاء یعنی تمہیں ڈر لگا ہوگا کہ میں تمہیں غلام بناؤں گا نہیں، جاؤ تم کو پوری آزادی ہے تم غلام نہیں بنائے جاؤ گے۔ حضورؐ نے ان کی خاندانی رفعت و شرافت ان کی روحانی صلاحیت کا پورا احترام کیا کیونکہ آپ کو یہ اندازہ تھا۔ کہ یہی لوگ جن پر آج زنگ کفر چڑھا ہے آئندہ اسلام لاکر اس کی سربلندی اور دین کی اشاعت میں اہم کردار ادا کریں گے۔ اب خدارا کوئی بتائے اس میں برا مفہوم اور تہک آمیز پہلو کہاں سے آگیا۔؟ کیا حضورؐ نے بھی معاذ اللہ ان کے ایمان کو کمزور قرار دیا تھا۔ یا کسی قسم کے پُر تحقیر

کلمات ان مفتوحین کے لئے ادا کئے تھے ؟ پھر کیا وجہ ہے کہ ان لوگوں کو جو فتح مکہ کے دن ایمان لائے تھے ان کے ایمان کو ناقص اور یقینی طور پر ان کو مجبوری سے ایمان لانے والا سمجھا جائے ۔ کیا ظفر کو یہ نہیں معلوم کہ جزیرۃ العرب کے بہت سے باشندوں نے اپنے ایمان لانے کو فتح مکہ ہی پر موقوف کر رکھا تھا ۔ چنانچہ جب مکہ فتح ہوا تو وہ سچے دل سے اسلام میں داخل ہو گئے ۔ میں پوچھتا ہوں ، ظفر کا اشارہ محض بنو امیہ ہی کی طرف کیوں ہے جبکہ بنو مخزوم اور بنو ہاشم کے لوگ بھی فتح مکہ دن اسلام میں داخل ہوئے تھے ۔ ان کی طرف ان کی نگاہ کیوں نہیں پہونچتی ۔ لیکن وہاں تو صرف بنو امیہ ہی کے خلاف زہر اگلنا مقصود ہے ۔

ظفر نے رسول پر کتنا بڑا بہتان لگایا ہے کہ " فتح مکہ کے دن اسلام لانے والوں پر آپ بھروسہ و اعتماد نہیں فرماتے تھے ۔" تو پھر بقول ظفر جب حضرت ابو سفیانؓ اور حضرت معاویہؓ ایمان میں کمزور تھے تو حضورؐ نے ان پر اعتماد کر کے عہدے کیوں سپرد کئے مثلاً حضرت ابو سفیان کو نجران کا گورنر مقرر کیا ! حضرت معاویہ بن ابی سفیان کو حضر موت میں سفارت کی خدمات سپرد کیں ۔ اور عمر فاروقؓ نے افواج شام کا سپہ سالار اور بعد میں شام کا گورنر مقرر کیا حضرت عتبہ بن ابی سفیان کو عہد فاروقی میں قبائل کنانہ کے زکواۃ کا کلکٹر مقرر کیا گیا ۔ حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل کو حضرت صدیق اکبر نے بدری و احدی صحابہ پر ان کو افسر اور سپہ سالار بنایا ۔ حضرت عثمانؓ بن ابی العاص ثقفی کو طائف کا عامل مقرر کیا ۔ جو عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں گورنری کے عہدے پر فائز رہے ۔

ناظرین نے دیکھا کہ جن بزرگوں کے ایمان کو کمزور اور بے دین ہونے

کا من گھڑت اعلان کیا جارہا ہے نبی اکرمؐ نے اِن حضرات پر کس قدر عنایات فرمائیں اور ان کے ایمان کامل ہونے کے پیش نظر سابقین اولین کے مقابلہ میں افسر اعلیٰ یا عامل و گورنر مقرر کیا۔ یہ محض ظفر کے دل میں بغض امیہ کا دیرینہ ناسور ہے جو حضورؐ کے مقرر کردہ اور لائق قابل احترام صحابہ کے خلاف بھی رستا رہتا ہے۔

مذکورہ تفصیل کے بعد اب ہم عہد عثمانی کے ان گورنروں کے بارے میں کچھ روشنی ڈالیں گے جن کے ظفر نے عیب گنوائے ہیں۔

حضرت معاویہؓ ابن ابی سفیانؓ

یہ ہمارے ہی کیا ظفر کے بھی ماموں ہیں لیکن انھوں نے ماں کا جو نقشہ اپنی کتاب میں کھینچا ہے اس کے پیش نظر ماموں کے خلاف گستاخ آمیز کلمات ہی کی توقع کی جا سکتی تھی۔ جس کا ثبوت ظفر نے پیش کر دیا۔ فرماتے ہیں۔

"حضرت عثمان نے پہلا کام یہ کیا کہ معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کو جو اس وقت دمشق میں تھے پورے شام کا گورنر بنا دیا"

پھر خود ہی اس الزام کی تردید بھی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"حضرت ابوبکرؓ نے یزیدؓ بن ابی سفیانؓ کو شام کا حاکم مقرر فرمایا اور جب یزیدؓ بن ابی سفیانؓ کا انتقال ہوا تو ان کی جگہ پر حضرت معاویہ کا تقرر ہوا۔"

گویا خود ہی تسلیم کر رہے ہیں کہ حضرت معاویہؓ شام کے حاکم تھے نہ کہ صرف دمشق کے۔ عہد فاروقی میں بھی یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ

"امیر معاویہؓ حاکم شام تھے اور اپنی خوش انتظامی، تدبر اور

صلاحیتوں سے خود کو اس جگہ کا اپنے کو اہل ثابت کرتے تھے"۔
حقیقت ہے کہ جو خود تعصب، رشک وحسد کی آگ میں جل رہا ہو اس کی تحریروں سے ایسی ہی متضاد باتوں کی امید کی جا سکتی ہے۔

مورخین کا بیان ہے کہ جب یزیدؓ بن ابی سفیانؓ کا انتقال ہوا تو حضرت عمرؓ نے ان کی جگہ حضرت معاویہؓ کو منتخب کیا اور رفتہ رفتہ پورے شام کا گورنر بنا دیا۔ اور حضرت عمرؓ کی شہادت ۲۳ھ تک یعنی چھ سال وہ شام کے گورنر رہے۔ چنانچہ البدایہ والنہایہ میں ہے کہ

"حضرت عمرؓ نے حضرت معاویہؓ کو پورے شام کا واحد گورنر مقرر کیا"
(ج ۸ ص ۱۲۴)

استیعاب ذکر عمرو بن العاص میں ظفر اگر دیکھیں تو یہ جملہ ضرور پڑھیں کہ ثم جمع الشام کلھا لمعاویہ (یعنی پھر حضرت عمرؓ نے پورے شام کا علاقہ حضرت معاویہؓ کی گورنری میں جمع کر دیا) امام ترمذیؒ بھی یہی روایت کرتے ہیں کہ

"جب حضرت عمرؓ نے حضرت عمیر بن سعدؓ کو حمص سے معزول کر کے حضرت معاویہؓ کو گورنر بنایا تو لوگ کہنے لگے، عمرؓ نے عمیرؓ کو معزول کر کے معاویہ کو گورنر بنا دیا۔"

(جامع ترمذی، مناقب معاویہ)

اور طبری میں ہے کہ

عہد فاروقی ہی میں امیر معاویہؓ دمشق، اردن، فلسطین، انطاکیہ بلقاء، سواحل وغیرہ کے گورنر تھے۔ (ج ۲ ص ۲۲۷)

امام ابن جریرؒ اور امام ابن کثیر بھی یہی لکھتے ہیں کہ

"عہد فاروقی میں حضرت معاویہؓ، دمشق، اردن، فلسطین، انطاکیہ
بلقاء وسواحل کے گورنر تھے۔"

مگر تعصب نے آنکھیں بند کردیں ہیں ظفر کو صرف دمشق ہی نظر آتا ہے۔ بغض امیہ میں یہی کہے جاتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے پورا شام امیر معاویہؓ کی گورنری میں دیدیا۔ میں پوچھتا ہوں کہ کسی عامل کو مقرر کرنا خلیفہ کا کام ہے یا رعایا کا یہ تو امام ہی کا کام ہے کہ جس کو وہ کام کا اہل دیکھے گا اسی کے سپرد وہ کام کرے گا۔ حقیقت بھی یہ ہے کہ عثمانؓ کا انتخاب شاہکار تھا۔ تاریخ گواہ ہے کہ یہ وہی عاملین تھے جنہوں نے مغرب میں اندلس تک اور مشرق میں بلخ کابل اور روم تک اسلامی سرحدوں کی توسیع کی رومیوں کو خشکی اور تری میں شکستیں دیں۔ عراق، عجم و خراساں جو فتنہ و فساد کے گہوارہ رہ چکے تھے وہاں کے فتنوں کو کچل کر رکھدیا۔ اس کے برخلاف حضرت علیؓ کے عاملین کے بارے میں شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ

"ادھر حضرت امیر کے عاملین آپ کے مطیع اور فرمانبردار بھی نہ تھے۔ کام کو بگاڑتے اور ہر طرف سے شکست کھا کر خوار و ذلیل ہو کر لوٹتے۔ خیانتیں کرکے ظلم ڈھاکر دنیا و آخرت کی روسیاہی حاصل کرتے اور بھاگ نکلتے آپ کے اقارب اور چچازاد بھائیوں کا بھی یہی حال تھا تو دوسروں کی تو کیا چلائی۔"

بحرکیف میرا تو یہی ایمان ہے کہ دونوں حضرات نے اپنے حسن ظن کے بموجب ہی عاملوں کو مقرر کیا۔

اب اس حقیقت کو بھی سامنے رکھیئے کہ ایران و کسریٰ کی طرح روم کے قیصر کی سلطنت ختم نہیں ہوئی تھی۔ اس وسیع اور طاقتور سلطنت کی طرف

سے آئے دن اسلامی علاقوں پر حملے ہوتے رہتے تھے۔ اس صورت میں کیا یہ ضروری نہ تھا کہ لبنان، شام، فلسطین اور اردن کے علاقے ایک امارت کے تحت ہوتے، تاکہ [illegible] رومیوں کا کامیابی سے مقابلہ کر سکتی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور قیصر باوجود اس کے کہ ان علاقوں کی غالب آبادی عیسائی تھی ان علاقوں کو دوبارہ نہ لے سکا۔ یہ حضرت عمرؓ کا تدبر تھا کہ انھوں نے ایک زبردست دشمن کو روکنے کے لئے امیر معاویہؓ جیسا مدبر، شام کا والی مقرر کیا، اور اپنے پورے دور خلافت میں ان کو برطرف کرنا تو درکنار باز پرس بھی نہ کی۔ چنانچہ بجز چند امراء کے جن میں ابو عبیدہؓ اور امیر معاویہؓ ممتاز ترہیں۔ ان کے عہد میں کوئی عامل یا والی حضرت عمرؓ کی باز پرس سے محفوظ نہ رہ سکا۔ پھر ظفر کی اس ژاژخائی کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے کہ

"فاروق اعظمؓ ذہنی طور پر ان سے مطمئن نہ رہے"

نیز حضرت عمرؓ حضرت معاویہؓ کی نمائش، نام و نمود کو انتہائی استکراہ سے دیکھتے تھے اور ان کی جاہ پسندی سے آپ ناخوش رہتے تھے"

میں پوچھتا ہوں اول تو اس مکذوبہ روایت کو نقل کرنے کے بعد کتاب کا حوالہ کیوں نہیں دیا گیا تاکہ حقیقت منکشف ہو جاتی دوسرے وہ کیا مانع تھا جس کے سبب عمر فاروقؓ غیر مطمئن ہونے کے معاویہؓ کو امارت شام سے علیحدہ نہ کر سکے؟

ہم عہد فاروقی کے چند عاملوں کے متعلق حضرت عمرؓ کے محاسبہ پر نظر کرتے ہیں تو حقیقت سامنے آتی ہے کہ عمر فاروقؓ نام و نمود اور ظاہری شان و شوکت کے کس قدر مخالف تھے۔ مثلاً حضرت سعدؓ بن وقاص عامل کوفہ نے محل بنوایا۔ جس میں ڈیوڑھی تھی حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو ڈیوڑھی میں آگ لگوادی عیاض بن غنمؓ عامل مصر کو بیش قیمت لباس پہننے اور محل بنانے کی شکایت پر

کمبل کا کرتا پہنوا کر ان سے بکریاں چروائیں کیوں؟ حضرت عمرؓ کا یہ اصول تھا کہ ہر عامل کے تقرر کے وقت آپ اس کو ایک پروانہ دیتے تھے، اور جہاں وہ مقرر ہو کر جاتا تھا وہ پروانہ مجمع عام میں پڑھ کر سنایا جاتا تھا جس میں ہر عہدیدار سے یہ عہد لیا جاتا تھا کہ

"ترکی گھوڑے پر نہ سوار ہوگا، باریک کپڑے نہ پہنے گا، چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا۔ دروازہ پر دربان نہ رکھے گا۔ اہل حاجت کے لئے ہمیشہ دروازہ کھلا رکھے گا۔"

اب خدارا انصاف سے بتایئے کیا حضرت عمرؓ اپنے ان اصولوں سے مصالحت برت سکتے تھے؟ یقیناً نہیں تو پھر ظفر نے حضرت معاویہؓ کی زندگی کا جو نقشہ کھینچا ہے، اس کے تحت تو ایک لمحہ بھی وہ گورنر نہیں رہ سکتے تھے لہٰذا محض سیاست اور حکمت عملی کے پیش نظر آپ نے حضرت معاویہؓ کی ظاہری شان و شوکت کے طریقوں کو پسند فرمایا۔ چنانچہ جب بیت المقدس سے واپسی پر جب حضرت عمرؓ دمشق تشریف لے گئے تو امیر معاویہ نے بڑی شان و شوکت سے آپ کا استقبال کیا تو آپ نے اس شان شوکت پر دریافت کیا

معاویہؓ! تم نے سادہ روی کیوں چھوڑ دی؟

حضرت معاویہؓ نے فرمایا۔

"امیر المومنین! ہم ایک ایسی سرزمین میں ہیں جہاں دشمن کے جاسوس ہر وقت کثیر تعداد میں رہتے ہیں لہٰذا ان کو مرعوب کرنے کے لئے والی کو ظاہری شان و شوکت دکھانی پڑتی ہے اسی میں اسلام اور اہل اسلام کی عزت ہے"

سیدنا عبدالرحمٰنؓ بن عوف بھی وہاں موجود تھے۔ سیدنا معاویہؓ کا یہ حکیمانہ جواب سن کر سیدنا فاروقؓ سے کہا۔

"امیرالمومنین دیکھئے۔ کس احسن طریقہ سے انھوں نے اپنے آپ
کو الزام سے بچا لیا۔"

امیرالمومنین نے جواب دیا۔

"اسی لئے تو ہم نے ان کے کاندھوں پر یہ بار گراں ڈالا ہے"

(البدایہ والنہایہ ج صفحہ ۱۲۵-۱۲۴ مقدمہ ابن خلدون ص۲۳۲)

معمولی معمولی باتوں پر گرفت کرنے والا امیرالمومنین کا سیدنا معاویہؓ اتنی
بڑی بات پر مواخذہ نہ فرمانا بلکہ ان کے فعل پر اپنی رضا کا اظہار کرنا اس بات کی
دلیل ہے کہ آپ کو سیدنا معاویہؓ پر خاص اعتماد تھا۔ اگر فاروق اعظم کو حضرت
معاویہؓ پر اعتماد نہیں تھا۔ تو ظفر جواب دیں کہ فاروق اعظم نے اپنے پورے
دور میں کوئی بازپرس یا گرفت فرمائی یا معزول کیا؟ انشاء اللہ تاریخ سے
ایسا کوئی حوالہ پیش نہیں کیا جا سکتا۔ ایک طرف امیر معاویہؓ کے متعلق ظفر
کا قلم فاسد مواد اگلتا ہے دوسری طرف حق تعالےٰ کا یہ حکم لسان رسالت
سے ادا ہو رہا ہے کہ

"امیر معاویہؓ کے بارے میں اعلان کر دو کہ انھوں نے جنت اپنے
اوپر واجب کر لی۔"

صحیح بخاری کتاب الجہاد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث ہے کہ

"میری امت کا پہلا لشکر جو بحری جہاد کرے گا ان کے لئے جنت
واجب ہو گئی۔"

شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی اور علامہ قسطلانی شراح بخاری صراحت
کرتے ہیں کہ سب سے پہلے بحری جہاد حضرت امیر معاویہؓ نے کیا۔

صحیح بخاری کی ایک اور حدیث جو حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ:۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنت ملحان رضؓ کے پاس تشریف لے گئے
اور تکیہ لگا کر بیٹھ گئے (دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت سو گئے
پھر بیدار ہوئے) پھر ہنسے۔ حضرت ملحان رضؓ نے عرض کیا۔ یا رسول
اللہ! آپ نے تبسم کیوں فرمایا؟ فرمایا (میں نے خواب میں
دیکھا ہے) کہ میری امت کے کچھ لوگ ہیں جو سمندر میں فی سبیل اللہ
(جہازوں پر) سوار ہیں۔ ان کی مثال یوں ہے جیسے بادشاہ
تخت پر بیٹھے ہوں۔ حضرت ملحان رضؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ!
آپ اللہ سے دعا کریں۔ اللہ مجھے ان (خوش قسمت) لوگوں میں کر دے
آپؐ نے فرمایا۔ الٰہی! اسے ان لوگوں میں سے کر دے"

(صحیح بخاری باب الجہاد)

چنانچہ بنت ملحان رضؓ نے نہ صرف اس جہاد میں شرکت کی بلکہ جام شہادت
نوش فرمایا۔

اللہ اللہ کیا درجہ اور مقام ہے حضرت معاویہ رضؓ کا جو نیند میں بھی اور
بیداری میں بھی حضورؐ کی مسرت، شادمانی و راحت کا سبب بن رہے ہیں۔

"امام طبری رحؒ سنہ ۲۸ھ میں قبرص پر پہلے بحری حملے کے متعلق جسے
حضرت معاویہ رضؓ نے فتح کیا تھا لکھتے ہیں:۔

"اس غزوہ میں اصحاب رسول کی پوری جماعت شریک ہوئی
جس میں حضرت ابوذر رضؓ، حضرت عبادہ بن صامت رضؓ ان کے
ساتھ ان کی زوجہ محترمہ حضرت ام حرام رضؓ، حضرت مقداد رضؓ،
حضرت ابو درداء رضؓ، حضرت شداد بن اوس رضؓ شامل تھے"

(ج ۳ صفحہ ۳۱۶)

اب ظفر کی عقل پر ماتم کیجئے کہ حضرت معاویہؓ اور اس بحری لشکر کے متعلق لسانِ رسالت سے تو جنت کی بشارت دی جا رہی ہے اور ظفر کی ناپاک زبان ان کے دین و ایمان کو ناقص قرار دے رہی ہے۔

تنگ نظر ظفر کو حضرت معاویہؓ حضرت عثمانؓ کے رشتہ دار تو نظر آگئے مگر حضورؐ اور سیدنا علیؓ کے رشتہ دار نظر نہیں آئے۔ شجرہ ملاحظہ ہو:۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ــــ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف

حضرت علیؓ ــــــــ بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ــــ بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبدالشمس بن عبد مناف

حضرت معاویہؓ ــــــــ بن ابی سفیان بن حرب بن امیہ بن عبدالشمس بن عبد مناف

اس حقیقت کے بعد ظفر کی ایک اور فریب کاری کی نشاندہی کی جاتی ہے، ملاحظہ ہو:۔

"حضرت معاویہؓ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے"

ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ

"معاویہؓ ابن ابی سفیانؓ خلیفہ اور صحابی ہیں۔ فتح مکہ سے قبل مشرف باسلام ہوئے اور کاتب وحی تھے۔"

یہی صحیح ہے کہ حضرت معاویہؓ ۶ھ اور ۸ھ کے درمیان اسلام

لائے۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں شرح صحیح بخاری ج ۶ صـ۴۲ میں رقم طراز
ہیں "بعض وجوہ کی بنا پر آپ نے ایمان کو چھپائے رکھا جن میں سب سے بڑی
وجہ کفار مکہ کی مسلمانوں پر سختی تھی کیونکہ وہ زمانہ ایسا تھا کہ زبان سے لا الٰہ
الا اللہ نکالنا سارے عرب کو اپنی مخالفت کی دعوت دینا تھا۔ پھر آپ کا
گھریلو ماحول بھی آپ کے ایمان کے اظہار میں مانع تھا کیونکہ ابوسفیان رضی
اس زمانہ میں قریش کے سردار تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت
میں پیش پیش۔ بھلا وہ کیسے برداشت کر سکتے تھے کہ خود ان کے گھر میں اسلام
کا وہ چشمہ جاری ہو جس کو بند کرنے کیلئے وہ کوشاں تھے۔ چنانچہ حضرت
معاویہؓ خود فرماتے ہیں۔

"میں عمرہ قضا کے روز ایمان لایا تھا لیکن اپنے والد کے ڈر سے
فتح مکہ تک اسلام کو چھپائے رکھا"

(البدایہ والنہایہ صـ۲۱)

دراصل سلف کے احوال اور مشاجرات صحابہ کے بارے میں بات چیت کرنا
اور ان کو زیر بحث لانا نہایت نازک مسئلہ ہے کیونکہ وہ لوگ قرآن و حدیث
بلکہ پورے دین کے اولین راوی ہیں ان کے خلاف کوئی بات قبول کر لینے سے
نہ صرف ان کی تنقیص ہوتی ہے بلکہ پورے دین کے مجروح ہونے کا اندیشہ
ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ جو صحابی کی شان میں تنقیص سے کام
لیتا ہے زندیق اور بے دین ہے۔ ایک لمحہ کیلئے بھی قرآن و حدیث کے
ثابت شدہ حقائق کے خلاف ایک روایت بھی قبول نہیں کی جائے گی۔
چنانچہ فتح مکہ کے باب میں ظفر ایک طرف تو رحمت اللعالمین کے اس فیصلہ
پر کہ "ابوسفیان ان کی بیوی ہندہ اور اولاد کو بلکہ سب کو معاف کر دیا جائے"

یہ زنا رک پیش کرتے ہیں کہ

"رسولؐ کے اس عفو عام پر کس کو ہمت تھی جو زبان ہلاتا"

اور دوسری طرف رسولؐ کے اس عفو پر گز بھر کی زبان دراز کرتے ہوئے شرم نہیں آتی جن کو رسولؐ معاف فرمادیں یہاں تک کہ خسر ہونے کا مرتبہ بخشیں ان کے خلاف ظفر کا قلم زہر اگلتا ہے اسلام سے قبل کی زندگی پر نہ جائیے۔ قبول اسلام کے بعد کی زندگی کا مطالعہ کیجئے۔ قبل اسلام کی زندگی پر اگر کوئی اپنے اسلاف کا جائزہ لیتا ہے تو یہ محض جہالت ہے۔ ایسی صورت میں ایک سفیان ہی کیا نہ جانے کتنے عمر اور ابوجہل موجود ہیں۔ اسی لئے حضورؐ نے فرمایا:۔

"لوگوں کی مثال سونے اور چاندی کی کانوں کی طرح ہے
جو لوگ زمانہ جاہلیت میں بہتر ہیں اسلام لانے کے بعد
بھی وہی بہتر ہیں۔ اگر انہیں دین کی سمجھ حاصل ہو جائے"
(بخاری ج ۱ ص ۹۴۶)

چنانچہ ابوسفیانؓ نے اسلام قبول کرنے کے بعد بھی کارہائے نمایاں سرانجام دئیے۔ غزوہ حنین میں شرکت فرمائی پھر محاصرہ طائف میں عظیم کارنامہ انجام دیا۔ یہاں تک کہ اس غزوہ میں ایک آنکھ جاتی رہی (استیعاب ج ۲ ص ۷۱۱) اور غزوہ یرموک میں دوسری آنکھ بھی اللہ کی راہ میں قربان کر دی۔

حضرت ابوسفیانؓ فتح مکہ سے ایک روز قبل اسلام لائے تھے کہ فتح مکہ کے روز یا بعد میں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰ رمضان ۸ھ کو مکہ روانہ ہوئے اور مقام مرالظہران پر پڑاؤ کیا۔ فوج کی آمد کی بھنک قریش کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ چنانچہ تحقیق کے لئے انھوں نے حکیم بن حزام حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے) ابوسفیان اور بدیل بن ورقا کو بھیجا خیمہ نبوی کی دربانی پر جو دستہ

متعین تھا اس نے ابوسفیانؓ کو دیکھ لیا۔ حضرت عمرؓ جذبہ انتقام کو ضبط نہ کر سکے بارگاہ رسالت میں آکر عرض کی کہ کفر کے استیصال کا وقت آگیا ہے۔ حضرت عباس نے جان بخشی کی درخواست کی جو حضورؐ نے قبول فرمائی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ گرفتار ہونے کے ساتھ ہی ابوسفیانؓ نے اسلام قبول کر لیا یعنی فتح مکہ سے ایک روز قبل ابوسفیانؓ مشرف با اسلام ہوئے نہ کہ فتح مکہ کے روز یا بعد میں ہاں فتح مکہ کے روز حضورؐ نے ابوسفیان کے گھر کو عظیم درجہ دیا، اور فرمایا:۔

مَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِیْ سُفْیَانَ فَھُوَ اٰمِنٌ (ابوسفیان کے گھر میں جو داخل ہو جائے وہ بھی امن میں رہیگا۔ (مسلم باب فتح مکہ ج ۲ ص ۱۰۴)

علامہ محب الدینؒ فرماتے ہیں:۔

"میں نے حرم شریف کے اس حصہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے جو پہلے دار ابی سفیان تھا وہاں ایک پتھر نصب تھا جس پر نہایت خوبصورت خط میں تحریر تھا۔ من فصل دار ابی سفیان فھو اٰمن۔

یہی نہیں بلکہ حضورؐ نے نجران کا حکم بھی حضرت ابوسفیانؓ ہی کو مقرر فرمایا۔ تعجب ہے کہ ابوسفیانؓ کی کمزوریوں اور جرائم کی فہرست ظفر تک پہنچ گئی لیکن نعوذ باللہ نبی اکرمؐ ان کمزوریوں کو نہ سمجھ سکے۔

حکم بن العاص

ظفر نے بڑی دیدہ دلیری سے حضرت عثمانؓ پر یہ الزام عائد کیا ہے کہ انھوں نے رسولؐ کے صریحی حکم کے خلاف یہ عمل کیا کہ حکم بن العاص کو جن کو رسولؐ جلاوطن کر چکے تھے مدینہ آنے کی اجازت دیدی۔ پھر زعم مصنف دیکھئے فرماتے ہیں کہ:۔

"اس کے جواز میں کوئی صورت ایسی نہیں ہے جس سے

مسلمانوں کو مطمئن کیا جا سکے۔"

میں یہاں ظفر سے نہیں بلکہ صاحب ایمان حضرات سے یہ دریافت کروں گا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ شیخینؓ نے کبھی بھی رسولؐ کی سنت یا منشا کے خلاف کوئی قدم اٹھایا ہو۔ شیخینؓ کی پوری زندگی میں کوئی ایک لمحہ بھی ایسا پیش کیا جا سکتا ہے جو سنت نبویؐ کے خلاف ہو؟ یقیناً نہیں! تو پھر یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے رسولؐ کے حکم کے خلاف قدم اٹھا کر حکم بن العاص کو مدینہ آنے کی اجازت دیدی ہو۔ محض بھتیجے کی خاطر حکم رسولؐ کو پس پشت ڈالدیا ہوگا۔ وہ بھی خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ نے جن کی زندگی اتباع رسول کا کا ایسا اعلیٰ نمونہ تھی کہ شورش پسندوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے لیکن وہ عبا جو رسولؐ اتارنے کیلئے منع کر گئے تھے نہیں اتاری۔ کیا بلوائیوں کو کیفر کردار تک پہنچانے کیلئے وہ فوجی طاقت نہیں استعمال کر سکتے تھے؟ مگر آج کا شورہ پشت انسان ان پر سنت نبوی کے خلاف عمل کا الزام عائد کرتا ہے۔

دراصل ظفر نے حقیقت سے پردہ پوشی کی ہے۔

جب حضرت عثمانؓ سے یہ سوال کیا گیا کہ آپ نے حکم کو کیونکر مدینہ میں داخل ہونے کی اجازت دی؟ تو آپ نے یہ شافی جواب دیا۔

"میں آنحضرتؐ کے مرض موت میں آپؐ سے حکم کے بلا لینے کی اجازت حاصل کر چکا تھا۔ جب ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے میں نے ان سے یہ بات کہی۔ انھوں نے اس اجازت کے بارے میں مجھ سے دوسرا گواہ مانگا چونکہ میرے پاس گواہ نہ تھا۔ میں خاموش ہو گیا اسی طرح عمرؓ کے پاس گیا کہ شاید مجھ تنہا کا قول مان لیں گر

انھوں نے بھی ابوبکرؓ کی طرح دوسرے گواہ کا مطالبہ فرمایا تو پھر میں خاموش ہوگیا۔ اب جب میں خود خلیفہ ہوا تو میں نے اپنے علم یقینی پر عمل کیا۔"

بروائیت صحیح یہ بات منقول ہے کہ مرض موت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز فرمایا کہ کاش میرے پاس ایک صالح آدمی آتا کہ اس سے ہم کلام ہوتا۔ ازواج مطہرات اور دوسرے حضرات نے فرمایا۔ یا رسول اللہ! ابوبکرؓ کو بلائیں۔ فرمایا نہیں۔ پھر عرض کیا عمرؓ کو بلائیں۔ فرمایا نہیں۔ پھر عرض کیا علیؓ کو بلائیں فرمایا نہیں۔ پھر عرض کیا عثمانؓ کو بلائیں فرمایا ہاں۔ جب عثمانؓ آئے تو تنہائی میں سرگوشی فرمائی۔ وہ گھڑی لطف و کرم کی گھڑی تھی کیا عجب ہے کہ حضورؐ نے حکم کی واپسی کی اجازت دیدی ہو۔ جیسا کہ خود عثمان غنی فرماتے ہیں کہ "میں نے حضورؐ سے اجازت لی تھی" پھر یہ بھی ثابت ہے کہ حکم سے آخری عمر میں کوئی نفاق یا فساد کی بات سرزد نہیں ہوئی اگر مدینہ واپس آنے کے بعد حکم سے کوئی منافقانہ یا فتنہ انگیز فعل سرزد ہوا ہو تو ظفر اس کی نشاندھی فرمائیں۔

بخدا انصاف فرمایئے کہ خلیفہ راشد کی صفائی پیش کرنے کے بعد بھی اگر کوئی ان پر سنت رسولؐ سے روگردانی کا الزام عائد کرتا ہے تو کیا یہ اس کی شقاوت نہیں ہے؟ اور ہمارے لئے لازمی نہیں ہے کہ ایسے شخص کو منافقین کی فہرست میں شامل کرلیا جائے۔

حضرت مروانؓ بن حکم

ظفر نے حضرت مروانؓ جیسے صغار صحابہ کو جس رنگ میں پیش کیا ہے شائد

ایک کافر بھی ایسی حرکت کا مرتکب نہیں ہوتا۔ مگر سبائیہ کے نمک خوار نے ایسے معتبر صحابی کو بھی نہیں بخشا۔ اس متعصب ذہنیت نے جس برگزیدہ ہستی کو مطعون کرکے اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کیا ہے ان کے متعلق علامہ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ میں صاف صاف لکھدیا ہے کہ حضرت مروانؓ ایک جماعت کثیر کے نزدیک صحابی ہیں (ج ۸ ص ۲۵۷)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ

"اور مروانؓ تو ابن زبیر کے طبقے میں ہیں ــــــ" بہرحال بعض علماء کے نزدیک حضرت مروانؓ اگر صحابی نہیں تو ایسے زبردست تابعی ضرور ہیں کہ صحابہ نے بھی ان سے روائیت کی ہے۔ چنانچہ سہلؓ بن سعد صحابی کی ان سے روائیت بخاری میں موجود ہے۔ تابعین میں حضرت زین العابدینؒ کی روائیت بھی حضرت مروانؓ سے بخاری میں موجود ہے ان کے علاوہ حضرات سعید بن المسیب، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود، ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام مخزومی، عروۃ بن الزبیر عراک بن مالک غفاری وغیرہم جیسے کبار فقہا ان کے شاگرد ہیں اس کے علاوہ موطا، نسائی میں حضرت مروانؓ کے فتاوے بھی موجود ہیں اور شاید سب سے بڑھ کر یہ کہ جناب جعفر الصادق کی یہ روائیت بسند صحیح امام شافعیؒ سے منقول ہے کہ حضرت مروانؓ کی امامت میں حضرت حسنؓ و حسینؓ برابر نمازیں ادا کیا کرتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ)

ایسے فقیہہ اور عالم و فاضل بزرگ کے متعلق ظفر نے یہ تاثر پیش کیا ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے علم کے بغیر ایسے کام کرگزرتے تھے جس کی بدولت مسلمان خلیفہ کو غیر مستحسن نظروں سے دیکھتے تھے۔ مگر مثال ایک بھی نہ پیش

کی گئی جس سے مروان کی غداری کا راز فاش ہوتا۔ لے دے کر جیلا کی طرح اس خط کو پیش کر دیا ہے جو مصری غنڈوں نے حضرت عثمانؓ پر الزام لگانے کے لیے تراشا تھا۔ حالانکہ سیدنا علیؓ نے اس جھوٹ کی قلعی ان الفاظ میں اسی وقت کھول دی تھی۔

"اے اہل کوفہ! اور اے اہل بصرہ! اہل مصر کو جو واقعہ پیش آیا اس کا علم تمہیں کیسے ہو گیا؟ جبکہ تم کئی منزلیں سفر کر چکے تھے پھر تم اکٹھا ہو کر یہاں کیسے آ گئے۔"

پھر فرمایا:۔

"خدا کی قسم! یہ سازش تو مدینہ میں کی گئی ہے"

معلوم ہوا سازش مروانؓ کی نہیں بلکہ سبائی غنڈوں کی تھی۔ غرضکہ حضرت مروانؓ جن سے متعدد احادیث صحاح ستہ میں روایت کی گئی ہیں اور اہل فتویٰ ان کے اقوال اپنے فتاویٰ میں بطور سند پیش کرتے ہیں جن کی عدالت وجلالت وعظمت موطا، بخاری شریف اور صحاح کی دوسری کتابوں میں موجود ہوں تو ان خرافات کو جو ظفر نے سبائی روایت کی بنا پر بھر دی ہیں ان کو تسلیم کیا جائے یا صحابہ وتابعین اور فقہاء وعلماء اسلام کی وہ آراء تسلیم کی جائیں جو انھوں نے ان کے بارے میں دی ہیں۔

عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح

ظفر کو بڑا غم ہے کہ فاتح مصر عمروؓ بن العاص کو معزول کر کے حضرت عثمانؓ نے اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو کیوں مقرر کیا؟ اس عداوت کی وجہ خود ان کی زبانی سنیئے؟

"یہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح وہی تھے۔ جنھوں نے

نامردگی کے دن حضرت عثمانؓ کی طرفداری میں جدوجہد کی تھی۔"

جب ظفر خود حضرت عثمانؓ کو "ناپسندیدہ" شخصیت سمجھتے ہوں تو بھلا ان کے معتقدین کو وہ کیسے برداشت کر سکتے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ اس غم میں مگرمچھ کے آنسو بہائے ہیں۔ ان کے نزدیک تو یہ وہی عمروؓ بن العاص ہیں جنہوں نے حق کے مقابلہ میں باطل کا ساتھ دیا" ظفر کے نزدیک یہ وہی عمروؓ بن العاص ہیں جو سیاسی چالبازی اور مصر کی سودا بازی میں شریک تھے حتیٰ کہ ظفر کے نزدیک "صحابی بھی نہیں تھے" ورنہ کیا وجہ ہے کہ ان کے نام کے آگے تعظیماً رضی اللہ عنہ کے القاب لکھنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ معلوم ہوتا ہے صحابی اور غیر صحابی کی کسوٹی کا پیمانہ ظفر کے ہاتھ آگیا ہے جس کو دل چاہا صحابی بنا دیا اور جس کو چاہا صحابہ کی صفوں سے نکال کر مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کر دیا۔ جب عمرو بن العاص ایسے ہی "ناپسندیدہ" شخصیت ہیں تو ان کی موقوفی پر شکوہ کیوں؟ حالانکہ یہ وہی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح ہیں جو پہلے بحری جہاد میں شریک تھے جن کے لیے حضور ؐ نے جنت کو واجب فرمایا تھا (بخاری) فوج کے ایک دستے کے امیر کی حیثیت سے یہ بھی شریک تھے۔ وہ جہاد حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں حضرت معاویہؓ کے زیر اہتمام کیا گیا تھا۔ ۲۳ھ میں حضرت عمرؓ نے مصر کا وزیر مالیات بنایا اور انہوں نے اپنے پیش رو گورنر حضرت عمروؓ بن العاص کے زمانہ سے مصر کی مالگذاری کافی بڑھا دی۔ چونکہ یہ حضرت عمرؓ کے معتمد لوگوں میں سے تھے اس لئے حضرت عثمانؓ نے ان کو مصر کے بیت المال کا افسر بنایا۔ حضرت عمرؓ

اس تقریر سے ناراض ہوئے اور بارگاہ خلافت میں شکایت کرنے پہونچ گئے۔

حضرت عثمان ان کی اس بے اصولی پر ناراض ہوئے کہ بلا وجہ مصر کو خالی چھوڑ کر چلے آئے تو آپ نے ابن العاص کو معزول کر کے عبداللہ کو مصر کا گورنر مقرر کیا۔ واضح ہو یہ اچانک اس منصب پر فائز نہیں ہوئے تھے بلکہ فتح مصر میں آپ کا برابر حصہ ہے آپ فاتح مصر عمرو بن العاص کے دست راست تھے علامہ بن عبدالبر فرماتے ہیں :۔

"مصر کی فتح اور مصر کی تمام جنگوں میں حضرت عبداللہ بن سعد حضرت عمروؓ کے میمنہ پر لڑے"

آپ ہی نے قیصر روم کے عظیم الشان جنگی بیڑے کو غزوہ ذات الصواری میں شکست فاش دی۔ آپ ہی نے براعظم افریقہ کو رومی تسلط واقتدار سے پاک کر کے ان ممالک پر پہلی بار صلیبی پرچم کے بجائے ہلالی پرچم لہرایا لیکن چونکہ فسطاط جو سبائیوں کا مرکز تھا۔ آپ سبائی مفسد گروہ کی گوشمالی کرتے رہتے تھے۔ اس لئے سبائی ان کے دشمن ہوگئے۔ چنانچہ فسطاط کے مخالفین عثمان نے آج سے تیرہ صدی پہلے جس بات پر ناگواری ظاہر کی تھی اسی پر ظفر ناک بھویں چڑھا رہے ہیں۔ مجھے ڈر ہے اگر ظفر موجودہ مکردہ روش سے تائب نہ ہوئے تو ان کا حشر بھی کہیں سبائیوں کے ساتھ نہ ہو۔

اب رہا عثمانؓ غنی کی نامردگی کی طرفداری کا سوال تو ظفر یہ کیوں بھولتے ہیں کہ قتل عثمانؓ کے سانحہ پر دہ کنارہ کش رہے اور کسی طرف سے حصہ نہیں

لیا بلکہ کہا کہ

"ہم نے خدا سے عہد کر لیا ہے کہ قتل کفار کے بعد قتال مسلمین نہیں کریں گے۔"

عبداللہؓ بن عامر

حضرت عبداللہؓ بن عامر سے ظفر کو یہ شکایت ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے ماموں زاد بھائی تھے۔ مگر انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی عامر بن کریز کے بیٹے یعنی حضور کے بھتیجے نظر نہیں آتے۔ چونکہ آپ میں ہاشم اور عبدالشمس دونوں کا خون شامل تھا اسی لئے حضورؐ نے آپ کو اپنا بیٹا فرمایا۔ ھذا ابنا (طبقات ج ۵ ص ۴۵ ذکر حضرت عبداللہؓ بن عامر) اس لحاظ سے موصوف حضرت عثمان ہی کے نہیں بلکہ حضورؐ اور حضرت علیؓ دونوں کے رشتہ دار بھی تھے لہذا یہ بہتان سراسر غلط ہے کہ حضرت عثمان نے اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے عہدے دیئے۔ اور پھر غور فرمائیے یہ صحابی بن صحابی ہیں جب تین سال کے تھے۔ تو حضورؐ کی خدمت میں لائے گئے حضورؐ نے گود میں لیا اور برکت کی دعائیں دیں۔ لعاب دہن منھ میں ڈالا جسے وہ جلدی سے نگل گئے۔ حضورؐ نے فرمایا:-

"یہ ہمارا بیٹا ہے اور تم سب میں زیادہ ہم سے مشابہ ہے اور یہ پلانے والا ہے"

چنانچہ حضرت عبداللہؓ ہمیشہ سخی اور کریم رہے۔

(طبقات ج ۵ ص ۴)

یہی پہلے شخص ہیں جنھوں نے عرفات میں حاجیوں کے لئے پانی کے حوض بنوائے۔ انھیں کے عہد حکومت میں ایران کا آخری بادشاہ یزدجرد

مارا گیا۔ ان کی فتوحات کا یہ عالم تھا کہ تمام خراسان، فارس کے علاوہ سجستان افغانستان کا بیشتر حصہ اور کرمان وغیرہ فتح ہوئے۔ دراصل ان سے بغض محض اس وجہ سے ہے کہ آپ قصاص عثمانؓ کے طلب میں ام المومنین سیدہ عائشہؓ کے ساتھ تھے۔

اب رہا ابوموسیٰ اشعری کی معزولی کا سوال تو حضرت عمرؓ نے ہی ان کو معزول کیا تھا لیکن ساتھ ہی یہ فرمایا تھا کہ "سر دست میرے پاس کوئی آدمی نہیں ہے کہ تمہاری جگہ مقرر کردوں جب مجھ کو کام کا آدمی مل جائے گا تم کو معزول کردوں گا۔"

جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو کوفہ اور بصرہ ہر دو شہروں کے لشکروں میں سخت اختلاف پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہو گیا تھا۔ جس کی ابتدا حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہو چکی تھی مجبوراً موصوف کو بدلا اور عبداللہ بن عامر کو مقرر کیا جو برگزیدہ قریشی جوان تھے۔

میں ظفر سے پوچھتا ہوں کہ حضرت علیؓ نے عمر بن ابی سلمہؓ جو ام المومنین ام سلمہؓ کے بیٹے اور آنحضرتؐ کے ربیب تھے۔ بحرین کی صوبہ داری سے جب کہ ان کا کوئی قصور بھی نہ تھا کیوں علیحدہ کیا اور ان کی جگہ نعمانؓ بن عجلان دزرقی کو کیوں مقرر کیا۔ جو نہ صحابی تھے اور نہ ہی علم و تقویٰ، عدل و دیانت میں عمر بن ابی سلمہؓ کے عشر عشیر تھے۔

اسی طرح قیسؓ بن سعد بن عبادہ کو جو آنحضرتؐ کے نشان بردار اور صحابہ ہی نہیں بلکہ صحابی زادہ بھی ہیں۔ حضرت علیؓ نے ان کو مصر سے معزول کر کے مالک اشتر کو نامزد کیا جو نہ صحابی تھا نہ صحابی زادہ بلکہ

فتین اور شر پسند تھا۔ اس پر ظفر کا قلم مصلحتاً کیوں خاموش ہے! اس کا کوئی جواب ظفر کے پاس ہو تو بتائیں۔ البتہ میرا ایمان ہے کہ امور و انصرام مملکت کے پیش نظر خلیفہ وقت کو یہ حق حاصل ہے کہ جس کو چاہے موقوف کرے اور جس کو چاہے مقرر کرے۔

آخر میں طبری کا یہ بیان کہ

"کان لا یعزل احداً الا عن شکاۃ او استعفاء
عثمانؓ غنی کسی کو بھی معزول نہیں کرتے تھے بجز اس صورت کے کہ ان کے خلاف لوگوں کو شکایت پیدا ہوتی تھی۔ یا پھر وہ خود عہدے سے عذر کرتے تھے۔"

یہ استدلال پیش کر کے اس باب کو ختم کرتا ہوں اور صاحب ایمان سے امید رکھتا ہوں کہ وہ ظفر کے تراشیدہ اور مکذوبہ الزامات کو حقائق و انصاف کی روشنی میں پرکھیں گے۔ انشاء اللہ

حاصل مقصد یہ ہے کہ ظفر نے حضرت عثمانؓ پر خویش نوازی اور اقربا پروری کا لچر اور بے سروپا الزام لگا کر یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ انھوں نے بیت المال میں ناجائز تصرف کر کے اپنے اعزہ اقارب کی پرورش کی گویا اس مجسم جود وسخا پر بیت المال میں غبن و تصرف کا الزام عائد کیا ہے جس نے اس آڑے وقت میں اسلام پر بیدریغ لاکھوں روپیہ خرچ کیا ہو جب کہ بیت المال کا وجود تک نہ تھا۔ یہ سراسر ظلم عظیم اور تعصب کی انتہا ہے

چنانچہ ایک موقعہ پر صحابہ کرام کی موجودگی میں اپنے خلاف بلوائیوں کے الزامات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا۔

- اور میرا اپنے اقارب کو عطیات دینا! سو جو کچھ میں نے ان کو دیا ہے اپنے ہی مال سے دیا ہے مسلمانوں کا مال نہ میں اپنے لئے

حلال سمجھتا ہوں اور نہ لوگوں میں سے کسی کیلئے"

مزید فرمایا:۔

"میں اللہ کے مال میں سے ایک پیسہ بھی نہیں اٹھاتا اور نہ میں اس سے اپنا گزارہ تک لیتا ہوں میں کھانا بھی اپنے ہی مال سے کھاتا ہوں" (طبری ج۲ ص۳۸۵)

ایسے خلیفہ پر اقرباپروری کا الزام چسپاں کرنا حق و انصاف کا خون کرنا ہے حضرت عثمانؓ کے ایمان افروز سچے کامل بیان کو نظر انداز کرکے دراصل سبائیؔ کے لغو اعتراضات کی بنیادوں کو ظفر بیاں مستحکم کر رہے ہیں یہ ان کی بدنصیبی ہے۔ اور پھر بھلائی کے راستہ میں "خرچ کرنا اسراف" کسی صورت میں نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ حدیث ہے کہ

لَا اِسْرَافَ فِیْ الْخَیْر "بھلائی میں خرچ کرنا اسراف نہیں ہے"

ظاہر ہے کہ اپنے عزیز و اقارب پر خرچ کرنا تو دہرے اجر و ثواب کا باعث ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ مسکین پر صدقہ صرف صدقہ ہے اور خویش و اقارب پر دو بھلائیاں رکھتا ہے۔ صدقہ بھی اور صلہ رحمی بھی۔

اب ان تمام مصارف کو بیت المال سے سمجھنا محض تعصب و عناد ہے مزید صفائی پیش کرتے ہوئے حضرت عثمانؓ نے فرمایا:۔

"ان سب کا کہنا یہ ہے کہ میں اپنے خاندان والوں سے محبت رکھتا ہوں اور ان کے ساتھ فیاضی کرتا ہوں۔ لیکن (واضح رہے) میری محبت نے مجھے ظلم کی طرف مائل نہیں ہونے دیا بلکہ میں صرف ان کے واجبی حقوق ادا کرتا ہوں، اور یہ بھی میرے اپنے ہی مال تک محدود ہے مسلمان کا مال نہ میں اپنے لئے

حلال سمجھتا ہوں اور نہ کسی دوسرے کیلئے۔ میں رسولؐ اللہ ، ابو بکرؓ و عمرؓ کے عہد میں بھی اپنے مال سے گرانقدر عطیے دیا کرتا تھا۔ حالانکہ میں اس زمانہ میں بخیل و حریص تھا۔ اب جبکہ میں اپنی خاندانی عمر کو پہونچ چکا ہوں۔ زندگی ختم ہو چکی ہے، اور اپنا تمام سرمایا اپنے اہل و عیال کے سپرد کر دیا ہے تو یہ بددین ملحد یہ سب کچھ کہہ رہے ہیں۔ خدا کی قسم میں نے کسی شہر پر خراج کا کوئی بار ایسا نہیں ڈالا کہ اس قسم کا الزام دینا جائز ہو۔ جو کچھ وصول ہوا وہ انھیں لوگوں کے رفاہ و بہبود پر صرف ہوا۔ میرے لئے خمس آتا ہے اس میں سے بھی میں اپنے لئے کچھ لینا جائز نہیں سمجھتا۔

مسلمانوں نے اس کو میرے مشورہ کے بغیر مستحقین پر صرف کیا۔ خدا کے مال میں ایک پیسہ کا بھی تصرف نہیں کیا جاتا میں اس میں سے کچھ بھی نہیں لیتا۔ یہاں تک کہ کھاتا بھی میں اپنے ہی مال سے ہوں۔

(خلفاء راشدین شاہ ندوی ص۱۶۸ بحوالہ الطبری ج۳ ص۳۸۵)

صحابہ کرامؓ نے اس بیان پر بھی یہی فرمایا کہ

"جو کچھ آپؓ نے فرمایا درست فرمایا لیکن فتنہ پرداز سبائی نہ اس وقت مطمئن ہوئے اور نہ آج۔" (ناللہ)

یہ ہے اس خویش نوازی اور اقربا پروری کی حقیقت جن کو ظفر نے اپنے رنگ میں پیش کر کے یہ جتلایا ہے کہ عثمانؓ غنی کی اقربا پروری ہی نے ان کو شہید کیا۔

ظفر کی ایک اور جرأت ملاحظہ ہو فرماتے ہیں۔

"حضرت معاویہؓ نہ صحابی رسول ہیں نہ کاتب وحی"

پھر یہ بھی فرماتے ہیں کہ

"قدیم حوالہ جات سے اتنا مزید پتہ چلتا ہے کہ معاویہؓ سے رسول اللہؐ نے کچھ خطوط لکھوائے تھے"

میں پوچھتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر کچھ خطوط حضرت معاویہؓ سے لکھوائے تھے تو ان کی ظفر کی نگاہ میں کیا حیثیت ہے؟ ان کے نقطہ نظر کے مطابق دربار رسالت کے فرمودات کیا درجہ رکھتے ہیں؟ جن کاتبوں نے ان فرائض کو انجام دیا ہے ان کی ذات کے متعلق ان کا کیا خیال ہے؟ کیا وہ خطوط دعوت حق پر مبنی نہ تھے؟ وہ خطوط جو مختلف قبائل کی طرف روانہ کئے گئے تھے۔ ان میں دعوت اسلام کے علاوہ اور کوئی بھی دعوت تھی؟ وہ مکتوب وحی الٰہی اور منشا نبوت کے خلاف تھے یا عین وحی کی ترجمانی پر مبنی تھے؟ یہ تو حق ہے کہ رسول اللہ امی تھے نہ لکھ سکتے تھے۔ اور نہ ہی پڑھ سکتے تھے ایسی صورت میں رسولؐ اپنے کاتبوں ہی پر اعتماد کر سکتے تھے۔ بجنسہٖ یہی اعتماد آپؐ نے حضرت معاویہؓ پر بھی کیا اور مختلف قبائل کے نام آپ نے حضرت معاویہؓ سے مکتوب لکھوائے جو مطابق وحی تھے۔ گویا رسولؐ تو اپنے صحابی اور کاتب وحی پر اعتماد فرماتے ہیں۔ لیکن حیرت ہے تنگ نظر اور متعصب ظفر نہ صرف حضرت معاویہؓ پر بلکہ رسولؐ کے اعتماد کو بھی شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں، اور اس ناعاقبت اندیشی پہ فخر محسوس کر رہے ہیں۔ دوسری طرف حال یہ ہے کہ خود شیعہ مورخ ابن ابی الحدید یہ تسلیم کرتا ہے کہ

کان معاویہؓ احد کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
معاویہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں میں سے
تھے۔ (ابن ابی الحدید ج۱ صہ ۳۳۸)

دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت معاویہؓ کی صلاحیتوں اور علمی خوبیوں کا نہ صرف علم تھا بلکہ اعتماد خاص بھی تھا اسی اعتماد کلی کی وجہ سے بارگاہ رسالت میں آپ نے کتابت وحی کا منصب جلیلہ عطا فرمایا (کنزالعمال ج۲ صہ ۲۴۹، البدایہ والنہایہ ج۸ صہ ۱۱ تقریب التہذیب صہ ۳۵۷)

روایتوں میں تو یہاں تک آیا ہے کہ کتابت کا منصب نبی اکرم ؐ نے اللہ کے حکم سے عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ نے نقل فرمایا ہے کہ
"ایک مرتبہ حضرت جبریل امین بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔
"اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) معاویہ کو سلام کہئے اور ان کو نیکی کی تلقین کیجئے کیونکہ وہ اللہ کی کتاب اور اس کی وحی کے امین ہیں اور بہترین امین ہیں۔"
(البدایہ والنہایہ ج۸ صہ ۱۲۰)

ایک اور حدیث ہے کہ
"معاویہ کو کاتب وحی بنانے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین سے مشورہ فرمایا۔"
جبریل امین نے جواب دیا۔
"آپ ان کو کاتب وحی بنالیں کیونکہ وہ امین ہیں۔"
(البدایہ والنہایہ ج۸ صہ ۱۲۰)

ایک طرف تو حضرت معاویہؓ کو اللہ "امین" کا خطاب بخش رہا ہے دوسری طرف آج کا متعصب ذہن آپ کو کاتب وحی تسلیم کرنے کے بجائے ان پر خیانت کا الزام لگا رہا ہے۔ ایسے ہی آستین مار لوگوں نے اسلام اور تعلیمات اسلام کو مسخ کیا ہے ایسے ہی لوگوں کے مجرم ذہن حدیث کو قبول کرنے سے عاری ہیں۔ ہو سکتا ہے۔ ظفر کی یہ جراءت قرآن کی صداقت کا بھی انکار کر دے۔ کیونکہ ان کے نزدیک کاتب وحی کا ایمان ہی مشتبہ ہے جب کہ حضرت معاویہؓ کاتبان وحی کی فہرست میں نمایاں مقام پر ہیں کیونکہ ظہور اسلام کے وقت قریش میں صرف ۱۷۔ آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے جن میں ایک سیدنا معاویہؓ تھے۔ غور فرمائیے پورے مکہ میں جب کہ ۱۷ یا ۲۰ آدمی تعلیم یافتہ ہوں آپ کا کتاب فن سے واقف ہونا آپ کی بہترین تربیت اور علمی بلندی کی دلیل ہے لہذا آپ کا صرف کتابت وحی کے منصب پر فائز ہونا ہی آپ کے امین ہونے کی دلیل ہے کیونکہ جس طرح وحی الہی لانے کے لئے امین شرط ہے اسی طرح کاتب وحی ہونے کے لئے بھی امین ہونا شرط ہے۔

جبھی تو حضورؐ کا یہ ارشاد ہے کہ

"اے اللہ! معاویہؓ کو کتاب اور حساب سکھا دے اور اسے عذاب سے محفوظ فرما"

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۲۱ کنز العمال ج ۷ ص ۸۰)

پھر فرمایا:۔

"معاویہ کو ذریعہ ہدایت بنا۔"

(ترمذی ج ۲ ص ۲۱۱، اسد الغابہ ج ۴ ص ۳۸۶، البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۲۱)

امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں اس دعا کو ان الفاظ میں نقل فرمایا
"اے اللہ! معاویہ کو حساب سکھا اور اس کو عذاب سے محفوظ فرما۔"

آپ کے تفقہ فی الدین میں تو سیدنا ابن عباسؓ کی شہادت ہی کافی ہے وہ فرماتے ہیں:-

"معاویہ یقیناً فقیہ ہیں" (بخاری ج ۱ ص ۵۳۱)

عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد معاویہ سے زیادہ امور مملکت میں ماہر کسی کو نہیں دیکھا آپ سے کہا گیا، ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ کو بھی۔ آپ نے فرمایا وہ سب معاویہؓ سے افضل اور بہتر ہے لیکن معاویہ طریق جہاں بانی میں ان سے قابل تھے۔"

(اسد الغابہ ج ۴ ص ۳۸۶)

ایک امتی کے لئے سب سے بڑا سرمایہ حیات اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں اس کے لئے دین کی سمجھ اور آخرت میں عذاب سے محفوظیت کی دعا فرمائیں۔ ان پر ظفر غیر صحابی ہونے کا لیبل چسپاں کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ

جس "انسائیکلو پیڈیا آف اسلام" کا ظفر نے اپنی فہرست کتب میں تذکرہ کیا ہے اس کی ج ۳ ص ۶۱۷ میں حضرت معاویہؓ کے متعلق یہ پڑھنے سے کیوں گریز کیا گیا ہے۔

بحیثیت سکریٹری آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

بہترین خدمات انجام دیں۔"

یہیں آپؓ نے اسلام کی نئی حکومت میں کام کرنا سیکھا۔ فتح شام میں آپ کو بھی یزیدؓ کے ساتھ بحیثیت نائب سالار بھیجا گیا جہاں آپ نے حیرت انگیز سرگرمیاں اور کارکردگیوں کا مظاہرہ کیا اور قساریہ کی فتح سے اپنے آپ کو ممتاز بنالیا۔ لیکن ایک صحابی رسولؐ کا سکریٹری اور ام المومنین حبیبہؓ کا بھائی ہونا بھی آپ کو شیعہ حضرات کی طعن و تشنیع سے نہ بچا سکا۔ حلم کی جتنی خوبیاں ہیں وہ امیر معاویہؓ میں موجود تھیں۔ آپ کا علم ضرب المثل تھا۔ مغرور ترین دشمن کو مسکراہٹ سے غیر مسلح کر دیتے تھے۔

مشہور مستشرق سائیکس لکھتا ہے کہ

"امیر معاویہؓ کا شمار صف اوّل کے اسلامی خلفاء میں ہوتا ہے۔"

اب رہا حضرت معاویہؓ کا صحابی ہونا تو صحابی کی صحیح تعریف جو شیخ السلام امام ابن حجر عسقلانیؒ نے کی ہے وہ یہ ہے کہ

"صحابی کی سب سے صحیح تعریف یہ ہے کہ جس نے ایمان کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاقات کی اور اسلام پر وفات پائی وہ صحابی ہے"

اور علماء امت کی پوری جماعت نے کوئی قید لگائے بغیر مطلق کہا ہے

"کہ جس مسلمان نے بھی حضورؐ کی زیارت کی وہ صحابی ہے"

اب ظفر ہی بتائیں کہ صحابی ہونے کی ان شرائط پر حضرت معاویہؓ پورے نہیں اتر سکے؟

کیا حضرت معاویہؓ نے اسلام کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نہیں دیکھا ۔۔ ؟

کیا حضرت معاویہؓ کی وفات اسلام پر نہیں ہوئی ؟

میں پوچھتا ہوں اگر وہ صحابی نہیں تھے تو پھر کیا تھے ؟ یہ کیا ظلم ہے کہ بارگاہ رسالت میں بیٹھنے والا ، دیدار نبوی سے فیضیاب ہونے والا ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرکاری خطوط کا لکھنے والا ، جس کی امانت و دیانت کا یہ عالم ہو کہ حضورؐ اسے اپنا کاتب وحی مقرر فرمائیں اس کو صحابی کہہ کر نہ پکارا جائے ؟

ظفر کی اس کتاب سے میں کچھ ایسا متنفر ہو گیا ہوں اور دل برداشتہ ہوں کہ اس کا اختتام ان جملوں پر کرتا ہوں ، لہجہ کی سختی و تلخی کا مجھے احساس ہے لیکن اس کو کیا کروں کہ وہ قصدی ہے لیکن پھر بھی اگر کسی لفظ سے ظفر کی ذات کے استخفاف کا پہلو نکلتا ہو تو میں ان سے معذرت خواہ ہوں خدا بھی مجھے معاف فرمائے ۔ دراصل امہات المومنین جن کا مقام صحابہ کرام کے مقام سے بلند تر ہے کیونکہ صحابہ میں سے کسی کو امت کا باپ نہیں کہا گیا لیکن ازواج مطہراتؓ کو امت کی مائیں قرار دیا گیا ہے ان کی شان میں کسی قسم کی بدگوئی یا بدزبانی میرے برداشت سے باہر ہے

قرآن مجید میں ازواج مطہرات اور صحابہ کرام کے متعلق اللہ تعالےٰ خود فرماتا ہے کہ

"رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ"

چنانچہ ان کی ان خدمات پر قرآن مجید نے جگہ جگہ خود خراج تحسین ادا کیا اور ان کے مقام و مرتبہ کی بلندی کو بیان کیا ہے۔

بالفرض صحابہ سے کوئی قصور یا غلطی سرزد ہوئی تو اس پر
ت گرفت بھی فرمائی گئی ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ان
ے قصور کی وجہ سے ان کا احترام ہی نہ کیا جائے۔ اللہ سے بڑھ کر کون
ان کا احترام چاہیے گا؟ اور کون انسان ایسا ہے جو اللہ سے بڑھ کر یہ
چاہتا ہو کہ صحابہ کرامؓ کا احترام ہو۔
ظفر نے پوری کتاب میں صحابہ کرام اور کاتب وحی جیسے صحابہ
جس رنگ میں پیش کر کے اپنی عاقبت خراب کی ہے۔ میری ان
ے گذارش ہے کہ اب وہ اپنے جھوٹے وقار اور جھوٹی عزت کی خاطر
ں خطرناک غلطی پر تائب ہوں، اور ان کی دارین کی عزت اور
سعادت اسی میں ہے کہ وہ فوراً اس غلطی پر رجوع ہوں۔

میری دعا ہے کہ خدا انہیں ہدایت فرمائے، اور
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امہات المومنین اور صحابہ
کرام کے خاک پا کے صدقے میں مجھ عاصی کی بھی خطاؤں
کو معاف فرمائے، اور میری اس ناچیز کتاب
کو ذریعہ ہدایت بنائے۔ آمین

اور آئندہ بھی اسلام اور اکابر اسلام کے دفاع کرنے
کی توفیق عطا فرمائے۔ ثم آمین

میں اس کتاب کی تکمیل پر اپنے والد بزرگوار
جناب مولانا محمد ادریس کا بصمیم قلب تشکر
گزار ہوں کہ انھوں نے اپنے مفید مشوروں سے میری امداد
فرمائی اور اپنے صد احترام ماموں جناب الضاد احمد صدیقی صاحب

کا بھی احسان مند ہوں کہ موصوف کی کوششوں اور قوت
ایمانی نے مجھ ناچیز کو کتاب ہذا پر قلم اٹھانے کا حوصلہ بخشا

اللہ ہم سب کو نیک ہدایت دے اور اس پر استقامت
بھی نصیب فرمائے۔

"آمین"

ملنے کا پتہ

عوامی کتب خانہ بوسٹن مارکیٹ
کراچی ۲

(باہتمام مستفیض احمد صدیقی انٹرنیشنل پریس کراچی میں چھپا)

اصحابی کالنجوم بایّهم اقتدیتم اهتدیتم

میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں
ان میں سے تم جس کی بھی اقتدا کرو گے ہدایت پا جاؤ گے

تذکرہ

سادات بنو امیہ

SADAT
BANU
UMIYYAH

مؤلف

محمد سلیمان

